انبیائے کرام کی سوانحات پر مبنی کتاب
سوانحِ انبیاؑ
ضیا تسنیم بلگرامی
حصہ اول

فہرست

ابتدائیہ

جب انسان دنیا اور کائنات کے بارے میں کوئی شعور نہیں رکھتا تھا۔ علم سے نابلد تھا اور جس چیز سے بھی خوف محسوس کرتا تھا تو اس کی عبادت کرنے لگتا تھا۔ اچھائی اور برائی کی تمیز سے بے بہرہ۔ کہتے ہیں کہ مذہب خوف سے اور فلسفہ تحیر سے وجود میں آیا۔ شروع شروع میں ہر شخص صرف اپنی ذات سے تعلق رکھتا تھا اگر اجتماعی زندگی بسر کرتا تھا تو اس کے اصول وضوابط نہیں ہوتے تھے۔ اس وقت ایک خدا کا تصور محال تھا۔ جو چیز نظر نہ آتی ہو اس پر ایمان لے آنا مضحکہ خیز بات تھی۔ انسان نے قبیلے بنائے تو اس میں اپنا ایک سردار چننا شروع کر دیا۔ مشیت ایزدی نے انسانوں کا بھلا چاہا اور انسانوں میں اپنے پیغمبر بھیجنا شروع کر دیئے۔ یہ انسانوں کو زندگی بسر کرنے کے طریقے کیا ہیں، بتاتے تھے۔ پہلے خود عمل کرتے تھے اور بعد میں دوسرے لوگ ان کا اتباع کرتے تھے۔ یہ سراپا خیر ہوتے تھے اور شر ان سے برسرپیکار ہو جاتا تھا، انہیں ستایا جاتا تھا، اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ ان کا سماجی، مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا جاتا تھا لیکن یہ نیک بندے راہنمائی سے باز نہیں آتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے زمانوں میں ضابطۂ اخلاق دیا۔ معاشرتی قوانین عطا کئے اور یہ سب ایک خدا کی عبادت پر زور دیتے رہے حالانکہ ان ادوار کے لوگ ایک ان دیکھے خدا پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے اور ان کا مذاق خود بھی اڑاتے تھے اور دوسروں سے بھی اڑواتے تھے۔

ان انبیائے کرام پر دنیا بھر میں سب سے زیادہ لکھا گیا ہے اور شاید ہی دنیا کی کوئی ایسی زبان ہو جس میں ان کے تذکرے موجود نہ ہوں۔ یہ تذکرے جس طرح ضابطۂ تحریر میں لائے گئے ہیں، ان میں بے ربطی اور انداز بیان کی خشکی پائی جاتی ہے۔ کبھی آگے کے واقعات پہلے بیان کر دیئے گئے ہیں اور کبھی پہلے بیان کئے جانے والا واقعہ بعد میں بیان کر دیا گیا ہے۔ جس سے لطف بیان کا مزہ غائب ہو جاتا ہے۔ زیر نظر مضامین میں تسلسل، زمانی اعتبار سے

ملے گا اور واقعات کو نہایت دلکش پیرائے میں لکھا گیا ہے جس سے قاری گرفت میں آ جاتا ہے اور واقعات الجھے ہوئے اور پیچیدہ نہیں رہتے اور پڑھنے والا ان میں کھو جاتا ہے۔

ان مضامین میں بہت سے ایسے واقعات بھی ملیں گے جن سے بہت سے لوگ لاعلم اور نابلد ہوں گے کیونکہ یہ بہت سی کتابوں کے نچوڑ ہیں۔

ان مضامین کو زمانے کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے اور ماہرین نے ان کے زمانوں کو، انتہائی تحقیق کے بعد ان کی ترتیب قائم کی ہے اور ان کے سنوں کا تعین کر دیا ہے۔ ان میں ان سنوں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

انبیائے کرام کا سلسلہ آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا جاتا ہے اور آثار قدیمہ کے ماہرین نے ان کے زمانے کا تعین تین ہزار آٹھ سو باسٹھ کیا ہے۔ ان کے بعد جن نبیوں سے متعلق مضامین ہیں تو ان کے لئے قارئین کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے پیش رو کے بعد دنیا میں آئے اور اپنا کام کر کے رخصت ہو گئے۔

نبیوں سے متعلق مقامات جغرافیے کی مدد سے معلوم کئے گئے اور ان مقامات اور اس عہد کے ماحول کے پس منظر میں لکھے گئے یہ مضامین اسی لئے خاصے مقبول ہوئے کہ پڑھنے والا بہ آسانی کہیں رکے بغیر پڑھتا چلا جاتا ہے، گویا خود بھی کچھ دیر کے لئے اسی ماحول میں پہنچ جاتا ہے۔

امید ہے کہ یہ مضامین بہت پسند کئے جائیں گے جب کہ یہ سسپنس ڈائجسٹ میں چھپنے کے بعد، خاصی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

ان دو حصوں کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا ہے اور بقیہ بہت سے نبیوں پر بھی مضامین لکھے جا رہے ہیں اور اللہ نے چاہا تو اس سلسلے کی مزید کتابیں بھی آپ کے ہاتھوں تک پہنچتی رہیں گی۔

محنت اور عرق ریزی کی داد خواہ

ضیاء تسنیم بلگرامی

حضرت نوح علیہ السلام آدمِ ثانی اور پہلے رسول تھے۔ انہیں بھی لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانے میں وہی تمام دشواریاں پیش آئیں جو بعد میں دوسرے بہت سے نبیوں کو پیش آتی رہیں۔ حضرت نوحؑ کو بھی آگاہ کردیا گیا تھا کہ ان کی قوم کو سزا ملنے والی ہے۔ انہیں ایک بڑی کشتی تیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کشتی میں حضرت نوح نے صاحبان ایمان کے ساتھ دیگر ذی روح بھی بٹھالئے۔

جس طوفان کی خبر دی گئی تھی وہ مقررہ وقت پر آیا اور پورے علاقے کو تباہ و برباد کرگیا۔ حضرت نوحؑ کی ایک بیوی اور ایک بیٹے کو کشتی میں نہیں بٹھایا گیا کیونکہ خدا نے بیوی کو اس کی گمراہی کی سزا دی تھی جب کہ بیٹے کو گمراہ ہونے کے ساتھ اُسے حضرت نوحؑ کی نسل سے نہیں مانا گیا اور خدا نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ تمہارا خون نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ اور طوفان سے تو سبھی واقف ہیں کیونکہ مسلمان، عیسائی اور یہودی سب ہی انہیں اللہ کے نیک بندے کی حیثیت سے جانتے ہیں اور ان کا مقدس کتابوں میں عزت و احترام سے ذکر کیا گیا ہے مگر اس مضمون میں مذہبی کتابوں کے حوالوں کے علاوہ اثری دریافتوں کے حوالوں سے بھی کچھ بتایا گیا ہے اور اس جگہ کی بھی نشاندھی کی گئی ہے جہاں حضرت نوحؑ بہت رہتے تھے اور جہاں یہ طوفان کا واقعہ پیش آیا تھا۔ کچھ لوگ آج بھی اُس طوفان کو عالمی طوفان کہتے ہیں اور کچھ کا خیال ہے کہ یہ طوفان ایک مخصوص علاقے میں آیا تھا۔ ہمیں اُس سے کوئی سروکار نہیں کہ ہم کس کو صحیح سمجھیں اور کس کو غلط۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ حضرت نوحؑ آدمِ ثانی اور اللہ کے رسول تھے۔ اللہ نے انہیں اور اُن کے ماننے والوں کو طوفان سے بچالیا اور آج کی نسلِ انسانی انہی کی اولادوں سے تعلق رکھتی ہے۔

مضمون کے ماخذ

حضرت نوح علیہ السلام

(3862ق۔م)

حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام مرتب قصص الانبیا کے بقول "شکر" تھا مگر یہ چونکہ ہمیشہ اپنی قوم کی بت پرستی، ناشکر گزاری اور گمراہی کا نوحہ کرتے رہے اس لیے ان کا نام "نوح" مشہور ہوگیا۔ یہ پہلے رسول تھے۔

حضرت نوحؑ عراق سے تعلق رکھتے تھے۔ خلیج فارس کا شمالی ساحل جس مقام پر اب واقع ہے، اس سے تقریباً چار پانچ سو میل پیچھے تک دجلہ وفرات کے درمیان جو شاداب اور سرسبز خطہ زمین ہے وہ ماضی بعید میں خشک زمین نہیں تھا بلکہ یہاں ایک سمندر تھا۔ یہ زمین کا ٹکڑا ایک طویل عرصے بعد اس طرح وجود میں آیا کہ مدت مدید تک دجلہ وفرات پہاڑوں سے مٹی لالا کر اس کو پاٹتے رہے۔ صدیوں یہ عمل جاری رہا اور سمندر دو دو تین تین میل پیچھے ہٹتا رہا۔ سمندر کے ہٹ جانے سے زمین قابلِ زراعت ہوتی چلی گئی اور قرب وجوار کے لوگ اس نئی زمین میں آ آکر بستے رہے اور اس جدید زمین کی زرخیزیوں سے مستفید ہوتے رہے۔ اس طرح ہزاروں سال میں وہ زمین وجود میں آئی جسے کبھی خالدیہ (کالدیہ) کہا جاتا تھا اور اب عراق کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت اسی علاقے کے شہر "اور" میں ہوئی تھی جو اس وقت ساحلِ خلیج سے ڈیڑھ سو میل دور ہے۔

آج سے چار ہزار برس پہلے خالدیہ بڑی بندرگاہ اور تجارتی مرکز تھا۔

خالدیہ چونکہ حقیقت میں ایک چھچھلا سمندر تھا جسے دجلہ وفرات نے پاٹ پاٹ کر آبادی کے لائق بنادیا تھا اس لیے اس کی زمینی سطح شروع میں خلیج کی سطح سے بہت کم تھی۔ اس کی بلندی دجلہ وفرات کی آدھی سطح سے زیادہ نہ تھی۔ تقریباً ہر سال گرمی کے موسم میں جب پہاڑوں سے برف پگھل پگھل کر آنے لگتی تھی تو ان دریاؤں کا پانی سیکڑوں میل تک میدانوں میں پھیل جاتا تھا۔

اس زمانے میں جبکہ جنوبی عراق کو وجود میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور دنیا نے بھی تمدن میں بہت ترقی نہیں کی تھی، لوگ ڈنٹھلوں کے جھونپڑوں میں رہا کرتے تھے اور مٹی کی خام چار

دیواری کا نام پختہ مکان تھا۔

لوگ گمراہی میں مبتلا تھے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے والا حضرت نوحؑ کے سوا کوئی نہ تھا۔ دولت مندوں کی پیروی کی جاتی تھی اور ان کے بت ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر تھے۔ بعد میں یہی بت عربوں میں بھی مقبول ہوئے۔ ود قوم قلب کا بت تھا' سواع قوم ہذیل کا بت تھا' یغوث بنو مداد کا' بعد میں بنی عطیت بھی اس کی پرستش کرنے لگے' یعوق ہمدان اور نسر حمیر کا بت تھا۔

سواع کی شکل ایک عورت جیسی تھی اور یہ غالباً تاریکی اور شرارت کی دیوی تھی کیونکہ سواع زائل اور ضائع ہونے کو کہتے ہیں اور سواع رات کے ایک تاریک ترین حصے کو۔ یہ مورت غالباً اسی دیوی دیوتا کا مجسمہ تھا جس کی پوجا کبھی نکرو کے نام سے کی جاتی تھی۔

یغوث نام کا بت یمن کے ملک ایکہ میں تھا۔ یغوث کا ترجمہ ہے "وہ مدد کرتا ہے۔" اس لفظ کا ماخذ غوث ہے جس کے معنی فریادرسی اور امداد کے ہیں۔

یعوق نام کا بت یمن میں تھا۔ یعوق کو عوق سے مشتق مانا جائے تو اس کا مطلب ہے "وہ باز رکھتا ہے" یعنی دشمن کو حملے سے روکتا ہے اور حفاظت کرتا ہے۔ یعوق کے "ق" کو "ک" سے بدل لیا جائے تو یعوک کا مطلب ہوگا وہ لڑائی کرتا ہے' وہ جنگ کرتا ہے اور اس نام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی کے دیوتا کا بھی نام تھا۔

نسر گِدھ کو کہتے ہیں۔ اس صورت کا ایک بت یمن کے شہر "سبا" میں بھی تھا۔ آسمان کے اوپر چمکنے والے ستاروں کے ایک خاص جھرمٹ کو "نسر الطائر" کہتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے بت کو نسر طائر بھی کہتے تھے۔

یہ تمام بت خالدیہ کے کھنڈروں سے برآمد ہوئے اور غالباً یہ سب طوفان نوحؑ کے بعد کے بت ہوں گے کیونکہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں یہ صنعت اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی کہ لوگ مورتیں تراشتے اور اس زمانے میں مندروں کے بنانے کا بھی دستور نہ تھا کیونکہ ابھی تک تعمیرات کا فن وجود میں نہیں آیا تھا۔ اندازہ یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم درختوں کے نیچے من گھڑے پتھروں کو محبت کے دیوتا ود' تاریکیوں اور شرارت کی دیوی سواع' نیکی اور بھلائی کے دیوتا یغوث' لڑائی کے دیوتا یعوق اور آسمانی دیوتاؤں کے جھرمٹ نسر کو پوجتی ہوگی۔

اس کا بھی پتا نہیں چلتا کہ بتوں کی پوجا کا کون سا طریقہ اس وقت رائج تھا۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کا بڑا اور شاید اکیلا ذریعہ نذر کا چڑھانا تھا۔

خالدیہ والوں کا عقیدہ تھا کہ دنیا کے کارخانے کو چھوٹے بڑے بہت سے دیوتا مل کر چلاتے ہیں۔ جن کو وہ' نجر (دیوتا) ایلو (معبود) ملک (فرشتہ' بادشاہ) اور ملکہ کہتے تھے۔

اس کفر اور گمراہی کی سرزمین اور زمانے میں حضرت نوحؑ کی آواز بلند ہوئی "میں سارے عالم کے

رب کا رسول ہوں۔ میں تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا بھلا چاہنے والا ہوں۔ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ میں علم غیب نہیں رکھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں حقیقتاً کچھ بھی نہیں مگر صاف صاف خبردار کرنے والا ضرور ہوں۔"

حضرت نوحؑ نے اپنا فرضِ نبوت مسلسل ادا کیا لیکن ان کی قوم ان کی باتیں سمجھنے سے قاصر رہی کیونکہ وہ اپنے جیسے کسی آدمی کی بڑائی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ اول تو وہ ان کی بات سننے کے لیے تیار ہی نہ تھے مگر حضرت نوحؑ نے اپنا پیغام مسلسل اور تکرار سے پہنچایا تو لوگوں کے کانوں میں کچھ تو پڑا اور ان کے حافظے میں کچھ باتیں تو محفوظ رہیں اور جب وہ ان کی طرف.... رسماً متوجہ ہوتے تو ان کی باتوں کو ہنسی میں اڑا دیتے لیکن تا کبے!

حضرت نوحؑ کو ان کی قوم نے ایک بلند جگہ پر کھڑے دیکھا۔ وہ وہاں سے آنے جانے والوں کو مخاطب کر رہے تھے "اے میری قوم! دیکھو تو سہی میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت بخشی ہے مگر وہ تم سے مخفی ہے تو کیا ہم اس رحمت کو تم پر چسپاں کر دیں حالانکہ تم اس رحمت کو پسند نہیں کرتے۔"

حضرت نوحؑ نے اس مخاطبت کے بعد اپنی قوم پر نظر ڈالی تو انہیں یہ عبرت ناک منظر نظر آیا کہ کچھ نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں کہ وہ ان کی شکل دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے تھے اور اکثریت نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں کہ وہ حضرت نوحؑ کی کوئی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔

کچھ لوگ حضرت نوحؑ کی ناقابلِ فہم باتوں سے اتنے بیزار تھے کہ وہ غصے اور طیش کے عالم میں ان کے پاس پہنچ گئے اور کہا "اے نوح' لک کے بیٹے! تم کتنے دنوں سے ہمیں تعلیم و تلقین کر رہے ہو۔ یہ بتاؤ ہم پر اس کا کچھ اثر ہوا؟"

حضرت نوحؑ نے جواب دیا "جانتا ہوں کہ کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور اسی لیے میں تمہیں مسلسل ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کر رہا ہوں۔ لوگو! یاد رکھو اللہ نے مجھے جو فرض سونپا ہے میں اسے ادا کرتا رہوں گا اور تمہیں گمراہی سے نکالنے کی جدوجہد جاری رکھوں گا۔"

کسی نے طنزاً پوچھا "اے نوح! کیا تم فرشتے ہو کیونکہ ہم انسانوں کی اصلاح کے لیے فرشتہ ہی آسکتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب ہم واقعی گمراہ ہوں۔ ہم تو اپنے دیوی دیوتاؤں کی عبادت دل لگا کر کرتے ہیں اور نذرانے بھی چڑھاتے رہتے ہیں۔"

لوگوں کی ان باتوں کا حضرت نوحؑ کے پاس ایک ہی جواب تھا "یہ بت جنہیں تم پوجتے ہو' یہ تو تمہارے اپنے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ میں تو تمہیں اپنے اس رب کی طرف بلا رہا ہوں جو اس کائنات کا

خالق ہے۔"

لوگوں نے آپس میں کہا "اس شخص سے بحث کرنا فضول ہے۔ یہ صرف باتیں بنانا جانتا ہے۔ اس کی کوئی بات بھی اپنی سمجھ میں نہیں آتی۔"

اسی طرح لوگ حضرت نوحؑ کا مذاق اڑاتے ہوئے چلے گئے اور حضرت نوحؑ اپنی جگہ تنہا کھڑے رہ گئے۔ لوگوں نے ان کی بیوی سے کہا "تم اپنے شوہر کو سمجھاتی کیوں نہیں۔ وہ ہمیں معلوم نہیں کس قسم کی تعلیم دیتا رہتا ہے۔ تم تو نوح کی بیوی ہو۔ تم خود بتاؤ کہ نوح ہم سے کیا چاہتا ہے۔"

بیوی نے جواب دیا "اس کی کوئی بات اگر تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو میری سمجھ میں کیا آئے گی۔ میں نوح کو منع نہیں کرسکتی کیونکہ وہ ایک ضدی انسان ہے۔"

اب لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت نوحؑ کی تعلیمات کا ان کی بیوی پر بھی کوئی اثر نہیں تو دوسرے لوگ ان کی بات کیوں مانیں گے۔

حضرت نوحؑ کی مسلسل جدوجہد نے لوگوں کو مشتعل کردیا اور وہ تشدد پر اتر آئے لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے حضرت نوحؑ کی باتیں غور سے سنیں اور یہ باتیں ان کی سمجھ میں بھی آ گئیں لیکن یہ وہ لوگ تھے جو غربت اور افلاس کے مارے ہوئے تھے اور معاشرے میں پسماندہ کہلاتے تھے۔

یہ لوگ راتوں کو حضرت نوحؑ کے پاس جاتے اور کہتے "ہمیں آپ کی رسالت پر یقین ہے۔ اب ہم بتوں کی پوجا نہیں کریں گے۔"

حضرت نوحؑ نے ان سب کو دیکھا۔ یہ نادار اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگ تھے لیکن انہیں اللہ نے سوجھ بوجھ دی تھی اور انہیں اچھے برے کی تمیز تھی۔

یہ لوگ پہلے تو ان کے پاس چھپ چھپ کر آتے اور ملتے رہے مگر پھر ان میں اتنی ہمت آ گئی کہ دولت مندوں کی پروا کیے بغیر حضرت نوحؑ کا ساتھ دینے لگے۔

دولت مندوں اور خوش حالوں نے حضرت نوحؑ کے آس پاس کچھ لوگ دیکھے تو وہ ان کا بھی مذاق اڑانے لگے۔ وہ آپس میں یہی کہتے تھے کہ نوح نے رذیلوں کو اپنا ہم خیال بنالیا ہے اور انہیں کوئی معقول آدمی ابھی تک نہیں ملا جو ان پر ایمان لے آتا۔"

لیکن کچھ ایسے شریر لوگ بھی تھے جو ان کے گرد ایک آدمی کو بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ انہوں نے حضرت نوحؑ کو دھمکی دی "اگر تم باز نہ آئے تو اب ہم تشدد سے کام لیں گے۔"

حضرت نوحؑ پر ان سخت کلمات کا کیا اثر ہوسکتا تھا۔ انہوں نے فرمایا "لوگو! میں جو حق کا پیغام پہنچا رہا ہوں، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی لالچ یا خوف سے باز آجاؤں گا۔ میں تو اللہ کے حکم سے تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔"

شریروں نے حضرت نوحؑ کے آس پاس کم حیثیت انسانوں کو دیکھ کر ان سے پوچھا "اے نوح! تم اپنے ماننے والوں کو دیکھو اور ان سے ہمارا موازنہ کرو۔ یہ غریب اور نادار تو اس لائق بھی نہیں کہ انہیں ہم اپنے پاس بٹھائیں۔ انہیں تو اتنی سوجھ بوجھ اور عقل بھی نہیں دی گئی کہ یہ اپنی غربت اور افلاس کا علاج کرتے۔ ہمیں دیکھو ہم سب اس ماحول کے خوش حال ترین لوگ ہیں کیونکہ ہمیں ان سے زیادہ عقل دی گئی ہے۔ ہم اور تمہارے یہ ساتھی برابر تو نہیں ہوسکتے۔ تم ان سب کو خود سے دور کردو تب ہم تمہارے پاس بیٹھ کر تمہاری باتیں سنیں گے اور غور کریں گے کہ وہ کس حد تک قابلِ قبول ہیں۔"

حضرت نوحؑ نے جواب دیا "اللہ نے تمہیں ان پر اس لیے فضیلت نہیں دی کہ یہ اللہ کے فرمان کو سنتے ہیں، اسے قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ اس کے نیک اور ہوش مند بندے ہیں۔ جبکہ تم سرتاپا گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہو۔"

آپ کے آس پاس جو لوگ جمع ہوگئے تھے جب انہوں نے یہ سنا کہ معاشرے کے مالدار اور نام نہاد معزز لوگ حضرت نوحؑ کے پاس غریبوں کی موجودگی میں جانا گوارا نہیں کرتے تو انہوں نے کہا "حضرت! اگر یہ لوگ ہماری وجہ سے آپ کی بات سننا پسند نہیں کرتے اور آپ کے پاس بیٹھنے میں عار محسوس کرتے ہیں تو ہم آپ کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "نہیں، تم ہمارے پاس ہی رہو کیونکہ اللہ نے تمہیں عقلِ سلیم اور صالح قلب عطا فرمایا ہے۔ تمہیں ان نمائشی لوگوں کے پاس بیٹھنے میں عار ہونا چاہیے۔"

معاشرے کے خوش حال لوگوں نے حضرت نوحؑ سے پوچھا "آپ کے پاس بیٹھے ہوئے یہ نادار لوگ آپ سے کیا کہہ رہے ہیں؟"

حضرت نوحؑ نے انہیں بتایا "یہ تمہارے لیے ہمارے پاس سے اٹھ جانا چاہتے تھے لیکن ہم نے انہیں روک لیا اور انہیں بتایا کہ تم لوگ ان خوش حال لوگوں سے ہزار درجے بہتر ہو۔"

اس جواب نے شرارت پر آمادہ لوگوں کو مشتعل کردیا اور انہوں نے حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کردیا۔

اس حملے میں حضرت نوحؑ کو زیادہ نقصان پہنچا۔ ان کے کپڑے خون میں لت پت ہوگئے۔ ہر طرف شور مچ گیا کہ لوگ حضرت نوحؑ کو مار رہے ہیں۔

ان کی بیوی کو بھی پتا چل گیا کہ حضرت نوحؑ کو لوگ بلا وجہ مار رہے ہیں۔ یہ بیوی ان کی رسالت کی منکر تھی اور دوسروں کی طرح یہ بھی انہیں صحیح العقل نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا بیٹا کنعان بھی ماں کا ہم خیال اور حضرت نوحؑ کے خلاف تھا۔

کنعان نے جب یہ سنا کہ حضرت نوحؑ کو مارا جارہا ہے تو وہ بھی ماں کا ہم خیال ہوگیا کہ انہیں اپنی

باتوں کا سلسلہ ترک کر دینا چاہیے اور ان کی فضول باتوں سے حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا۔

ماں، حضرت نوحؑ کو بچانے کے لیے چل پڑی۔ بیٹے سے بھی کہا "تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

کنعان نے جواب دیا "میں وہاں جا کے کیا کروں گا کیونکہ وہ باتوں سے باز نہیں آئیں گے اور مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ انہیں لوگوں سے بچاؤں۔"

بیوی اکیلی ہی لوگوں میں پہنچ گئی۔ دیکھا کہ لوگوں نے حضرت نوحؑ کو بہت بری طرح مارا ہے جس سے وہ لہولہان ہو گئے ہیں۔

بیوی نے اپنے شوہر کو اپنے پیچھے کر دیا اور مارنے والوں سے پوچھا "تم لوگ انہیں کیوں مار رہے ہو؟"

لوگوں نے جواب دیا "نوح کی بیوی! تم اپنے شوہر کو سمجھاتیں کیوں نہیں، یہ روز روز ہمیں گمراہ کرنے چلا آتا ہے۔ اسے گھر میں روک کے رکھو۔"

بیوی نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! نوح تو دیوانے ہو گئے ہیں۔ تم انہیں مار مار کر اپنی مرضی کے مطابق نہیں بنا سکتے۔ تم انہیں مت مارو۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں حالتِ دیوانگی میں کہتے ہیں۔ انہیں خود بھی نہیں معلوم کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں اور اس کا کیا اثر ہوگا۔"

لوگوں نے بیوی کے کہنے سے ان کو مارنا چھوڑ دیا۔

حضرت نوحؑ کو اپنی بیوی کی باتوں سے بے حد تکلیف پہنچی۔ انہوں نے پہلی بار خدا سے شکایت کی "خدایا، میں کافروں میں گھر گیا ہوں۔ انہوں نے مجھے بہت بری طرح مارا ہے اس لیے ان کافروں سے نجات دلا اور اس قوم کو تباہ کر دے۔ میرا بدلہ تو ان سے لے لے۔"

جواب میں حضرت نوحؑ کو کسی غیبی آواز نے بتایا "اے نوح! آپ کی یہ قوم باتوں سے نہیں سدھرے گی۔ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں اور اللہ آپ کی دعا ضرور قبول کرے گا۔ اس لیے آپ ان کے حق میں بددعا کریں۔"

حضرت نوحؑ نے اپنے آس پاس دیکھا کہ انہیں کس نے مخاطب کیا ہے مگر وہاں تو کوئی بھی نہ تھا۔

کچھ دنوں بعد حضرت نوحؑ نے اپنے معاشرے کے دولت مند اور معزز لوگوں کو بلوایا "یہ لوگ حضرت نوحؑ کے پاس پہنچ تو گئے مگر اس بار انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس وقت ان کے پاس ان کے ساتھی نہیں تھے۔

یہ سب حضرت نوحؑ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے اور پوچھا "آج آپ کے ساتھی نظر نہیں آ رہے ہیں، خیریت تو ہے! وہ کہاں چلے گئے؟"

حضرت نوحؑ نے جواب دیا "لوگو، تم سے بات کرنے کے لیے میں نے ان سب کو خود ہی ہٹا دیا ہے۔

اب تم بتاؤ کہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہو؟"

ان میں جو سب سے زیادہ شری اور فتنہ پرور تھا، کہنے لگا "کیا آپ نے اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ کے لیے دور کر دیا ہے یا انہیں وقتی طور پر ہٹا دیا ہے۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "وہ ایک خدا کے ماننے والے اور تمہارے بتوں سے نفرت کرنے والے لوگ ہیں اس لیے میں انہیں کس طرح دھتکار سکتا ہوں۔"

ایک شریر نے کہا "تب پھر ہم تم سے کیا بات کریں گے۔ تم ہمیں سمجھاؤ گے اور تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آئیں گی پھر ہم تمہیں سمجھائیں گے اور تم ہماری باتیں نہیں سمجھو گے تو بات کس طرح بنے گی۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "میری سیدھی سچی باتیں تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آئیں گی؟"

لوگوں نے کہا "تم ہمارے دیوی دیوتاؤں کو برا بھلا کہو گے اور ہم سے شکایت کرو گے کہ ہم تمہاری بات نہیں سمجھتے۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اس میں تمہاری کون سی بات ایسی ہے جسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "لوگو! بات صرف اتنی سی ہے کہ میں تمہارے بنائے ہوئے دیوی دیوتاؤں کو نہیں مانتا کیونکہ وہ میرے خدا کے پاسنگ بھی نہیں اور تم لوگ مسلسل شرک کے شکار ہو۔"

لوگوں نے ان سے پوچھا "تم نے اتنی بڑی بات جس طرح آسانی سے کہہ دی اور چاہتے ہو کہ ہم اسے مان لیں تو ہم اب تو تمہاری کوئی بات کس طرح سمجھیں گے۔"

دونوں میں اسی طرح بحث ومباحثہ کچھ دیر جاری رہا اور کسی نتیجے پر پہنچے بغیر بات ختم ہو گئی۔

لوگوں کے ہٹتے ہی حضرت نوحؑ نے اپنا کام شروع کر دیا اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ آخر کار، کہا جاتا ہے کہ اللہ نے انہیں آگاہ کیا کہ ان چالیس ساتھیوں کے علاوہ اب کوئی نوح کی رسالت اور ایک خدا پر ایمان نہیں لائے گا اس لیے اپنی کوششیں تو جاری رکھیں مگر ان کے ایمان قبول کرنے کی توقع نہ کریں۔"

حضرت نوحؑ کی عمر پانچ سو ننانوے سال ہو چکی تھی اور انہیں اپنی کامیابی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے پھر اسی عالم میں انہیں آگاہ کیا گیا کہ وہ اپنی نافرمان قوم کے لیے بددعا کریں۔ اللہ اس بددعا کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے خلاف بددعا کی "خدایا! ان کافروں کو تو ایسی پکڑ میں لے کہ انہیں تیری قہاریت کا یقین ہو جائے۔ اے اللہ میں ان کے مقابلے میں کمزور ہوں، تو ان سے بدلہ لے، اللہ! انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد کر۔ پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ اے اللہ! ان

کافروں سے تو اپنی رحمتیں کھینچ لے اور ان پر ارضی اور سماوی آفتیں نازل فرما۔"

ان کی بددعا کے کچھ دیر بعد ہی حضرت نوحؑ کو غیبی آواز سنائی دی "اے نوح! اپنی قوم کو بتا دیں کہ ان پر اللہ کا عذاب اس طرح نازل ہوگا کہ پہلے تو تنور سے پانی ابلے گا اور پھر یہ پانی پورے شہر میں پھیل جائے گا۔ اس کے علاوہ آسمان سے پانی برستا ہی رہے گا پھر زمین سے ٹھنڈا پانی ابلے گا اور ابلتا رہے گا۔ جس میں سب کچھ ڈوب جائے گا اور سارے کافر و مشرک فنا ہو جائیں گے۔"

حضرت نوحؑ نے گھبرا کر پوچھا "خدایا! ان میں تو تیرے نیک اور صالح بندے بھی فنا ہو جائیں گے۔"

جواب ملا "اے نوح! تو اپنے اور ان کے لیے ایک بہت بڑی کشتی تیار کر تاکہ اس کشتی کے ذریعے صاحبِ ایمان لوگوں کو بچا لیا جائے۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "خدایا! مجھے تو کھیتی باڑی کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا پھر میں کشتی کس طرح تیار کروں گا؟"

انہیں حکم دیا گیا "اے نوح! تم گوپھر کی شاخیں کاٹو اور ان سے تختے تیار کرو۔ تمہیں کشتی بنانے کا کام سکھا دیا جائے۔"

حضرت نوحؑ نے ابھی تک گوپھر کی شاخوں کی کوئی چیز بنی ہوئی نہیں دیکھی تھی کیونکہ سارے مکانات ڈنٹھلوں اور مٹی کے گارے سے تیار کیے جاتے تھے اب انہیں پہلی بار گوپھر سے کشتی تیار کرنے کا حکمِ ربّی ملا تھا۔

آج گوپھر کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون سا درخت ہے۔ کچھ مفسرین نے دیودار اور چیڑ کے درختوں کو گوپھر کہا ہے جبکہ حضرت نوحؑ کے علاقے میں دیودار اور چیڑ کے درخت نہیں پائے جاتے تھے۔ البتہ یہاں سرو کے درختوں کی بہتات ہے۔ یقیناً سرو کو ہی اس زمانے میں گوپھر کہا جاتا ہوگا۔

حضرت نوحؑ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں کام شروع کر دیا اور گوپھر کے تنوں اور شاخوں سے تختے بنانا شروع کر دیے۔

بیوی نے لوگوں کو بتایا "اب تو نوح کا دماغ بالکل جواب دے گیا کیونکہ اب یہ کاشت کاری تو کرتے نہیں اور واعظانہ اور ناصحانہ باتیں بھی ترک کر دیں اور خدا جانے یہ لکڑی کے تختوں سے کیا کام لیں گے۔"

بیوی کو بھی حضرت نوحؑ کے کام پر حیرت ہو رہی تھی۔ اب اسے بالکل یقین ہو گیا کہ ان کی دماغی حالت درست نہیں ہے۔

اسی دوران میں حضرت نوحؑ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ پانی کے عذاب کی خبر قوم تک پہنچا دیں۔

جو لوگ ان کے پاس سے گزرتے وہ حضرت نوحؑ سے پوچھتے "اے نوح! پہلے تو کاشت کاری کرتے تھے۔ اب یہ بڑھئی کا کام کب سے شروع کر دیا؟"

حضرت نوحؑ نے انہیں بتایا "لوگو! تم شرک سے باز نہیں آؤ گے تو اب اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم سب کو غرق کر دیا جائے۔"

لوگوں کو ہنسی آگئی، پوچھا "کس پانی میں غرق کیا جائے گا؟ کیا تمہارے یہ نادار اور ذلیل ماننے والے ہمیں کسی دریا یا سمندر میں غرق کر دیں گے؟ ان میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ یہ ہمیں اٹھا سکیں۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "جب تم پر پانی کا عذاب نازل ہوگا تو تم سب اس میں خود ہی ڈوب جاؤ گے۔"

قوم نے پوچھا "پانی کا یہ عذاب ہم پر کب نازل ہوگا۔ ہم اس کا کب تک انتظار کریں؟"

حضرت نوحؑ نے اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ بہت جلد ایک عظیم طوفان آنے والا ہے اور آسمان سے مسلسل بارش ہوگی اور پھر تنور سے ٹھنڈا پانی ابلے گا اور صرف اسے پناہ ملے گی جو ان کی کشتی میں پناہ لے گا۔

لوگوں کو ہنسی آگئی کہ وہ کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔ تنور سے پانی ابلے گا، خشکی سے پانی ابلے گا، آسمان سے بارشیں ہوں گی اور پھر ایک متنفس بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

یہ بے سروپا باتیں انسانوں کی سمجھ میں نہ آنے والی تھیں۔

کئی آدمی شرارتاً حضرت نوحؑ کے پاس پہنچے اور پوچھا "جناب! آخر آپ کا ڈرانے والا طوفان کب تک آجائے گا۔ ہمیں تو اس کا شدت سے انتظار ہے۔ آپ اپنے خدا سے کہو کہ وہ طوفان جلدی بھیجے۔"

ایک نے کہا "آپ کشتی تو بہت بڑی بنا رہے ہیں اور اس پر اکیلے کام کر رہے ہیں۔ یہ کشتی جب تیار ہو جائے گی تو اسے آپ پانی میں کس طرح اتاریں گے۔ آپ کے پاس تو اتنے آدمی بھی نہیں اور اگر آدمی ہوں بھی تو وہ اتنی بڑی کشتی کو دور پانی تک کس طرح لے جائیں گے۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "لوگو! جب میں تمہیں پانی کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ پہلے میرے تنور سے پانی ابلے گا پھر آسمان سے گرم پانی کی بارش ہوگی اور زمین کے سوتے کھول دیے جائیں گے جن سے ٹھنڈا پانی ابلنا شروع ہو جائے گا۔ اس وقت اس کشتی کو کہیں لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ یہ زمین خود سمندر بن جائے گی۔"

لوگوں نے کہا "اے نوح! تمہاری باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ تم خشکیوں میں بیٹھ کے پانی کی کشتی تیار کر رہے ہو۔ لوگ تو ہنستے ہیں کہ نوح کو کیا ہو گیا ہے کہ خشکی پر چلانے کے لیے کشتی بنا رہا ہے۔"

حضرت نوحؑ نے جواب دیا "تمہاری ناقص عقلوں میں کوئی سیدھی بات آتی ہی نہیں۔ میں تو تم سے عاجز آگیا ہوں۔"

کسی نے کہا "اے نوح! تم ہم سے اتنے عاجز کہاں آئے جتنے ہم تم سے عاجز آچکے ہیں۔"

دونوں میں یہ تکرار کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی۔

حضرت نوحؑ اپنی کشتی سازی میں دوبارہ مشغول ہوگئے۔ قصص الانبیاء کے مرتب کے مطابق کشتی کی تیاری میں کچھ تختے کم پڑ گئے تھے اور وہاں کوئی ایسا درخت باقی نہیں بچا تھا جسے کاٹ کر تختے بنائے جاتے۔

حضرت نوحؑ کے ماننے والے بھی اس مشکل سے پریشان ہوگئے کہ یہ درخت انہیں کہاں سے ملے گا۔ آخر کسی نے مشورہ دیا کہ جباروں میں ایک طویل الاقامت انسان عوج بن عنق ہے۔ یہ شخص اتنا لمبا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر معلوم کرسکتا ہے کہ نوح کے مطلب کا درخت کہاں سے ملے گا۔

حضرت نوحؑ نے اس کو بلوایا تو اس کے قد و قامت کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عوج بن عنق نے پوچھا "اے نوح! آپ کو میری کیا ضرورت پیش آگئی؟"

حضرت نوحؑ نے اپنی ضرورت بیان کی۔

عوج بن عنق نے جواب دیا "اے نوح! میرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں کھڑے کھڑے ہاتھ بڑھا کے کہیں سے بھی اس درخت کو لا سکتا ہوں۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "میں اس کے بدلے تمہیں کھانا کھلا سکتا ہوں۔"

عوج بن عنق کی سب سے بڑی کمزوری کھانا تھا۔ اس نے حضرت نوحؑ کی بات پر یقین تو کرلیا مگر عقل کی کمی کی وجہ سے اس نے یہ سوچا بھی نہیں کہ نوح اسے ایک وقت کا کھانا کہاں سے فراہم کرے گے؟"

عوج بن عنق نے ہاتھ بڑھا کے ایک بہت بڑا درخت جڑ سے اکھاڑ کر ان کے حوالے کردیا اور کہا "اب مجھے آپ ایک وقت کا کھانا کھلادیں۔"

حضرت نوحؑ نے اس کے سامنے جو کی تین روٹیاں رکھ دیں۔

عوج بن عنق نے ان روٹیوں کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا "اے نوح! میں ایک وقت میں بارہ ہزار روٹیاں کھا جاتا ہوں اور اس کے باوجود مجھے ہمیشہ یہی شکایت رہی ہے کہ مجھے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "اے عوج بن عنق! آج یہ تین روٹیاں ہی تجھے کافی ہوں گی کیونکہ تو نے اللہ کے نام کو بھلا رکھا ہے۔ اگر تو کھانے سے پہلے بسم اللہ کہہ لیا کرتو اللہ تیرے کھانے میں برکت دے

گا۔"

اس طویل القامت شخص نے حضرت نوحؑ کو غور سے دیکھا اور کہنا مان لیا۔ بسم اللہ پڑھی اور روٹیاں کھانا شروع کردیں۔ ابھی دوسری روٹی ختم نہ ہوئی تھی کہ اسے کھانے کی حاجت نہیں رہی اور دو روٹیوں میں اس کا پیٹ بھر گیا۔

حضرت نوحؑ نے اس درخت سے اپنی مرضی کے مطابق تختے نکالے اور کشتی مکمل کی۔

جب کشتی تکمیل کے قریب پہنچی تو اللہ نے حکم دیا "اب آپ تمام نیک بندوں اور اپنے گھر والوں کو کشتی میں سوار کرادیں اور اس کے علاوہ جو بھی پرند و چرند اور جاندار ہیں' ان کے دو دو جوڑے بھی کشتی میں پہنچادیں تاکہ طوفان کے بعد ان کی ان سے نسل چلے۔

اب حضرت نوحؑ کو اپنے آدمیوں کو اپنے خاندان سمیت کشتی میں پہنچانا تھا۔ انہوں نے اللہ کے صالح بندوں کو کشتی میں بھیجنا شروع کردیا۔ تمام پائے جانے والے جانوروں کو بھی کشتی میں پہنچادیا گیا۔

لوگ یہ ساری کارروائیاں دیکھتے رہے اور حضرت نوحؑ کو خبطی سمجھتے رہے کہ وہ معلوم نہیں یہ کیا کر رہے ہیں۔

کشتی میں کئی درجے یا منزلیں رکھی گئی تھیں۔ نچلے حصے میں درندے اور دوسرے جانور' دوسرے میں حضرت نوحؑ اپنے خاندان اور ساتھیوں کے ہمراہ' تیسرے میں پرندے اور اسی نوع کے دوسرے جاندار' چوتھے میں کھانے پینے کا سامان رکھا گیا تھا اور اسی حصے میں مختلف پودوں اور درختوں کے بیج بھی ذخیرہ کرلیے گئے۔

اب بھی لوگ شرارتاً پوچھتے "نوح! تمہارا طوفان پتا نہیں کب آئے گا۔ ہم تو اس کا انتظار کرتے کرتے عاجز آگئے۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "کشتی تیار ہوچکی ہے۔ طوفان کو اس کشتی کا انتظار تھا۔ اب ہمیں اس پر لوگوں کو چڑھانے کی اجازت اور مہلت دی گئی ہے۔ جس دن یہ سارے کام ختم ہوجائیں گے بس اسی وقت سے اللہ کا عذاب طوفان کی شکل میں نمودار ہوجائے گا۔"

کشتی مکمل ہوجانے کے بعد حضرت نوحؑ نے اپنی نافرمان بیوی کو اس پر سوار ہونے کی دعوت دیتے ہوئے کہا "تو بھی کشتی میں سوار ہوجا۔"

بیوی نے کہا "تمہاری باتوں پر کون اعتبار کرے جبکہ پوری قوم تم کو جھٹلا رہی ہے۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "تم میری گمراہ قوم میں مت شامل رہو۔ تم میرا کہنا مانو اور کشتی پر سوار ہوجاؤ۔"

لیکن بیوی نے انکار کردیا۔ وہ ان کی نبوت کی شروع ہی سے قائل نہیں تھی اور وہ مسلسل اپنی گمراہ

قوم کا ساتھ دے رہی تھی۔

بیوی سے مایوس ہونے کے بعد آپ نے اپنے بیٹے کنعان سے کہا "بیٹے! تم کشتی میں آجاؤ کیونکہ اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے اہل کو پناہ دے گا اور محفوظ رکھے گا۔"

کنعان نے جواب دیا "آپ کو میری ماں نے کیا جواب دیا؟"

حضرت نوحؑ نے کہا "وہ تو گمراہ ہوگئی ہے اور میری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تم تو میرے بیٹے ہو۔ تمہارے تمام بھائی حام، سام اور یافت کشتی میں پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے اناج اور پانی کا ذخیرہ بھی کشتی میں پہنچا دیا ہے جو بہت دنوں کے لیے کافی ہوگا۔ کشتی میں پرندوں اور جانوروں کو بھی پہنچا دیا گیا ہے تاکہ وہ اس طوفان کے بعد زندہ رہیں اور ان کی نسل ان سے چلے۔"

کنعان نے اونچے اونچے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں ان پہاڑوں پر چڑھ جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ آپ کی کشتی بچتی ہے یا میں طوفان سے محفوظ رہتا ہوں۔"

حضرت نوحؑ نے بتایا "بیٹے! جہالت کی باتیں نہ کر، بلکہ میرا کہنا مان اور نیک لوگوں کی طرح کشتی میں سوار ہوجا۔ میں نے تو تیری ماں کو بھی دعوت دی تھی مگر اس بدنصیب نے اسے ٹھکرا دیا۔"

بیٹے نے باپ کی بات نہ مانی اور وہ اپنی ماں کے کہنے پر رہا اور باپ سے بحث کر کے سامنے سے ہٹ گیا۔

حضرت نوحؑ نے دعا کی "خدایا! تو نے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے اہل کو زندہ رکھے گا لیکن میری بیوی اور اس کا بیٹا کنعان مجھ سے باغی ہو کر چلے گئے۔ وہ کشتی میں بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

انہیں بتایا گیا "اے نوح! میں نے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا مگر یہ دونوں تیرے اہل میں سے نہیں ہیں اس لیے ان کے حق میں کوئی دعا نہ کریں۔"

اچانک گھر کے تنور سے پانی کا اخراج شروع ہوگیا۔ حضرت نوحؑ نے اس اخراج کو دیکھتے ہی چیخ کر کہا "اے وہ لوگو! جو کسی وجہ سے کشتی میں نہیں بیٹھ سکے یا اس پر سے کسی ضرورت سے نیچے آگئے تھے فوراً کشتی پر پہنچ جاؤ کیونکہ طوفان آنا شروع ہوگیا ہے۔"

جو لوگ کشتی سے نیچے اترے تھے، وہ فوراً کشتی میں داخل ہوگئے۔

باہر دیکھنے کے لیے اس کشتی میں کچھ کھڑکیاں بنادی گئی تھیں۔ حضرت نوحؑ بھی کشتی میں سوار ہوگئے۔

پانی پھیلتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے بدحواسی کے عالم میں پہاڑوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ ان بھاگنے والوں میں ان کا بیٹا اور بیوی بھی شامل تھے۔

ایک بار پھر حضرت نوحؑ نے ان دونوں کو آواز دی "تم دونوں کہاں جا رہے ہو۔ واپس آجاؤ اور

میری کشتی میں سوار ہوجاؤ۔"

بیوی نے کہا "اے نوح! تمہاری کشتی میں نہایت نادار اور رذیل لوگ سوار ہیں۔ ان میں ہمیں ایک بھی معزز نظر نہیں آیا اس لیے میں ان رذیلوں کے ساتھ نہیں بیٹھوں گی۔"

حضرت نوحؑ نے کنعان کو آواز دی "بیٹے! تو ہی آجا اور نافرمانوں میں سے خود کو دور کر لے۔"

کنعان نے بھی ماں جیسا جواب دیا اور کہا "میں ان رذیلوں کے پاس ہرگز نہیں بیٹھوں گا۔ اول تو مجھے یقین ہے کہ یہ پہاڑ مجھے پناہ دے گا اور آپ کی کشتی پانی میں ڈوب جائے گی اس لیے میں خطرناک کشتی کے بجائے اونچے پہاڑ کی پناہ کیوں نہ لوں۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "اے بیٹے! تو نے اپنی ماں کی طرح مجھے بہت مایوس کیا۔ میں مسلسل یہ سوچ رہا ہوں کہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور اگر تم دونوں زندہ بچ گئے اور کشتی ڈوب گئی تو یہ اس کے وعدے کے خلاف ہوگا اور اگر کشتی بچ گئی اور تم دونوں ڈوب گئے تو یہ بات بھی وعدے کے خلاف ہوگی۔"

اسی پریشانی کے عالم میں حضرت نوحؑ کو بتایا گیا "اے نوح! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہیں اس لیے ان کے لیے ہم سے مدد مت مانگو۔ وہ تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے اور اس وقت پہاڑ بھی انہیں پناہ نہیں دیں گے۔"

حضرت نوحؑ نے خاموشی اختیار کر لی۔

پانی بڑھتا رہا، بارش شروع ہوگئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے آسمان کے سارے در کھول دیے گئے ہوں۔ پانی کی سطح بلند ہوتی رہی۔ ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی اور ہر کسی کو ایک پناہ گار درکار تھی۔

سب ہی اونچی اونچی پہاڑیوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔

ادھر کشتی بھی پانی کی سطح کے ساتھ اٹھتی جا رہی تھی اور پانی کی سرکش موجیں اسے ادھر ادھر لے جا رہی تھیں۔ بارش ایسی شروع ہوئی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

حضرت نوحؑ نے اپنی بیوی کو غرق ہوتے ہوئے دیکھا۔

بیٹا ابھی تک پہاڑی پر چڑھا چلا جا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ پانی کی سطح کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو جائے وہ جودی پہاڑ کی چوٹی پر نہیں پہنچے گا۔

لیکن پانی کی سطح جودی پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئی۔

حضرت نوحؑ نے محسوس کر لیا کہ جودی پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جانے والا کنعان اب ڈوبنے سے نہیں بچے گا کہ کچھ دیر بعد پانی کی سطح پہاڑ کی چوٹی سے بھی اونچی ہو جائے گی۔

باپ کی محبت نے جوش مارا اور حضرت نوحؑ نے بیٹے کو آواز دی "بیٹے! کشتی تیرے قریب پہنچ چکی

ہے۔اب بھی موقع ہے کہ اس کشتی میں آکے اپنی جان بچالے۔"

کنعان نے جواب دیا "نہیں میں کشتی میں اس لیے نہیں آؤں گا کہ میری ماں نے بھی کشتی میں بیٹھنا گوارا نہیں کیا اس لیے میں بھی کشتی میں نہیں بیٹھوں گا۔"

اس موقع پر خدا کی طرف سے حضرت نوحؑ کو تنبیہہ کی گئی کہ "اے نوح! کنعان تمہارے اہل میں سے نہیں ہے اس لیے اسے بھلا دو۔"

بیٹا ڈوب گیا اور حضرت نوحؑ اسے ڈوبتا ہوا دیکھتے رہے۔

طوفان کے آنے کے بعد جب پانی کی سطح بہت اونچی ہوگئی اور دن پر دن گزرنے لگے تو حضرت نوحؑ کو اچانک یہ احساس ہوا کہ جانوروں کے اور خود انسانوں کے بول و براز (پیشاب پخانہ) کا کیا ہوگا۔ اس سے کشتی بہت غلیظ ہو جائے گی۔

لیکن ان کی یہ مشکل خنزیر اور اسی نوعیت کے دوسرے جانوروں نے مل کر حل کر دی۔

چوہوں نے کشتی میں ہنگامہ کر دیا۔ وہ کشتی میں سوراخ کرنے لگے تو حضرت نوحؑ کو حیرت ہوئی کہ آخر چوہے مشیتِ ایزدی سے یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر کشتی میں سوراخ ہوگیا تو یہ ڈوب جائے گی اور کشتی میں جو موجود ہیں وہ بھی غرق ہو جائیں گے۔

اتفاقاً حضرت نوحؑ کو احساس ہوا کہ خنزیر کو انہوں نے تو کشتی میں بٹھایا نہیں تھا پھر یہ کس طرح کشتی میں آگیا۔

اسی دوران میں حضرت نوحؑ کو بتایا گیا "کشتی میں شیطان بھی موجود ہے۔"

حضرت نوحؑ نے شیطان سے پوچھا "اے لعین! تجھے اس کشتی پر کون لایا؟"

شیطان نے جواب دیا "میں خنزیر کے ساتھ ہی کشتی میں داخل ہوگیا تھا۔"

حضرت نوحؑ نے خاموشی اختیار کی کیونکہ خنزیر یہاں کام آرہا تھا۔

بارش کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ لوگ گویا سورج کی شکل تک بھول گئے تھے۔ آبادی تہس نہس ہو چکی تھی۔ وہ تمام لوگ جو حضرت نوحؑ کی تکذیب کیا کرتے تھے اب ان کا کہیں وجود نہ تھا۔

بارش کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت نوحؑ پریشانی تباہی و بربادی کے مناظر دیکھتے رہے۔ انہوں نے کشتی کے روشن دان سے باہر کی طرف دیکھا تو موسلا دھار بارش کی وجہ سے کوئی چیز نظر نہ آئی۔

حضرت نوحؑ نے اندازہ لگایا کہ ان کی کشتی جودی پہاڑ کی چوٹی سے تقریباً پندرہ سولہ ہاتھ بلند ہو چکی ہے۔

کشتی میں کھانے پینے کا سامان موجود تھا اور وہ اسے نہایت کفایت شعاری سے استعمال کرتے رہے۔

پانی کی سطح کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

حضرت نوحؑ جس دن کشتی میں سوار ہوئے تھے اس دن سے انہوں نے شمار کیا تو پتا چلا کہ ایک سو پچاس دن اس طوفان کو گزر چکے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے خدا سے دعا کی "اے خدا! میرے اپنے حساب سے اس طوفان کو ایک سو پچاس دن گزر چکے ہیں اس لیے اب تو ہم پر رحم فرما۔ اے خدا! تیرے نافرمان بندے ہلاک ہو چکے ہیں اور جو تیری عنایت و مہربانی سے زندہ بچے ہیں۔ وہ سب تجھ پر ایمان لائے ہوئے لوگ ہیں۔ اس لیے اب تو ہم سب پر رحم فرما اور اس طوفان سے نجات دے۔"

یک بیک بارش رک گئی اور تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ ان تیز ہواؤں نے پانی کو خشک کرنا شروع کر دیا۔

بارش کے رک جانے سے ایسا لگا جیسے سمندر کے سوتے خشک ہوگئے اور آسمان کے دریچے بند کر دیے گئے۔

اس پانی کو کم ہونے میں بھی ایک سو پچاس دن لگ گئے۔

کتاب "پیدائش" کے مطابق ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو نوح کی کشتی "اراراط" کے پہاڑوں پر ٹک گئی اور پانی دسویں مہینے تک گھٹتا رہا۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ چالیس دن کے بعد حضرت نوحؑ نے کشتی کی کھڑکی کھولی اور ایک کوے کو اڑا دیا۔ وہ نکلا اور ادھر ادھر خشکی تلاش کرتا رہا۔ اسی دوران میں حضرت نوحؑ نے ایک کبوتری اڑائی اور وہ ادھر ادھر جا کے دیکھے کہ زمین پر پانی گھٹا یا نہیں مگر کبوتری نے کہیں پنجہ ٹیکنے کی جگہ نہ پائی اور تھک کر کشتی پر لوٹ آئی۔

حضرت نوحؑ نے کبوتری کو آتے دیکھا تو ہاتھ باہر سے نکال کر اسے ہاتھ پر بٹھا لیا۔

وہ سات دن مزید انتظار کرتے رہے اور سات دن ٹھہر کر اسی کبوتری کو دوبارہ اڑا دیا۔ وہ شام کے وقت اسی طرح واپس لوٹ آئی کہ اس کی چونچ میں زیتون کی ایک تازہ پتی تھی۔

اب حضرت نوحؑ کو یقین ہوگیا کہ پانی خشک ہو چکا ہے لیکن انہیں اترنے کی جلدی نہیں تھی۔ وہ سات دن اور ٹھہرے اور ایک بار پھر کبوتری کو باہر اڑایا گیا۔ اس بار وہ کبوتری واپس نہیں آئی۔

حضرت نوحؑ کی عمر کے چھ سو برس کے پہلے برس کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو زمین پر سے پانی خشک ہوگیا۔ حضرت نوحؑ نے کشتی کی چھت کھولی اور دیکھا کہ زمین کی سطح خشک ہوگئی ہے۔ دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو زمین بالکل خشک ہوگئی۔ خدا کی طرف سے انہیں حکم ہوا "اے نوح کشتی سے باہر نکل۔"

حضرت نوحؑ۔۔۔ اپنے ساتھیوں اور اہل خانہ کے ساتھ باہر نکلے۔ چرندوں اور دوسرے مویشیوں کو بھی اتارا۔

کشتی کے رک جانے کے بعد جب اوپر سے سب کو خشکی پر اتارا گیا تو آخر میں درختوں اور پودوں کے بیج بھی اتار لیے گئے تاکہ انہیں زمین پر بو دیا جائے۔

حضرت نوحؑ کو تمام پودوں اور درختوں کی جڑیں اور بیج مل گئے لیکن ان میں انگور کی جڑ نہیں تھی۔ انہیں حیرت ہوئی کہ انہوں نے یہ جڑ رکھی تو تھی پھر یہ کہاں غائب ہو گئی۔

حضرت نوحؑ نے اللہ سے دعا کی اور مدد مانگی "اے اللہ! مجھے بتا کہ انگور کی جڑ کہاں چلی گئی؟"

انہیں بتایا گیا "انگور کی جڑ کے بارے میں شیطان سے پوچھا جائے۔ اسی نے چوری کر لی ہے۔"

حضرت نوحؑ نے شیطان سے کہا "اے ملعون تو نے انگور کی جڑ چرالی اور مجھے اس کی تلاش میں پریشانی اٹھانی پڑی۔"

شیطان نے صاف انکار کر دیا "مجھے نہیں معلوم کہ انگور کی جڑ کہاں غائب ہو گئی۔"

حضرت نوحؑ نے لاحول پڑھی اور شیطان کو بتایا "اے ملعون! مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انگور کی جڑ تو نے چرالی ہے۔"

شیطان نے کہا "ٹھیک ہے جناب، وہ جڑ آپ کو فراہم کر دی جائے گی مگر آپ کو میری ایک شرط ماننی پڑے گی۔"

حضرت نوحؑ نے کہا "وہ جڑ ہمیں دے دے اور اپنی شرط بتا کہ تو کیا چاہتا ہے؟"

شیطان نے کہا "جب آپ انگور کی جڑ بو دیں گے تو اس کی جڑ میں ایک بار پانی آپ دیں گے اور تین بار پانی ہم دیں گے۔"

حضرت نوحؑ نے سوچا اس میں نہ ماننے والی کوئی بات نہیں۔ درختوں اور پودوں کو پانی تو چاہیے۔ اب اگر ان کی جگہ ایک بار کی جگہ تین بار شیطان پانی دے گا تو اس میں کیا مضائقہ؟

حضرت نوحؑ نے شیطان سے کہا "مجھے تیری شرط منظور ہے۔ تو تین بار پانی دے سکتا ہے۔"

شیطان نے انگور کی جڑ ان کے حوالے کر دی۔ حضرت نوحؑ نے اسے بو دیا اور اس کو ایک بار پانی دیا۔ شیطان نے تین دفعہ لیکن یہ پانی نہیں لومڑی، شیر اور سور کا خون تھا جو انگور کی جڑ میں ڈالا گیا۔ بعد میں اس خون نے یہ اثر دکھایا کہ اس سے شراب بننے لگی اور اس کے پینے والوں کے مزاج میں یہ ظاہر ہونا شروع ہو گئی۔

شرابیوں کا مزاج لومڑیوں جیسا دیکھا اور محسوس کیا گیا۔ اس کے بعد شرابی کا مزاج شیر جیسا ہو جاتا ہے اور آخر میں سور جیسی بے غیرتی آجاتی ہے۔

حضرت نوحؑ کو انگور کی شراب بن جانے سے افسوس ہوا لیکن شیطان نے ان سے کہا "آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے اس لیے آپ بھی مجھ سے کچھ مانگ لیں۔"

حضرت نوحؑ نے پوچھا "اے ملعون! تو ہمارے کس گناہ سے خوش ہوا؟"

شیطان نے کہا "آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ آپ کی بددعا سے طوفان آیا اور اس طوفان میں ہزاروں کافر ہلاک ہو گئے۔ اب وہ سب دوزخ میں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے۔"

شیطان کے اس جملے سے حضرت نوحؑ کو بے حد تکلیف پہنچی۔ وہ اس پر مدتوں ملول رہے اور آنسو بہاتے رہے۔

عرصے کے بعد حضرت نوحؑ نے شیطان سے پوچھا "اے ملعون! وہ کون سا فعل ہے جس کے کرنے سے اولاد آدم دوزخ میں جائے گی۔"

شیطان نے جواب دیا "وہ چار چیزیں ہیں۔ پہلی حسد، دوسری حرص، تیسری تکبر اور چوتھی بخل۔"

حضرت نوحؑ نے اس سے اس کی شرح پوچھی۔

شیطان نے کہا "حضرت! میں نے ستر ہزار سال خدائے عزوجل کو سجدہ کیا اور اس کی عبادت بجالایا لیکن جب اللہ نے آدم کو بنایا اور فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا لیکن میں نے حسد کیا اور آدم کو سجدہ نہیں کیا۔ جس سے مجھے ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ کر دیا گیا۔ مجھ سے اللہ نے پوچھا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا، اس وقت میں نے تکبر سے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے آدم کو خاک سے بنایا ہے اور مجھ کو نار سے۔ اللہ کو میری یہ بات پسند نہیں آئی اور مجھے مردود بارگاہ کر دیا گیا۔ تیسری شے حرص ہے کہ آدم کو گیہوں کھانے سے منع کیا گیا تھا تاکہ وہ ہمیشہ بہشت میں رہیں لیکن میں نے آدم کو گیہوں کھلا دیا۔ یہ انہوں نے حرص میں کیا تھا۔ چوتھی شے بخل ہے اور اللہ نے بخیلوں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔"

شیطان یہ باتیں کر کے چلا گیا۔

حضرت نوحؑ کو حکم دیا گیا "اے نوح کشتی کی لکڑی سے تو ایک مسجد بنا۔"

چنانچہ انہوں نے جودی پہاڑ پر ایک مسجد بنا دی۔ یہ مسجد خدا کے حکم سے تیار کی گئی اور وہاں لوگ آباد ہو گئے۔ اس مسجد کا نام "کشتی کی عبادت گاہ" رکھا گیا۔

حضرت نوحؑ سوئے ہوئے تھے کہ ان کا کپڑا ہوا سے الگ ہو گیا جس سے ستر پوشی جاتی رہی۔

بیٹے حام نے جب یہ منظر دیکھا تو اسے ہنسی آگئی اور چپ کا ہو رہا۔

سام نے دیکھا تو کپڑا ٹھیک کر دیا جس سے ستر پوشی ہو گئی۔

حضرت نوحؑ کو بیداری کے بعد یہ واقعہ بتایا گیا تو انہوں نے سام کو دعائیں دی اور اس دعا کا یہ اثر

ہوا کہ سام کی ساری اولاد پیغمبر ہوئی۔

اور حام کو بددعا دی جس کی وجہ سے اس کا منہ سیاہ ہوگیا اور اس کی اولادیں بھی سیاہ پیدا ہوتی رہیں۔

ساڑھے نو سو برس کی عمر میں جب حضرت نوحؑ اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے تو کسی فرشتے نے ان سے پوچھا "اے شیخ الانبیاء! دنیا آپ کو کیسی لگی؟"

حضرت نوحؑ نے جواب دیا "مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک دروازے سے گھس کر دوسرے دروازے سے نکل آیا۔"

حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک عیلام (ELAM) دوسرا عشور (AESHUR) تیسرا ارفکسٹر (ARFAXAD) چوتھا لود (LUD) پانچواں ارام (ARAM)

سام کی اولادیں ایشیا میں پھیل گئیں اور اقوام ایشیا کہلائیں۔

حام بن نوحؑ کی اولاد افریقا میں پھیل گئی اور اقوام افریقا کہلائیں۔ حام کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا کوش (CUSH) دوسرا مصرائم (MAZRAIM) مصرائم کو مصر بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرا فوط (PHUT) چوتھا کنعان (CANUAN)

حضرت نوحؑ کے تیسرے بیٹے یافث کے سات بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا گومر (GUMER) دوسرا ماجوج (MAGOG) تیسرا مادی (MADA) چوتھا جاوان (JAVAN) پانچواں توبل (TUBAL) چھٹا مسک (MECHECK) ساتواں طیراش (TIBRASH) ان کی اولادیں یورپ اور امریکا میں پائی جاتی ہیں۔

تاریخ طبری میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ نے زمین کے تین حصے کرکے انہیں اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ سام کو زمین کا وسطی حصہ دیا' حام کو دریائے نیل کے آس پاس کا حصہ دیا اور یافث کو دریائے فیلیتون اور اس کے اطراف جوانب کا حصہ دیا۔ گویا اس طرح عرب' ایران اور روم کے باشندے سام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور دریائے نیل کے آس پاس کے باشندے حام کی نسل سے اور ترکی یورپ اور امریکا کے باشندے یافث کی اولادیں ہیں۔

توریت میں ہے کہ طوفان سے نجات حاصل کرنے کے بعد حضرت نوحؑ نے خداوند کے لیے ایک مذبح بنایا اور سارے پاک چرندوں اور پرندوں میں سے لے کر اس مذبح پر سوختنی قربانیاں چڑھائیں۔

○☆○

بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ کے حالات و سوانح، جن سے کم لوگ واقف ہیں۔ اولادِ نوحؑ سے تعلق رکھنے والے یہ پیغمبر استقامتِ روحانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اُن کے عہد کے بڑے بڑے لوگوں نے اُنہیں معمولی انسان سمجھا اور دوسروں کے ذریعے اُن کو اُن کی مساعی سے باز رکھنا چاہا مگر ان کا کام جاری رہا۔

پھر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنے والے، اعلیٰ ستونوں کے معمار بے نام و نشان ہوگئے۔ اپنے نام کو قائم و دائم رکھنے کے خواہش مند بے نشان ہوگئے۔ عبرت کی علامتیں آج بھی موجود ہیں جن کی تہ میں نامی گرامی دفن ہیں۔ حضرت ہودؑ اور قوم ہودؑ کے حالات۔

مضمون کے ماخذ

قرآن پاک	ارض القرآن	کتاب الہدیٰ	انبیائے قرآن	قصص القرآن	عہد نامہ قدیم
علامہ سلیمان ندوی	مولانا یعقوب حسن	یعقوب حسن	جمیل احمد	مولانا حفظ الرحمن	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی

حضرت ہود علیہ السلام

(2500ق۔م)

حضرت نوحؑ کی ولادت ۳۸۳۲ق م اور وفات ۲۸۸۲ق م قرار دی گئی ہے۔ طوفان ۳۲۳۲ق م' میں آیا تھا۔

طوفانِ نوحؑ کے بعد ان کے تینوں بیٹوں سے نسلِ انسانی بڑھی اور پھلی پھولی۔ ان کا ایک بیٹا سام تھا۔ سام کے معنی بلند مرتبہ آدمی کے ہیں۔ آج بھی جب نسلِ انسانی کی بات ہوتی ہے تو ایران کی مغربی سرحد سے بحیرۂ روم کے ساحل تک اور بحیرۂ اسود سے بحیرۂ عرب تک جو قومیں آباد ہیں انہیں سامی النسل کہا جاتا ہے۔

حضرت نوحؑ کے ایک دوسرے بیٹے کا نام حام تھا۔ حام کے معنی سیاہ فام کے ہیں اور یہ نسل شمالی افریقہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ سامی نسل کے لوگ ترقی کر کے دور دور تک پہنچ گئے لیکن ہم جس دور کی تاریخ بیان کر رہے ہیں اس کا پچیس سو قبل مسیح اور چوبیس سو قبل مسیح کے درمیانی ادوار سے تعلق ہے۔ ان کا خاص علاقہ یمن اور عمان کے درمیان واقع تھا۔ آج اس درمیانی علاقے کو الاحقاف کہتے ہیں جس کے معنی ہیں ریگستان۔ چونکہ اب یہ حصہ ویران پڑا ہوا ہے اور یہاں بادِ صرصر اور بادِ سموم کے طوفان اٹھتے رہتے ہیں اس لئے یہاں کسی بستی یا آبادی کا کوئی وجود نہیں تھا اور لوگ اس کو ربع خالی بھی کہتے ہیں لیکن کبھی اس ربع خالی پر ایک طاقتور قوم حکومت کرتی تھی یہاں عاد نام کی ایک عظیم قوم رہتی تھی۔ عاد کا سلسلہ نسل پانچویں نسل میں حضرت نوحؑ کے بیٹے سام سے مل جاتا تھا۔

جس زمانے کی یہ بات ہے یہ ریگستان زمین سرسبز و شاداب تھی۔ یہاں شاندار باغات تھے' سبزہ تھا' لوگوں کے پاس مویشی تھے' دولت کی فراوانی تھی۔ قوموں کو جن باصلاحیت جوانوں پر ناز ہوتا ہے وہ یہاں ہر قبیلے میں موجود تھے۔ صحت مند' توانا اور دراز قد یہ لوگ اپنی ان خوبیوں پر بہت نازاں تھے۔ ان کے جنوبی حصوں سے آبی شاہراہوں سے تجارت جاری تھی۔ دوسرے سرے پر بحرین اور خلیج فارس واقع

تھا اور یہاں سے بھی تجارت کا شاندار سلسلہ قائم تھا۔ بے فکری کے باعث آس پاس کی قوموں کے مقابلے میں ان میں تکبر پیدا ہو گیا تھا۔ یہ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے یہ چلتے تھے تو اکڑ کر' باتیں کرتے تھے تو گردن ترچھی کر کے۔

حضرت نوحؑ کا زمانہ توحید پرستی کا تھا کیوں کہ طوفان نوح کے بعد باطل کا خاتمہ ہو گیا تھا اور ان کی اولاد سے توحید پرستی جاری ہو گئی تھی لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرا اور دوسری نسلوں نے زمانی فاصلہ طے کیا توحید کی تعلیم دل و دماغ سے محو ہوتی چلی گئی۔

اس دوران میں کوئی نبی بھی مبعوث نہیں ہوا تھا اور قوم ہدایت سے محروم تھی۔ وہ ہر وہ کام کر رہی تھی جس سے اسے ذرا سی بھی خوشی میسر آتی اور قوم کے لوگ دوسروں سے ممتاز نظر آتے۔ یہ لوگ عمارتیں بنانے کا شوق رکھتے تھے کیونکہ جو جتنی شاندار عمارتیں بناتا تھا' دوسروں کی نظر میں اتنا ہی معزز اور محترم قرار پاتا تھا۔ ان کی یہ عمارتیں شاندار ستونوں پر کھڑی ہوتی تھیں اور انہیں جو بھی دیکھتا' حیران رہ جاتا اور تعریفیں کرتا۔ یہ تعریفیں کرنے والوں کو تحقیر آمیز نظروں سے دیکھتے اور فخریہ کہتے "اس دور میں ہے کوئی اور جو ہمارا مقابلہ کرے۔"

دراز قامت یہ لوگ دوسروں کو ہر اعتبار سے بونا سمجھتے تھے اور واقعی جو بھی اس عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی قوم میں آتا' خود کو ان سے کمتر ہی پاتا۔

یہ عمارتوں کے بعد اپنے مویشیوں کے ریوڑ دکھاتے اور دوسروں سے پوچھتے "کسی اور قوم کے پاس اتنے مویشی ہوں گے؟"

جب ان کا مخاطب شرماتا اور خود کو کمتر اور حقیر محسوس کرنے لگتا تو یہ لوگ بہت خوش ہوتے۔

دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے اس پار سے کچھ تاجر لوبان اور مرو کی جستجو میں یہاں پہنچے۔ یہ چیزیں عبادت گاہوں میں بہت استعمال ہوتی تھیں اور ان کی بڑی مانگ تھی۔ ان تاجروں کو کچھ عرصہ تو اس لائق ہی نہ سمجھا گیا کہ ان سے کاروباری باتیں کی جائیں اور انہیں جلد از جلد فارغ کر دیا جائے۔

یہاں کے چند بڑوں نے ان کو روک لیا اور کہا "کاروبار تو ہوتا ہی رہے گا' اس علاقے کی کچھ سیر تو کرو تاکہ اپنے وطن والوں اور قوم کے لوگوں کو بتاؤ کہ ہم کیسے زبردست لوگ ہیں۔"

تاجروں کے سامنے ستونوں کا ایک جنگل تھا جن پر عظیم الشان چھتوں والی عمارتیں کھڑی تھیں۔ ان عمارتوں کے کمرے' ان کے دروازے اور کمروں کی چھتیں اتنی شاندار تھیں کہ دیکھنے والوں کے منہ سے واہ واہ نکلتی۔ ان لوگوں کو مویشیوں کے ریوڑ بھی دکھائے گئے۔ ان سب کو تازہ دودھ بھی پلایا گیا اور اس طرح یہ غریب تاجر اس قوم کے درمیان تماشا بن گئے۔

جب ان تاجروں نے لوبان اور مرو کی بات کی، تو اس بات پر ایک بار پھر قہقہہ لگا اور کہا "تم لوگ

چھوٹے چھوٹے معاملے کرنے آتے ہو ہم بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔ تم کوئی بات بھی ہمارے شایانِ شان نہیں کرتے جب کہ سمندر کے کنارے دوسری طرف سے آنے والے لوگ یہاں اپنے خزانے خالی کر جاتے ہیں۔"

ان تاجروں نے کہا "ہم یہاں کی تجارت سے مقابلہ کرنے نہیں آئے۔ اپنی ضرورت کے مطابق سامان خریدتے ہیں' وطن میں فروخت کرتے ہیں اور جب یہ خوشبویات عبادت گاہوں میں جلتی ہیں اور ان کی خوشبو سے عبادت گاہوں کی فضا معطر ہو جاتی ہے تو اس وقت ہم بھی آپ لوگوں جیسی خوشی حاصل کر لیتے ہیں کہ شاید دیوی دیوتا ہم سے خوش ہو جاتے ہیں۔"

یہ لوگ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔ ان کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان کے لیے لفظ ناکامی اور کمزوری غیر مانوس تھے۔ انہوں نے اطراف و جوار میں پھیلنا شروع کر دیا تھا اور دوسری ہم عصر قوموں اور ملکوں کو فتح کرتے پھر رہے تھے۔ جس قوم اور ملک کو فتح کرتے تھے اس سے نہایت ظالمانہ طریقے سے پیش آتے تھے۔ رحم و مروت سے ناآشنا یہ لوگ جابر اور قاہر بن گئے تھے۔ جس قوم کو زیر کیا ان کے بوڑھوں کو قتل کر دیا۔ مقابلہ کرنے والوں کو ہلاک کیا بقیہ کو غلام بنا ڈالا اور عورتوں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔

یہ دوسروں کی دولت سے بھی مالا مال ہوتے چلے گئے۔ یہ دراز قامت اور طاقتور لوگ جس ملک پر بھی حملہ آور ہوتے' آبادی کو تہس نہس کر دیتے۔ مکانات گرا دیتے۔ عبادت گاہوں کو آگ لگا دیتے۔ اگر ان سے رحم کی درخواست کی جاتی تو اس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ چنانچہ جب یہ قوم مصر پر حملہ آور ہوئی اور اس سے اس قوم نے جو سلوک کیا وہ آج بھی تحریری شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ایک مصری تاریخی عبارت کے مطابق خدا ان سے ناراض تھا۔ ایک عجیب طریقے سے اطراف مشرق سے شریر الخلقت لوگ چلے آئے۔ وہ اس قدر قوی تھے کہ ان کے ملک میں گھس گئے اور بزور نہایت آسانی سے اس کو مسخر کر لیا۔ انہوں نے ان کے سرداروں کو گرفتار کر لیا' شہروں کو جلا دیا' دیوتاؤں کے مندر گرا دیے اور باشندوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ بعض کو ہتھیاروں سے مار ڈالا اور ان کے بیوی بچوں کو غلام بنا ڈالا۔

یہ وہ حالات تھے اور اس قوم کی یہ خو بو تھی جو کمزور قوموں کو شاکی بنائے ہوئے تھی۔ کوئی قوم ان سے خوش نہیں تھی۔ یہ تو دنیاوی انسانی رشتوں کی بات تھی۔ دوسری طرف دینی معاملہ تھا۔ انہوں نے دنیا کے جن حصوں کو زیر کیا تھا اور جہاں کے فاتح کہلاتے تھے ان کے دیوی دیوتاؤں کے ہاتھوں خود بھی مفتوح ہوتے جا رہے تھے۔ نہ انہیں اپنے جدِ اعلیٰ حضرت نوحؑ سے بت پرستی کی تلقین ملی تھی اور نہ ان کا کوئی آبائی بت تھا۔ لیکن جب انہوں نے دوسری قوموں کو زیر کیا تو ان کے بتوں کو غیر محسوس اور غیر

ارادی طور پر انہوں نے بھی پوجنا شروع کر دیا۔ ان بتوں میں اپنی طرف سے بھی اضافے کیے اور اس طرح ان میں دو قسم کے بت رواج پا گئے۔ ایک وہ جن سے فائدے کی امید کی جاتی تھی اور ان کی زندگی میں خیر سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرے وہ بت تھے جن کا تعلق شر سے تھا اور ان کے معاشرے اور ان ..... میں جو برائیاں اور خرابیاں نظر آتی تھیں ان کے ذمے دار یہ شری دیوتا قرار دیے جاتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو عاد بن ارم کی قوم کہلاتے تھے۔

ان کے علاقوں میں چشموں کی کثرت تھی۔ صحت مند اولادیں' بکثرت مویشی اور باغوں کی بہتات نے انہیں بے فکرا کر دیا تھا۔ ان کے ہاں ان کی طاقت اور دولت کی نمائش کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ ہر ذی ثروت کسی نمایاں شے سے اس کا اظہار کرے۔ کسی کو اپنے قبیلے کے سرداروں پر ناز تھا اور اس کی سرداری فخر و مباہات کا سبب بن گئی تھی۔ کچھ اپنے مویشیوں کے گلوں پر نازاں تھے اور یہ آپس میں ہی اپنے بیٹوں کو دوسروں کے مقابل سبب افتخار قرار دیتے تھے۔ کچھ کو اپنے باغات پر غرور تھا۔ کچھ نے اپنے چشموں کے ذریعۂ برتری بنا رکھی تھا۔

ان میں عمارتیں بنانے کا شوق اس طرح پیدا ہوا کہ ان میں ایسے بھی دور اندیش اور اعلیٰ دماغ کے لوگ موجود تھے جو تادیر بڑائی کی سمتوں اور نشانیوں کی تلاش میں رہتے تھے۔

ان کی کی سوچ یہ تھی کہ آج جن جوانوں پر ناز کیا جا رہا ہے' چند نسلوں کے بعد زمانے کے نشیب و فراز سے ان میں فرق بھی آ سکتا ہے یعنی آنے والے زمانوں میں یہ سردار اپنے صحت مند نوجوانوں سے محروم بھی ہو سکتے ہیں۔ مویشی کسی دوسرے قبیلے کی برتری کا سبب بن سکتے ہیں۔ چشمے اور باغات کی ملکیت تبدیل بھی ہو سکتی ہے اس لیے شہر اور فخر و مباہات کے لیے کوئی ایسی علامت یا نشانی ہونی چاہیے جو کسی اور کے نام منتقل نہ ہو سکے۔ آخر کسی ایک نے اپنے نام سے شاندار عمارت تعمیر کروائی اور اس عمارت کا دور دور تک شہرہ ہو گیا۔ قرب و جوار کے لوگ اسے دیکھنے آتے اور صاحبِ عمارت خوشی سے پھولا نہ سماتا۔

دوسرے نے اس کی تقلید کی اور اس سے بڑی عمارت تعمیر کروا ڈالی اور پھر یہ شخص دوسروں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ یہ سلسلہ کچھ اس طرح چل نکلا کہ لوگوں نے بکثرت عمارتیں بنوانی شروع کر دیں۔ کسی نادر سوچ رکھنے والے نے وجۂ امتیاز عمارت کے ساتھ ساتھ ستونوں کو قرار دیا اور پھر نمایاں ستونوں والی عمارتیں بننے لگیں۔

کسی عمارت میں اگر آٹھ ستون تھے تو دوسری عمارت میں دس ستون کھڑے کر دیے گئے اور تیسری عمارت میں بارہ ستون بنائے گئے اور ستونوں کی یہ دوڑ کہیں رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ دور دور سے لوگ ستونوں والا شہر دیکھنے آتے۔

اب ان میں آپس میں یہ ستون وجۂ مناقشہ اور سببِ مخاصمت بن گئے۔ دوسری قوموں کو ذلیل کرنے والے یہ لوگ آپس ہی میں لڑنے جھگڑنے لگے۔

اس معاشرے میں نادار اور غریب کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ انہیں جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا اور انہیں صاحبِ حیثیت لوگوں کے برابر حقوق حاصل نہیں تھے۔ جو نادار اور غریب ان کے ہاتھوں ستائے جاتے تھے ان کی آہ و فریاد کا ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔"

ان صاحبِ حیثیت لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو دیوی دیوتا انسانوں کو انعام و اکرام بخشتے ہیں وہ ان سے خوش ہیں اور جو دیوی دیوتا شر اور فساد پھیلاتے ہیں وہ ناداروں اور غریبوں کی طرف ہیں۔

یہ فرقِ مراتب آہستہ آہستہ اتنا بڑھا کہ زیادہ ستونوں والی عمارتوں کے مالک کم ستونوں والے مالکوں کو کمتر سمجھنے لگے۔ یہ ایک عمرانی مرض تھا جو پورے معاشرے میں سرایت کر گیا تھا اور انہیں اپنے اس مرض کا احساس ہی نہ تھا۔

جب یہ ساری باتیں عروج پر پہنچ گئیں تو ان کی اصلاح کے لیے اور ان کو خبردار کرنے کے لیے ایک نبی بھیجے گئے جن کا نام حضرت ہودؑ تھا۔ حضرت نوحؑ کے بعد اللہ کی طرف سے یہ پہلے نبی بتائے گئے ہیں۔ حضرت ہودؑ "عبر" بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے ماننے والے یہود اور عبرانی کہلائے اور انہی کی زبان عبرانی کہی جاتی ہے۔

چونکہ ان کا تعلق عاد بن ارم سے تھا اس لیے بعد میں ان کی نسل آرامی مشہور ہوئی اور اس نسل کا رہنے بسنے والا علاقہ آرام کہلایا۔

حضرت ہودؑ اسی قوم میں پلے بڑھے۔ جب جوان ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کو گمراہی میں مبتلا دیکھا۔ وہ بذاتِ خود اپنی قوم کی گمراہی پر افسردہ رہتے تھے۔ انہیں بت پرستی سے نفرت تھی۔ وہ اس خوشحال معاشرے میں غمزدہ انسان تھے۔ انہیں اپنی قوم کے صاحبِ حیثیت لوگوں پر حیرت تھی۔ جب وہ دیکھتے کہ ان کی قوم کے دولت مند بہت ستونوں والی شاندار عمارتیں بنوا رہے ہیں اور اس پر خوش ہو رہے ہیں تو انہیں بہت افسوس ہوتا۔

وہ اپنی قوم کو خبردار کرنا چاہتے تھے کہ دیکھو تم لوگ سدھر جاؤ ورنہ برباد ہو جاؤ گے لیکن باقاعدہ تلقین و تبلیغ کا سلسلہ اس لیے شروع نہیں ہوا تھا کہ انہیں اس سلسلے میں اللہ کی طرف سے حکم کا انتظار تھا۔

شروع شروع میں جب ان کی آواز لوگوں کو سنائی دی تو اس آواز میں وہ یقین اور گھن گرج نہیں تھی جو اللہ کے ایک نبی کو ہزاروں لاکھوں میں بہادر اور استقامت کا پیکر بنا دیتی ہے۔

وہ اپنی قوم کے بڑے لوگوں میں بھی اٹھتے بیٹھتے اور ان کی متکبرانہ باتیں بھی سنتے جو یہ کہتے پھرتے

تھے کہ آج دنیا میں ان سے زیادہ طاقتور کوئی دوسرا نہیں۔ نہ مال جائیداد کے معاملے میں، نہ صحت و تندرستی، طاقتور اولاد اور نسل کے معاملے میں کیوں کہ اب تک انہوں نے کتنی ہی قوموں کو غلام بنا لیا تھا اور ان کی دولت بھی ان کے گھروں میں آ گئی تھی۔

حضرت ہودؑ ان سے پوچھتے تھے "یہ جو تم ستونوں والی شاندار عمارتیں تعمیر کرتے ہو، اس سے تم کو کیا فائدہ پہنچتا ہے اور اس سے تمہیں کیا حاصل ہوتا ہے؟"

یہ بلند و بالا اور بے شمار ستونوں پر کھڑی عمارتوں والے لوگ انہیں ایک معمولی آدمی سمجھ کے جواب دیتے "یہ نشانیاں ہیں جو ہمارے نام کو مستقل زندہ رکھیں گی مگر جو لوگ مادی وسائل سے محروم ہوں، ہماری یہ باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔"

جب یہ باتیں حد سے گزر گئیں تو حضرت ہودؑ کو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا "اب آپ نبی کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دیں اور اپنی قوم تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔"

چنانچہ قوم عاد میں ایک آواز بلند ہوئی "لوگو! میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔" (العشراء ۱۰۷-۱۰۸)

یہ سواع، ودّ، یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کو پوجنے والی قوم بہت حیران ہوئی کہ ان کی قوم کے ایک شخص نے ایک ایسی عجیب بات کہہ دی کہ میں پیغمبر ہوں اور پیغمبر بھی کون سا، جو امین ہے اور کہتا ہے کہ میرا کہنا مانو۔ بھلا ان سے پوچھا جائے کہ اس معاشرے میں ان کی کیا حیثیت ہے اور یہ امین پیغمبر کیا ہوتا ہے اور ان کا حکم کیوں مانا جائے؟"

لیکن اس آواز نے سب کو چونکا ضرور دیا اور ان میں ہلکی سے ہلچل پیدا ہو گئی۔

اس آواز نے لوگوں کو بات کرنے کا موضوع دے دیا تھا اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ امین پیغمبر کیا ہوتا ہے؟ اس کا کس حیثیت سے حکم مانا جائے۔ اس کے پاس کتنی دولت ہے۔ کتنے مویشی ہیں، کتنے باغات ہیں، کتنی جوان اولادیں ہیں اور اس نے کون کون سی شاندار عمارت بنوائی ہے؟"

تمام اسبابِ افتخار میں سے کوئی چیز بھی حضرت ہودؑ کے پاس نہیں تھی۔ رہ گئی یہ بات کہ وہ امین تھے تو امین کی ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ کمزوروں پر ظلم و جبر کرنے والے یہ لوگ اور دوسری کمزور قوموں کو قتل و غارت گری سے لوٹ مار کر کے اپنے گھروں کو بھرنے والے امین اور امانت کی روح سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی لئے ان کی باتیں ان کی سمجھ میں نہ آئیں جب ان کے کانوں میں یہ بات پہنچی کہ حضرت ہودؑ ان صاحبِ حیثیت لوگوں کو حکم دے رہے ہیں کہ ان کا حکم مانا جائے تو وہ حیران ہوئے کہ یہ کہاں۔ کہ حاکم ہیں اور انہیں کس نے حاکم بنا دیا کہ وہ حکم ماننے کی باتیں کر رہے ہیں اور اپنا حکم منوانا چاہتے ہیں۔

قوم کے بڑے لوگ خود اس بات کو لائقِ توجہ نہیں سمجھتے تھے اس لیے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا اور یہ خیال کر کے چپ ہو گئے کہ بالآخر وہ خاموش ہو جائیں گے اور معاشرے کے بڑے لوگوں کے مقابلے پر کیا کھڑے ہوں گے۔

لیکن اس آواز نے ان لوگوں کے کان کھڑے کر دیے جو زمانے کے ستائے ہوئے تھے اور جن کی زندگی میں سکھ چین اور اطمینان نام کی کوئی شے نہ تھی۔ وہ دن رات یغوث اور یعوق نامی بتوں کے آگے گڑگڑاتے رہتے کہ ان کہ حالت بدلی جائے' ان کی غربت دور کی جائے اور انہیں صاحبِ حیثیت بنا دیا جائے۔

لیکن یہ بت بہرے تھے اور ان کی بات سن ہی نہیں سکتے تھے۔ بے اختیار اور بے بس دیوتا ان کی مدد کر ہی نہیں سکتے تھے۔

اب رہ گئے شر کے دیوتا تو ان کے اعتقاد کے مطابق ان کے پاس شر اور آفت کے سوا تھا ہی کیا جو ناداروں کو دیتے۔ گویا ناداری اور غربت ان کے اختیار میں تھی اور انہوں نے ان ناداروں اور غریبوں کو اسی سے نواز دیا تھا۔

ان ناداروں کی بستی میں حضرت ہودؑ کی آواز پہنچی تو انہیں بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیسا جری اور بہادر انسان ہے جو منعموں کو حکم دے رہا ہے اور خود کو امین کہہ رہا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ شخص کس چیز کا امین ہے اور اس کے پاس کون سی امانت ہے جو وہ لٹانا چاہتا ہے۔

ناداروں کی بستی میں زیادہ ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ حضرت ہودؑ کے مخاطب کون لوگ ہیں اور کیا یہ نادار غریب لوگ بھی حضرت ہودؑ سے مل سکتے ہیں اور ان سے باتیں کر سکتے ہیں؟"

ان کے چند نمائندے حضرت ہودؑ سے ملے اور یہ دیکھ کر پریشان ہوئے کہ یہ شخص تنہا ہے۔ اس کا کوئی دوست نہیں' کوئی معاون مددگار نہیں' کوئی محافظ نہیں مگر باتیں ایسے لب ولہجے میں کر رہا ہے جیسے وہ معاشرے کا سب سے طاقتور انسان ہے۔

ان ناداروں کو حضرت ہودؑ نے بڑی عزت دی حالانکہ زمانے کے ٹھکرائے ہوئے یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پوری قوم کو حکم دینے والا یہ شخص ان کی عزت بھی کر سکتا ہے۔"

ان ناداروں نے پوچھا "آپ کس چیز کے امین ہیں؟ اور ہمیں کیا حکم دے رہے ہیں؟"

حضرت ہودؑ نے ان کو بتایا "میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے پیغام کا امین ہوں جو اپنی قوم تک دیانت داری سے پہنچا دینا چاہتا ہوں۔"

یہ عجیب و غریب باتیں تھیں جو ان ناداروں کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ کس اللہ کا پیغام لے کے آئے ہیں اور دیانت داری سے ہم تک پہنچا دینا چاہتے ہیں اور پوری قوم سے ان کی کیا مراد ہے۔ یہ

شان دار ستونوں والی عمارتیں بنوانے والے لوگ ان کی اس قسم کی باتیں کیوں سنیں گے۔

ان لوگوں نے پوچھا "یہ آپ اللہ کس کو کہتے ہیں؟"

حضرت ہودؑ نے جواب دیا "یہ جو تم لوگ بہت سے بتوں کو پوجتے ہو' یہ کون اور کیا چیز ہیں؟"

ناداروں نے جواب دیا "یہ ہمارے دیوتا ہیں۔ ہم ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور یہ ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں۔"

حضرت ہودؑ نے پوچھا "کبھی تمہاری کوئی مراد پوری ہوئی؟"

انہوں نے جواب دیا "ابھی تک تو پوری نہیں ہوئی کیونکہ ابھی اپنے حالات نہیں بدلے۔ جب حالات بدل جائیں گے تو خود بخود یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ہماری دعا قبول ہوئی اور بتوں نے ہماری بات بھی سن لی۔"

حضرت ہودؑ نے کہا "یہ تمہارا نسر دیوتا جو دراصل ایک گدھ ہے' تمہاری کیا سنے گا۔ مردار کھانے والے خوابیدہ پرندے نے ہی تو تم سب کو پریشان کر رکھا ہے۔"

ان لوگوں نے کہا "جناب! ہم اگر آپ کی بات مان لیں اور ان بتوں کی پرستش چھوڑ دیں تو ہمیں اس کے بدلے کیا ملے گا اور ان کو توڑ دینے کی شکل میں ہمیں جس بے سہارے پن سے واسطہ پڑے گا اس وقت ہمارا کون ساتھ دے گا اور ہماری کون مدد کرے گا؟"

حضرت ہودؑ نے ڈھارس بندھائی اور یقین دلایا "یہ بت نہ تو پہلے تمہیں کچھ دیتے تھے اور نہ آئندہ کچھ دیں گے۔ یہ خود بے سہارا اور بے جان ہیں' تمہارے ارادوں کے محتاج ہیں۔"

ان لوگوں نے پوچھا "اب آپ یہ بتائیں کہ ہم کس کی عبادت کریں؟"

حضرت ہودؑ نے جواب دیا "اللہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا کوئی ثانی نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اسی نے یہ کائنات پیدا کی اور تم کو اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔"

یہ لوگ یہ سب کچھ سننے کے بعد فکر مند ہو گئے کہ ان کی یہ باتیں کون سنے گا اور ان پر کون عمل کرے گا۔ پوری آبادی کی مخالفت میں بولنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ انہیں ایک شخص بھی اپنا ہم خیال نہیں ملے گا۔ جب یہ نادار اپنے بتوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تو بڑے لوگ اپنے بتوں سے کیسے منہ موڑیں گے۔ انہیں تو ایسا لگ رہا تھا کہ اگر حضرت ہودؑ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان کو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

ناداروں کو حضرت ہودؑ کی طرف راغب ہونے سے ان بڑوں کا جاہ و جلال روک رہا تھا ورنہ ان کی سمجھ میں ان کی باتیں کسی حد تک آ رہی تھیں۔ دیوی دیوتاؤں نے بھی انہیں مایوس کیا تھا۔

جب لوگ عاد کی قوم کے بڑے لوگوں کو بتاتے کہ حضرت ہودؑ نے ناداروں اور مفلسوں پر جادو کر دیا

ہے اور وہ ان کی باتیں سننے کے لیے ان کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں تو ان بڑے لوگوں نے اس پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاشرے کے یہ نچلے ہوئے لوگ حضرت ہودؑ کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو تنہا رہ جائیں گے اور صرف ایک شخص قوم عاد کے طاقتور لوگوں کو کیا نقصان پہنچا سکتا تھا۔

خبریں دینے والے قوم عاد کے بڑوں کو بتا رہے تھے کہ اس شخص نے اپنے چاروں طرف بہت بڑا ہجوم اکٹھا کرلیا ہے۔ اسے روکا جائے ورنہ وہ ناداروں کی فوج بنا کے ان کے خلاف استعمال کرے گا اور یہ غریب لوگ اگر اس کی باتوں میں آگئے تو بڑوں کے کام کون کرے گا اور مزدور ان سے منہ موڑلیں گے تو یہ شان دار ستونوں والی عمارتیں کس طرح بنیں گی؟

لیکن قوم عاد کے بڑوں کو کوئی فکر نہ تھی وہ جواب میں کہتے رہے "وہ ہود کا کہنا نہیں مانیں گے کیونکہ ہماری وجہ سے ان کی روزی بنتی ہے اور وہ مشغول رہتے ہیں۔ ہم اگر ان کو کام سے نہ لگائیں تو ان کے گھروں میں فاقے ہونے لگیں۔ ہود کا خدا کہاں ہے جو ان کا پیٹ بھرے گا۔"

ان جابر اور قاہر لوگوں میں ایسے بھی تھے جن کی اس مسئلے پر گہری نظر تھی اور وہ اسے غیر اہم نہیں سمجھ رہے تھے۔ وہ غریبوں کی طاقت سے ڈرتے تھے۔ اگر یہ بھوکے لوگ طاقت ور لوگوں پر حملہ آور ہو جائیں تو یہ ان غریبوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ اسی لیے یہ سمجھ دار لوگ چاہتے تھے کہ حضرت ہودؑ سے ملاقات ضرور کی جائے اور ان کو سمجھایا جائے کہ وہ لوگوں کو ورغلانا چھوڑ دیں۔

ان بڑوں میں بحث و مباحثہ شروع ہوا تو طاقت کے نشے میں بدمست ایک امیر نے کہا "یہ شخص جو ہود کہلاتا ہے 'کیا ہم انسانوں سے کوئی الگ مخلوق ہے۔ وہ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے 'سوتا جاگتا ہے' چلتا پھرتا ہے 'اس میں وہ کون سی بات ہے جو دوسرے لوگوں سے مختلف اور نمایاں ہے؟"

ایک خوف زدہ دور اندیش رئیس نے جواب دیا "اس کی باتیں ہم سے مختلف ہے ورنہ اس میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اس خوش فہمی میں نہ رہو کہ ہود ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نادار لوگ مجبور ہیں اور ان سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ دوستو! اس سوچ سے باہر آجاؤ۔ جو کچھ کرنا ہے 'ابھی سے کرلو۔ اگر ہود نے طاقت پکڑلی تو وہ ہم سب پر غالب آجائے گا۔"

ایک بدماغ دولت مند نے جواب دیا "اس پریشان حال شخص کو قابو میں رکھنا ضروری ہے۔"

آخر بدقت تمام یہ طے پایا کی ابھی طاقت نہ استعمال کی جائے بلکہ کوشش کی جائے کہ بات چیت سے اپنا مقصد حاصل ہو جائے۔

یہ لوگ اب بھی حضرت ہودؑ کو اس لائق نہیں سمجھتے تھے کہ ان کو کوئی اہمیت دی جائے کیونکہ اہمیت دینے سے حضرت ہودؑ کو فائدہ پہنچتا تھا۔

کچھ لوگ ان سے ملے۔ اس وقت بھی حضرت ہودؑ کے پاس بہت سے لوگ موجود تھے۔ دولت مندوں کے یہ نمائندے کچھ دیر کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے اور متاثر ہوئے۔ حضرت ہودؑ میں کوئی ایسی بات نہیں نظر آرہی تھی کہ لوگ کسی قسم کا خوف محسوس کرتے۔

ناداروں نے امرا کے نمائندوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور ہجوم منتشر ہونے لگا۔ یہ لوگ حضرت ہودؑ کے پاس گئے اور کہا "ہود دیکھو! تمہارے آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کیا تم ان پریشان حال ناداروں پر بھروسا کرسکتے ہو؟ ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ تفریحِ طبع کی خاطر یہاں آجاتے ہیں اور کچھ نئی نئی عجیب باتیں سن کے خوش ہو جاتے ہیں۔"

حضرت ہودؑ نے جواب دیا "یہ لوگ کمزور ہیں 'ڈرتے ہیں۔ ابھی ان کا ایمان کمزور ہے اس لیے یہ سیکڑوں تم چند سے ڈر کے چلے گئے۔"

ان نمائندوں نے پوچھا "ہود! تم یہ بتاؤ کہ تم جو باتیں کرتے ہو' تمہیں یہ کس نے سکھائی ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا "میرے اللہ نے جو کُل جہانوں کا خالق اور مالک ہے۔"

انہوں نے پوچھا "ہر کام جو کیا جاتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی معاوضہ بھی ہوتا ہے۔ تم جو یہ کام کر رہے ہو تو اس کا تمہیں کیا معاوضہ ملے گا اور تمہیں یہ معاوضہ کون دے گا؟"

حضرت ہودؑ نے جواب دیا "میں جو کچھ کر رہا ہوں 'اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں اور وہی اس کا اجر دے گا۔ میں تم سے یا کسی اور سے اپنے اس کام کا معاوضہ نہیں چاہتا۔"

یہ لوگ حیران تھے کہ وہ اپنا وقت یونہی صرف کر رہے ہیں اور انہیں اس کا کہیں سے کوئی معاوضہ بھی نہیں ملے گا پھر یہ اپنا کام کس طرح چلائیں گے۔

حضرت ہودؑ نے کہا "لوگو! جب میں نے یہ کہہ دیا ہے کہ میں ایک امانت دار پیغمبر ہوں تو تم یہ فضول سوال کیوں کرتے ہو کہ مجھے اس کا کیا معاوضہ ملے گا اور یہ معاوضہ کون دے گا؟"

ان لوگوں نے سمجھایا "اے ہود! تم جن لوگوں کو ورغلا رہے ہو وہ تمہیں کیا فائدہ پہنچائیں گے۔ وہ خود مصیبت میں پڑیں گے اور تمہیں بھی مصیبت میں پھنسا دیں گے۔"

حضرت ہودؑ نے کہا "تم لوگوں نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں صرف ان کو سیدھا راستہ دکھانے آیا ہوں۔ میری تعلیمات سب کے لیے ہیں۔"

ان لوگوں نے کہا "اے ہود! تب پھر سن لو تمہیں ہم کس طرح پیغمبر مان لیں کیونکہ ہمیں سیدھی راہ دکھانے کے لیے کسی کا بہ شکل انسان بھیجنا ہی کچھ عجیب اور ناقابلِ فہم ہے۔ ایک ہمارے جیسا انسان ہم میں سے نکل کے یہ کہنے لگے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں تو یہ بات کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی پھر ہم اسے کیونکر مان لیں۔؟"

حضرت ہودؑ نے کہا "تم لوگ بھٹکے ہوئے ہو اور وہ سبق بھول گئے جو تمہارے جدِ اعلیٰ نوحؑ نے دیا تھا حالانکہ تمہیں پہلے بھی ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کی جا چکی ہے اور اسی لیے تمہیں دوسری قوموں پر برتری دی گئی تھی۔"

ان لوگوں نے پوچھا "اب تم ہمیں بتاؤ کہ تمہاری گفتگو کا حاصل کیا ہے اور تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

حضرت ہودؑ نے کہا "تو سنو! تم ایک اللہ کو پوجو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ دوسرے خداؤں کے نام من گھڑت ہیں۔ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ اس کی طرف رجوع کرو تاکہ وہ آسمان کو تم پر برستا ہوا بھیجے اور تمہارے زورِ قوت میں ترقی دے۔ گناہگار بن کر منہ نہ پھیرو۔"

وہ لوگ ان کی بات سنتے رہے اور کہا "اے ہودؑ! یہ کیا بات ہوئی کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہیں لائے۔ صرف تمہارے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم تم پر کس طرح ایمان لے آئیں۔؟"

حضرت ہودؑ نے کہا "لوگو! میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے کیونکہ وہی ہم سب کا پروردگار ہے۔ مجھے جو پیغام دیا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا دیا۔ اندیشہ ہے کہ تمہاری گمراہی تمہیں حکومت سے محروم نہ کر دے اور اللہ کسی اور کو حکومت بخش دے۔ اگر ایسا ہوا تو تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

وہ لوگ ہنسنے لگے اور آپس میں کہنے لگے "اسے راہِ راست پر لانا مشکل ہے۔ یہ شخص معلوم نہیں کس قسم کی باتیں کرتا ہے پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم اسے سمجھا کر باز رکھ سکیں گے لیکن یہ باز رہنے والا انسان نہیں ہے۔"

وہ لوگ واپس گئے اور اپنے بڑوں کو بتایا "اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ باز آنے والا انسان نہیں ہے۔"

ایک تاجر نے پوچھا "آخر وہ چاہتا کیا ہے؟"

ان لوگوں نے جواب دیا "وہ کہتا ہے کہ اپنے آبائی خداؤں کو اٹھا کے پھینک دو اور ایک خدا کو مانو۔ وہ اپنے خدا کا پتا بھی نہیں بتاتا کہ ہم اس سے پوچھیں کہ اے خدا! سچ سچ بتا کیا تو نے ہود کو واقعی پیغمبر بنا کے بھیجا ہے۔"

بڑوں نے پوچھا "اس کا خدا کہاں رہتا ہے؟ سنا ہے وہ فرشتوں کی باتیں بھی کرتا ہے۔ یہ فرشتے کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟"

ان لوگوں نے جواب دیا "ہاں۔ وہ فرشتوں کی بھی باتیں کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فرشتے کارکنانِ قضا

وقدر ہیں مگر یہ بھی اللہ کی طرح کہیں دکھائی نہیں دیتے کہ انہی سے ملاقات کر لی جائے۔"

بڑوں نے پوچھا "اچھا اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ہم اس کی ایک نہ سنیں تو وہ کیا کرے گا؟"

نمائندگان نے جواب دیا "کیا کرے گا۔ تھک ہار کے چپ ہو جائے گا۔ نہ اس کے پاس کوئی غیر معمولی طاقت ہے اور نہ حکومت یا فوج۔ وہ تو ایک بہت ہی کمزور انسان ہے اور فی الحال اس کے گرد جمع ہو جانے والے لوگ مفلس اور نادار ہیں۔ ہود کو اس کی پیغمبری کا کوئی صلہ بھی نہیں ملتا اور بغیر صلے کے کوئی کب تک کام کرے گا۔"

بڑے لوگ مطمئن ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے "اس کی کوئی بات تو ایسی ہوتی کہ ہمیں متاثر کرتی۔ وہ کسی صلے کے بغیر اپنا قیمتی وقت خرچ کر رہا ہے۔ جب تھک جائے گا اور اس کا ساتھ دینے والے بھوکوں مرنے لگیں گے تو یہ سلسلہ خود ہی بند ہو جائے گا۔"

ایک نمائندے نے سنجیدگی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو لیکن ہود کا لہجہ، اس کے تیور اور لفظوں کا انتخاب یہ سب بتاتے ہیں کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ اگر ہم اسے خریدنا چاہیں تو اسے خریدا بھی نہیں جا سکتا۔ وہ نام و نمود بھی نہیں چاہتا۔ اگر ہم اس سے یہ کہیں کہ ہم تمہیں اپنا بادشاہ بناتے ہیں تو وہ اس پر بھی رضامند نہیں ہوگا۔"

لیکن یہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے والے لوگ یہی سمجھتے رہے کہ ان کے کچھ نمائندگان بھی حضرت ہودؑ سے متاثر ہو گئے ہیں۔

ایک نے پوچھا "وہ انسان ہی ہے یا کچھ اور ہے؟"

اسے جواب دیا گیا "وہ آدمی ہے بالکل ہماری تمہاری طرح۔ مگر اس کی باتیں ہمارے تمہارے جیسی نہیں ہیں۔ میں نے اس کی باتوں کے درمیان اس کے چہرے پر ارادوں کی جو مضبوطی دیکھی ہے وہ کسی دوسرے انسان کے چہرے پر نہیں دیکھی جا سکتی۔ اسے کسی کا خوف بھی نہیں۔ جو شخص اپنی جان کی پروا نہ کرتا ہو اس سے کون جیت سکتا ہے۔"

ایک امیر نے پوچھا "وہ ہمارے آبائی دیوتاؤں کا کیوں دشمن ہے؟"

ان کے نمائندوں نے جواب دیا "وہ بار بار ایک اللہ کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرو، میری بات مانو۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ سے اس لیے ڈرو کہ اس نے تمہیں نعمتوں سے نوازا ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ تمہیں مال و دولت سے نوازا گیا ہے، صحت مند اولادیں ملیں، مویشیوں کے ریوڑ تمہارے پاس ہیں، باغوں اور چشموں کے مالک تم ہو۔ اللہ سے ڈرو کہ کہیں تم پر کفرانِ نعمت کا عذاب نہ نازل ہو۔"

اب ان لوگوں نے حضرت ہودؑ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور وہ اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ اپنے اس کام کے لیے انہیں نہ تو ستائش کی تمنا تھی اور نہ صلے کی پروا۔ یہاں تک کہ غربا میں وہ بہت مقبول ہوگئے۔ یہی چیز امرا میں تشویش کا سبب بنتی جارہی تھی۔ انہیں یہ بھی یقین ہوگیا کہ حضرت ہودؑ باز آنے والے آدمی نہیں ہیں۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو وہ اسی طرح اپنا کام جاری رکھیں گے اور اگر غریبوں اور ناداروں میں ان کی تعلیمات مقبول ہوتی رہیں تو ان کے آبائی دیوتاؤں کا اثر لوگوں کے دل ودماغ سے نکل جائے گا اور غریب اور نادار لوگ ان کے کاموں سے انکار کردیں گے۔ اس ردِعمل سے پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوجائے گا۔

ان لوگوں نے انہیں بلوایا۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت ہودؑ نے ناداروں میں کافی مقبولیت حاصل کرلی ہے اور اس لیے وہ امرا سے نہیں کہیں گے لیکن انہوں نے ملاقات کی اور حسبِ روایت نبی ہونے کا فرض انجام دینے لگے۔ انہوں نے ایک اللہ کی اطاعت اور تمام بتوں کی نفی اور انکار کی تلقین کی اور ان کو ڈرایا کہ اگر ان کی بات نہ مانی گئی اور ایک اللہ کے بجائے بہت سے بتوں کی پرستش جاری رکھی گئی تو قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

امیر نے پوچھا "تم سے نعمتیں چھن جانے کی بات، تمہاری تباہی اور بربادی کی بات، تمہارے بے نشان ہوجانے کی بات۔"

ان بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے والے لوگوں کو حضرت ہودؑ کی باتوں پر ہنسی آرہی تھی۔ ان کے خیال میں عمارتوں کے مضبوط اور بلند وبالا ستون اتنے کمزور نہیں تھے کہ وہ ان کی پیش گوئی کے مطابق آسانی سے تباہ و برباد ہوجائیں۔ اگر کوئی قوم ان پر حملہ آور ہو اور وہ ستونوں کو توڑنا بھی چاہے تو یہ آسانی سے ٹوٹنے والے نہیں تھے۔

حضرت ہودؑ نے ان سے پوچھا "تم لوگ جو بلند وبالا عمارتیں بنانے کے خبط میں مبتلا ہو تو اس سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"

ایک صاحبِ عمارت نے جواب دیا "ہم اپنی ان عمارتوں سے پہچانے جاتے ہیں اور انکی وجہ سے ہمارے نام مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔"

حضرت ہودؑ نے کہا "یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ یہ عمارتیں خود باقی نہیں رہیں گی تو تم خود کس طرح شہرتِ دوام پاؤ گے؟"

ایک امیر نے کہا "تم سے پہلے بھی لوگ اس قسم کی باتیں کرتے رہے ہیں۔"

حضرت ہودؑ نے انہیں سمجھایا "مجھ سے پہلے اگر کسی نے اس قسم کی بات کی ہوگی تو اس نے خود کو پیغمبر نہیں کہا ہوگا۔ وہ بھی کوئی اللہ کا نیک بندہ اور مصلح ہوگا مگر میں بحیثیت نبی تم سے مخاطب ہوں اور

میں وہی کہوں گا جس کا مجھے اللہ کی طرف سے حکم ملے گا۔"

ایک امیر کو بڑی ہنسی آرہی تھی، کہنے لگا "میرا تجربہ ہے اور یہ معاشرتی روایات بھی ہیں کہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی دینی خبطی اسی قسم کی باتیں کرنے لگتا ہے مگر اس کی باتوں کا قوم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

حضرت ہودؑ نے کہا "اللہ کی طرف سے ڈھیل ملتی ہے۔ تمہیں بھی ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ لیکن تمہاری رسی جب کھینچی جائے گی تو پتا نہیں تمہارا کیا حال ہوگا۔"

اب امرا مذاق پر اتر آئے تھے ہنس کے پوچھا "اچھا ہود، تم ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہارے آباؤ اجداد ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور یہ جو ہمارے قبیلوں میں ہمارے دیوتا پائے جاتے ہیں، کیا یہ ماضی سے ہمارے معبود نہیں چلے آرہے ہیں؟"

حضرت ہودؑ نے کہا "کفر اور برائی پر قائم رہنے کی یہ دلیل مناسب نہیں۔ اگر تمارے باپ دادا کوئی غلط کام کرتے تھے تو تم بھی اس روش پر چل کے عقل مندی کا ثبوت نہیں دوگے۔ اگر ہمارے بزرگ غلطی پر تھے اور تمہارے بقول ان پر کوئی عذاب بھی نازل نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ "ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے جب تک ان میں پیغمبر نہ بھیج دیں۔"

ان لوگوں نے لطف لیتے ہوئے کہا "اے ہود! تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اپنے دیوتاؤں سے منحرف کردو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے جس عذاب کی بات کی ہے وہ ہم پر کب آئے گا۔ اگر وہ تمہارے اختیار میں ہے تو اس ہم پر عذاب کو نازل کرکے دکھاؤ۔"

حضرت ہودؑ نے کہا "لوگو! وہ عذاب کب آئے گا اس کا علم تو اللہ کو ہے لیکن میں جو تمہارے لئے پیغام لے کر آیا تھا وہ تمہیں پہنچا دیا۔ مجھے تو تم لوگ نادان نظر آتے ہو۔"

امیر ہنس رہے تھے، پوچھا "تم نے بہت باتیں کرلیں اور اپنا بہت وقت ضائع کیا۔ جب کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے تو اسے اس کا معاوضہ بھی ملتا ہے۔ تمہیں تمہارے کام کا معاوضہ دیا گیا ہے؟"

حضرت ہودؑ نے جواب دیا "میں تمہاری بھلائی کی بات کرتا ہوں اس لیے تمہیں اس کا معاوضہ دینا چاہیے لیکن میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ ہمارا معاوضہ تو پروردگارِ عالم کو دینا ہے۔"

وہ لوگ ان سے مذاق کرتے رہے اور اپنی بلند وبالا عمارتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اے ہود! ہم تو مدت المعر یاد رکھے جائیں گے کیونکہ ہماری یہ نشانیاں عرصۂ دراز تک اس طرح کھڑی رہیں گی۔ رہ گئیں تمہاری یہ خالی باتیں تو انہیں کون یاد رکھے گا۔ لوگ تمہارا نام تک بھول جائیں گے۔"

حضرت ہودؑ نے کہا "لوگو! کمال ہے کہ تم ہر بلند مقام پر بلند وبالا عمارتیں بناتے ہو اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو گے۔ ایسا نہیں ہے۔ تم لوگ کمزوروں کو دباتے ہو۔ پتا نہیں

تم نے ان بلند و بالا عمارتوں کو وجۂ شہرت کیوں سمجھ لیا ہے۔ دوام تو صرف اللہ کو ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کون کس طرح یاد رکھا جائے گا اور کسے بھلا دیا جائے گا' یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ جن لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا ہے' وہ برباد کر دیے گئے۔"

ایک امیر نے کہا "اے ہود! تم ہم پر کوئی حجت نہیں لائے۔ ہم صرف تمہارے کہنے سے اپنے دیوتاؤں کو کیوں چھوڑ دیں؟"

حضرت ہودؑ نے کہا "یہ حجت کیا کم ہے کہ تم ہی میں سے ایک شخص تم میں بھیجا گیا کہ تمہیں متنبہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ اللہ نے قوم نوح کے بعد تم کو خلافت عطا کی اور تم کو اس میں وسعت دی اور تم سے جو کچھ کہا گیا وہ نیک نیتی اور خلوص سے کہا گیا۔ اب تم کس قسم کی حجت چاہتے ہو؟"

امرا آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ان کے شری دیوتاؤں نے حضرت ہودؑ میں حلول کیا ہے اسی لیے وہ اس ترقی یافتہ معاشرے میں فتنہ فساد پھیلا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا "اے ہود! دیوتاؤں سے معافی مانگو۔ ہمیں تو تم حماقت میں مبتلا نظر آتے ہو۔ تم جھوٹے ہو۔ ہمارے شری دیوتاؤں کا تم پر سایہ پڑ گیا ہے اسی لیے تم معاشرے میں فساد پھیلا رہے ہو۔"

حضرت ہودؑ نے ان کی عقلوں پر افسوس کیا اور کہا "شری دیوتا ایک اللہ کی عبادت کی تلقین نہیں کر سکتے۔ تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور تم پر عذاب نازل ہو کر رہے گا لیکن اب بھی وقت ہے کہ تم توبہ کر کے خود کو تباہی سے بچا لو۔ اپنے پروردگار سے مغفرت (توبہ) مانگو۔ وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے۔ اے اللہ تواب (توبہ قبول کرنے والا) اور رحیم ہے۔"

لیکن قوم نے ان کی ایک نہ مانی اور انہیں مسلسل جھٹلاتے رہے۔

حضرت ہودؑ نے انہیں مزید بتایا "لوگو! تم اس دنیا کی بات کرتے ہو اور میں یہ کہتا ہوں کہ تمارے یہ دیوی دیوتا نہ تو اس دنیا میں کام آئیں گے اور نہ دوسری دنیا میں تمہاری دستگیری کریں گے جب تمہیں قبر سے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔"

لوگوں کو بڑی ہنسی آئی۔ انہوں نے کہا "یہ کیا بات ہوئی۔ جب ہم مر جائیں گے اور خاک میں مل جائیں گے تو وہ ہمیں کس طرح قبر سے زندہ نکالے گا۔ اب تم فضول باتیں مت کرو اور ہمیں ہمارے حال میں رہنے دو۔ جس عذاب کا تم بار بار ذکر کرتے ہو اب اسے نازل ہو جانے دو۔ ہم بھی تمہارے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب کے منتظر ہیں۔"

حضرت ہودؑ مایوس ہو کے ان لوگوں میں واپس آ گئے جو ان پر ایمان لے آئے تھے۔ انہوں نے اپنے ماننے والوں کو مطلع کیا "یہ جگہ چھوڑ دو تاکہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ۔"

یہ جانب جنوب چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ علاقہ خشک سالی کا شکار ہو گیا۔ باغات

ویران ہونے لگے' چشمے خشک ہو گئے' فصلیں تباہ ہو گئیں' لوگ بھوکوں مرنے لگے' یہ کیفیت کئی سال جاری رہی۔ بارش کا کہیں نام و نشان تک نہ ملتا تھا۔ آسمان دور دور تک ابر باراں سے محروم تھا اور اس قوم نے گویا نہ سمجھنے اور راہِ راست پر نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔"

ان کے بڑوں نے لوگوں سے حضرت ہودؑ کے بارے میں پوچھا "ان حالات میں ہود کا کیا حال ہے؟"

لوگوں نے بتایا "وہ اپنی قوم سے مایوس ہونے کے بعد کہیں چلے گئے۔ ان کے ماننے والے بھی کہیں نظر نہیں آتے۔"

قوم عاد کی گمراہی نقطہ عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ وہ واقعی یہ سمجھ رہے تھے کہ ان پر یہ مصیبت شری دیوتاؤں کی وجہ سے نازل ہو رہی ہے۔ ان شری دیوتاؤں نے حضرت ہودؑ کو خراب کیا اور انہوں نے اپنی قوم کو ورغلایا اور دیوتاؤں نے ان کو خشک سالی میں مبتلا کر دیا۔

آخر امرا میں یہ طے پایا کہ جنوب میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر وہاں اجتماعی دعا مانگی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ وہاں جا کے بارش کے لیے دعا مانگی جائے لیکن اس سے پہلے حضرت ہودؑ کو تلاش کر کے مار دیا جائے کیونکہ یہ سارا عذاب ان کی گمراہی کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔

حضرت ہودؑ تو پہلے ہی روپوش ہو چکے تھے۔ وہ قریب ہی حضر موت میں موجود تھے مگر ان کی قوم ان کی جائے پناہ سے لاعلم تھی۔

وہ جگہ جس کی نشاندہی کی گئی تھی کہ وہاں... مانگی جانے والی ہر دعا قبول ہوتی ہے' مکہ معظمہ تھی۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت سے چار سو سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت بھی یہ جگہ مقدس اور محترم تھی۔ قوم عاد کے ستر رئیس مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں کے ایک رئیس کے مہمان ہوئے۔

مہمان نواز قوم نے اپنے مہمانوں کی ایسی شان دار مہمان نوازی کی کہ یہ خشک سالی کے مصیبت زدہ اپنی مصیبت بھول گئے۔ خوب خوب کھایا پیا' رنگ رلیاں منائیں اور شراب کے نشے میں یہ بھول گئے کہ وہ مکہ میں کس کام سے آئے تھے۔

شاید انہیں ان کی گمراہی کی وجہ سے غافل کر دیا گیا تھا۔ یہ لوگ اسی حال میں دعا مانگے بغیر واپس چلے گئے۔ انہوں نے آسمان پر سرخ اور زرد بادل دیکھے تو انہیں شبہ ہوا کہ یہ پانی سے محروم بادل ہوں گے۔

قوم کے لوگ مکہ سے واپس آنے والوں سے پوچھ رہے تھے کہ ان لوگوں نے کیسی دعا مانگی تھی جو دیوتاؤں نے یہ خشک بادل بھیج دیے۔ انہیں یہ بادل نہیں چاہیں۔

جب وہ یہ کہہ رہے تھے تو انہوں نے زرد اور سرخ بادلوں کے پیچھے سیاہ بادلوں کو امنڈتے دیکھا۔

قوم کو سابقہ تجربوں کی روشنی میں یہ معلوم تھا کہ سیاہ بادلوں میں پانی ہوتا ہے۔ وہ دیوی دیوتاؤں کو واسطہ بنا کے دعائیں مانگنے لگے "ہمیں یہی بادل درکار تھے۔ انہیں ہماری بستیوں پر نازل فرمایا جائے۔"

چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور اس ہوا نے وہ تباہی مچائی کہ اللہ کی پناہ! ایسا لگتا تھا جیسے یہ بادل خشک ریت کے ساتھ ہواؤں کے طوفان بھی لائے تھے۔ ہواؤں میں اتنی شدت تھی کہ۔۔۔ آدمی اڑ اڑ کے میلوں دور چلے گئے' درخت جڑوں سے اکھڑ گئے' عمارتیں گر گئیں' چشمے غائب ہو گئے۔ راہِ فرار مفقود تھی۔ ہر طرف باریک ریت کا طوفان آیا تھا۔ اس ریت میں معلوم نہیں کیسے زہریلے اجزا پائے جاتے تھے کہ جس پر گری اسے گلا ڈالا۔ سات رات اور آٹھ دن تک یہ طوفان رہا اور جب تھما تو قوم عاد کی آبادی غائب ہو چکی تھی' نہ ان کے باغات کا پتا تھا نہ ان کی عالی شان ستونوں پر قائم عمارتیں کہیں نظر آتی تھیں۔ انکے تندرست و توانا لحیم شحیم بلند قامت لوگ نابود ہو چکے تھے۔ قرآن پاک کے مطابق۔

"سو ان لوگوں نے اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔

نہیں نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ایک آندھی ہے جس میں ایک دردناک عذاب ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی۔ ہم نے ان کو کان' آنکھ اور دل دیے تھے مگر وہ آیات الہٰیہ کا انکار کرتے رہے۔ اس لیے ان کے کان' ان کی آنکھیں اور ان کے دل کام نہیں آئے اور جس بات کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اس نے ان کو آگھیرا۔ وہ ایک تند و تیز ہوا سے ہلاک کیے گئے جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کر دیا تھا۔ سو (اے مخاطب) اگر تو اس وقت وہاں موجود ہوتا تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا۔ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔"

دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

"اور جب ہماری ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آن پہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو بچا لیا اور انہیں بھی جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اور ایسے عذاب سے بچایا جو بڑا ہی سخت عذاب تھا۔"

حضرت ہودؑ پہلے وہ پیغمبر ہیں جنھوں نے توبہ کی تعلیم دی تھی اور تنہا وہ پیغمبر ہیں جن کے وجود کی شہادت آثارِ قدیمہ دیتے ہیں۔

عاد کا علاقہ عمان (مسقط) سے یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کا اصلی وطن الاحقاف تھا جو اب ربع خالی کہلاتا ہے۔ احقاف حقف کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں ریت کے وہ لمبے لمبے ٹیلے جو بلندی میں پہاڑوں کی حد کو پہنچیں۔

قوم عاد یہیں سے نکل کر اپنے گردوپیش میں چھا گئی تھی۔ کمزور قومیں مغلوب ہو گئی تھیں۔

حضر موت کی شمالی سرحد پر ایک مقام تریم ہے۔ موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ایک سو پچیس میل کے فاصلے پر جانبِ شمال حضرت ہودؑ کا مزار پایا جاتا ہے اور وہ قبر ہودؑ کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں پہنچتے ہیں۔

آج الاحقاف کو دیکھ کر کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی یہاں ایک شان دار تمدن رکھنے والی طاقتور قوم آباد تھی۔ آج اس کی یہ حالت ہے کہ وہ ایک لق و دق ریگستان ہے اور اس کے اندرونی حصے میں جانے کی کوئی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔

۱۸۴۳ء میں بودریا کا ایک فوجی اس کے جنوبی کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے بقول حضر موت کی شمالی سطحِ مرتفع پر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعے ہیں کہ جن میں کوئی چیز گر جائے تو بالکل بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ عرب کے بدو اس علاقے سے بہت ڈرتے ہیں اور کسی قیمت پر بھی وہاں جانے کے لیے راضی نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر جب اس نے وہاں جانے کی ضد کی اور کوئی بدو اسے لے جانے پر راضی نہ ہوا تو وہ وہاں اکیلا چلا گیا۔ یہاں اس نے دور سے ایک شاقول ریت میں پھینکا۔ وہ پانچ منٹ کے اندر ریت میں غائب ہو گیا اور رسی کا وہ سرا جو ریت میں گیا تھا' گل کے غائب ہو گیا۔ اس فوجی کا بیان ہے کہ وہاں کی ریت بالکل سفوف کی طرح باریک ہے۔

اسی صحرا کے بارے میں ایک انگریز سیاح بیان کرتا ہے۔

"یہ صحرا سیکڑوں میل پر پھیلا ہوا ہے۔ جب یہاں تیز ہوا چلتی ہے تو زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ ریت کے پہاڑ ہوا پر اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں وہ تھمتے ہیں اس کو دبا کر دفن کر دیتے ہیں۔ قافلے کا قافلہ اور گاؤں کے گاؤں ان کے نیچے دب کر مدفون ہو جاتے ہیں اور پھر جب کبھی یہاں سے ریت ہٹتی ہے تو ہڈیوں کا ایک انبار نظر آتا ہے۔

دوپہر میں جنوب کی طرف سے دفعتاً لو کے جھونکے آنے لگے۔ ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ میرے عرب رفیقوں نے اپنے چہروں کو کپڑوں سے لپیٹ لیا اور اونٹوں کو مار مار کر تیز بھگانے کی کوششیں کرنے لگے لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جاتے تھے۔ میں نے رفیقوں سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ وہ گھبرا کے بولے جناب! بلندی پر جو خیمہ نظر آ رہا ہے اگر ہم وہاں پہنچ گئے تو جان بچ جائے گی۔

اسی اثنا میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی۔ گرمی میں اتنی شدت تھی جیسے آسمان سے دوزخ اتر آئی ہو۔ ہم بمشکل تمام خیمے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں ایک عورت پہلے ہی منہ لپیٹے اوندھی پڑی تھی۔ ہمارے اونٹوں نے ہوا کے رخ منہ موڑا اور ناک کو ریت میں گاڑ کے مردوں کی طرح پڑ گئے۔ ہم

بھی خیمے میں جاکر منہ لپیٹ کر اندھے پڑ گئے۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی۔ دس منٹ تک یہی حالت رہی پھر ہوا اور گرمی میں کمی ہوئی اور جب ہم اٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔"

حضرت ہودؑ کو از روئے توریت عبر کہا جاتا ہے۔ لفظ عبرانی اسی عبر سے نکلا ہے اور حضرت ہودؑ اپنے نام عبر کی وجہ سے عبرانیوں کے باپ سمجھے جاتے ہیں۔

○☆○

حضرت لوط علیہ السلام کون تھے۔ آپؑ انبیاء کے کس سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا بچپن اور جوانی کہاں گزرے۔ آپؑ کو سدوم کن حالات میں بھیجا گیا۔ آپؑ کی قوم کن برائیوں میں غرق تھی اور آپؑ انہیں کیوں کر ایک اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ قومِ لوط پر آنے والے خدائی عذاب کی تفصیل اور بہت کچھ اس مختصر سے مضمون میں شامل ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام

(2120ق-م)

بائیس سو قبل مسیح کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ کا دور ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو بھائی نحور اور حاران تھے۔ ان کا وطن ایراق کا شہر اور تھا۔ یہ بت پرستی کا دور تھا اور لوگ چاند سورج اور ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور صابی کہلاتے تھے۔

حاران کے پاس مویشیوں کے ریوڑ تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے پاس بھی ریوڑ تھے اور ان ریوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے گلے بان محافظ رکھے گئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستی سے انکار کیا اور ان کی قوم ان کی دشمن ہو گئی اور ان کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جو نمرود بادشاہ کے حوالے سے مشہور ہے۔ آپ کو آگ میں ڈالا گیا مگر وہ گلزار ہو گئی۔ گمراہ قوم پر اس معجزے کا بھی اثر نہ ہوا اور اسی دوران میں آپ کے بھائی حاران کا انتقال ہو گیا۔

حاران کی کئی اولادیں تھیں' ایک بیٹے کا نام لوط تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبری پر جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے' ان میں حضرت لوطؑ کا نام سرفہرست ہے اور حضرت ابراہیمؑ اپنے بھتیجے لوط سے بہت محبت کرتے تھے۔

نبیوں کے ساتھ جو عموماً پیش آتا رہا ہے یعنی ان کے شہر کے لوگ اور ان کی قوم کے افراد ان کی عزت نہیں کرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے یہی یہاں بھی پیش آیا تھا۔

یعنی حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور آپ کو ہجرت کرنا پڑی اور ہجرت کے لیے مصر کا انتخاب ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ کی عدم موجودگی میں حضرت لوطؑ بھی بے یار و مددگار ہو جاتے' اس لیے انہوں نے بھی اپنے چچا کے ساتھ ہجرت کا فیصلہ کیا۔

دونوں کے ساتھ مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ تھے اور ان ریوڑوں کی دیکھ بھال ان کے چرواہے

اور محافظ کرتے تھے۔

چچا بھتیجے میں جو مثالی محبت تھی' وہ دونوں کے چرواہوں اور محافظوں میں مفقود تھی۔

ہجرت کے دوران ان کا گزر جن علاقوں سے ہوا' وہاں کی چراگاہیں مویشیوں کے کام آتی رہیں اور دونوں طرف کے چرواہے اور محافظ کوشش یہ کرتے کہ ان کے مویشی پہلے چر لیں اور پانی سے سیراب ہو جائیں مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔

مصر تک یہ کشمکش جاری رہی اور مصر میں بھی یہی دیکھنے میں آیا کہ مصر پہنچ کے یہ جھگڑا عروج پر پہنچ گیا اور جب حضرت لوطؑ کے مویشیوں کے چرواہے اور محافظ حضرت ابراہیمؑ کے مویشیوں کے چرواہوں اور محافظوں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تو حضرت ابراہیمؑ کے ریوڑ کے محافظ چرواہے طعنہ دیتے کہ تم لوگوں کو اپنے آقا کے چچا کا احترام تو کرنا چاہیے۔ سوچو تو سہی جب تمہارے آقا لوطؑ کے والد کا انتقال ہوا تو یہ ابرہیمؑ تھے جنہوں نے لوطؑ کی سرپرستی فرمائی اور ان کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھا۔

ان باتوں کا حضرت لوطؑ کے چرواہوں اور محافظوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور مقابلہ بدستور جاری رہا۔

حضرت ابراہیمؑ سے چرواہوں اور محافظوں نے حضرت لوطؑ کے آدمیوں کی شکایت کی ''حضرت! آپ کے بھتیجے اپنے چرواہوں اور محافظوں کو نہیں روکتے اور وہ مسلسل زیادتیاں کیے جا رہے ہیں حالانکہ چھوٹوں کو بڑوں کا ادب کرنا چاہیے۔''

حضرت ابراہیمؑ نے انہیں سمجھایا ''یہ معاملات تم لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے انہیں اپنے ہی تک رکھو۔ بات کو مت بڑھاؤ اور اس وقت سے ڈرو کہ تم آپس میں لڑ پڑو اور خواہ مخواہ تمہاری جانیں ضائع ہو جائیں۔''

اسی طرح حضرت لوطؑ کے چرواہے اور محافظ شکایتیں لے کر ان کے پاس پہنچے ''جناب! آپ کے چچا کے محافظ اور چرواہے بڑی زیادتیاں کر رہے ہیں اور کبھی کبھی چارے پانی کا کوانا کا مسئلہ بنا دیتے ہیں اور نوبت جنگ و جدل تک پہنچ جاتی ہے۔''

حضرت لوطؑ نے بھی اپنے آدمیوں کو سمجھایا ''اس قسم کے مقابلوں سے بچو کیونکہ میں اپنے چچا کے مقابلے میں تمہارا کبھی ساتھ نہ دوں گا۔''

محافظوں نے کہا ''آپ اپنے چچا کا احترام کریں مگر ہمیں مجبور نہ کریں کہ ہم ان کے محافظوں اور چرواہوں کا ادب و احترام کریں۔''

ان باتوں کا علم جب دونوں حضرات کو ہوا اور یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اگر ان فضول جھگڑوں کا کوئی حل نہ نکالا گیا تو خون خرابہ ہو کر رہے گا۔ اس لیے اس قصے کا تصفیہ ضروری ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا ''اب ہم دونوں کو الگ الگ ہو جانا چاہیے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی پیغمبر ہو

اور تمہیں جس قوم پر مبعوث کیا گیا ہے وہ سدوم میں رہتی ہے اور یہ یاد رہے کہ نبی کا کام بہت سخت اور صبر آزما ہوتا ہے تم سدوم چلے جاؤ۔ میں فلسطین جاؤں گا۔"

حضرت ابراہیمؑ مصر سے فلسطین تشریف لے گئے اور دین حنیف کی تبلیغ کرتے رہے۔

حضرت لوطؑ نے سدوم کا رخ کیا۔ یہاں دو بستیاں سدوم اور عامورہ بہت مشہور تھیں' ان کا تعلق قوم ثمود سے تھا۔ یہ بہت ہی برے لوگوں کی بستیاں تھیں ان کے دو بڑے سردار تھے اور بستیوں کے سارے ہی لوگ ان کی مطیع و فرمانبردار تھے۔ یہ رہزنی بھی کرتے تھے' لوٹ مار بھی کرتے تھے اور ان کے لوٹ مار کے طریقے بہت عجیب تھے۔ دوسرے شہروں سے مال تجارت لانے والے لوگ یہاں آکے پھنس جاتے تھے' ان سرداروں نے قاضی بھی مقرر کر رکھے تھے' عدالتیں بھی تھیں' بازاروں میں تجارت بھی ہوتی تھی مگر یہاں جو کچھ بھی ہوتا تھا' وہ عجیب و غریب ہوتا تھا۔

اگر آج حجاز ریلوے کے نقشے پر نظر ڈالی جائے تو ریل کی پٹریاں مدینے سے بدیہ بدائع اور علی ہوتی ہوئی مدائن صالح پہنچتی ہیں' ان کے آگے تبوک ہے' یہاں سے معان ہوتی ہوئی دمشق جاتی ہے۔ معان اور دمشق کی درمیان ریلوے ٹریک کے مشرق میں ایک وسیع جھیل ہے جسے عرب کے لوگ بحیرہ لوط کہتے ہیں جسے یورپ کے لوگ سالٹ سی (SALTSEA) کے نام سے پکارتے ہیں۔ بحیرہ لوط کے شمال میں تقریباً ساٹھ میل دور ایک اور جھیل ہے' جیسے بحیرہ گلیل کہتے ہیں اور ان دونوں جھیلوں کو ایک دریا باہم ملا دیتا ہے اس دریا کو یردن کہتے ہیں۔ دریائے یردن اور بحیرہ لوط کے مشرق میں جو سرزمین ہے' اسے شرق اردن کہتے ہیں۔ حضرت لوطؑ کو اللہ نے جس قوم کی طرف بھیجا تھا وہ اسی شرق اردن میں آباد تھی اور اس زمانے میں شرق اردن پانچ ریاستوں میں تقسیم تھا ۱) سدوم ۲) عمورہ ۳) ادمہ ۴) ضبیان ۵) ضغر۔

سدوم کا حاکم یا سردار برع نامی شخص تھا۔

عمورہ کا حاکم برسع تھا۔

ادمہ پر ابی سن کی حکومت تھی۔

ضبیان کے حکمران کا نام شیمبر تھا۔

اور ضغر پر بالغ نامی شخص حکومت کرتا تھا۔

حضرت لوطؑ نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سدوم میں قیام کیا اور دعوت حق دینا شروع کر دی۔

لوگوں نے شروع شروع میں آپ کی باتوں پر دھیان نہ دیا اور کبھی کبھی مذاق اڑاتے تھے۔

اس دوران میں بابل کے بادشاہ نے سدوم پر حملہ کر دیا اور خاصی لوٹ مار کے بعد سدوم کے لوگوں کو ان کے مویشیوں سمیت قیدی بنا لیا۔ ان قیدیوں میں حضرت لوطؑ کے بیوی' بچے اور مویشی بھی تھے۔

کسی نے یہ خبر حضرت ابراہیمؑ کو پہنچا دی۔

اور حضرت ابراہیمؑ نے تین سو ساٹھ خانہ زادوں کے ساتھ حملہ آوروں کا تعاقب کیا اور ان کو آگے جا کر گھیر لیا اور پھر ایک سخت معرکہ آرائی کے بعد حضرت لوطؑ کو ان کے کنبے اور مویشیوں کو آزاد کروا لیا۔

سدوم والوں پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ لوط اور ان کے ساتھی بہت نیک اور پاکباز زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسی پاکباز زندگی کا سدوم میں کوئی تصور نہ تھا۔

حضرت لوطؑ نے بازاروں اور محلوں میں گھوم پھر کے لوگوں کو دیکھا اور کچھ عجیب ہی کیفیت محسوس کی۔ یہاں کے مرد خوب صورت لڑکوں کی تلاش میں رہتے تھے' عورتوں سے ان کو کوئی رغبت نہیں تھی۔ یہ لوگ آبادیوں سے نکل جاتے اور راستہ چلتے لڑکوں کو پکڑ لاتے۔ عورتیں عورتوں میں مگن تھیں۔

تجارت کا بھی عجیب حال تھا۔

انہوں نے ایک بیرونی تاجر کو شہر میں داخل ہوتے دیکھا اور اس کا سامان کئی اونٹوں پر لدا ہوا تھا اس نے یہاں کی سرائے میں قیام کیا۔ اونٹوں پر سے سامان اتروایا اور آبادی میں خبر کر دی گئی کہ ایک تاجر کئی قسم کی چیزیں لے کر آیا ہوا ہے۔ آبادی کے لوگ سرائے پہنچ گئے اور چیزوں کا معائنہ شروع کر دیا۔

ایک شخص نے نمونے کے طور پر ایک چیز اٹھائی اور کہا "اسے تو میں گھر لے جا کر دیکھتا ہوں پھر بات ہو گی۔"

تاجر نے کہا "ٹھیک ہے' دیکھ اور سمجھ لے پھر اس کے بعد سودا ہو جائے گا۔"

اس کے جانے کے بعد دوسرا شخص آیا اور دوسری چیز اٹھائی اور کہا "چیز تو اچھی معلوم ہوتی ہے' نمونے میں گھر لے جا رہا ہوں' سمجھ میں آ گئی تو سودا کر لوں گا۔"

دوسرے کے جانے کے بعد تیسرے نے نمونہ لیا اور وہ بھی چلتا بنا۔

اور نمونے لینے کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سارا مال ختم نہ ہو گیا۔

تاجر تو لٹ گیا تھا اس نے شور و غل مچایا کہ یہ کیسے بدمعاش لوگ ہیں جو نمونوں ہی نمونوں میں مجھے لوٹ کر لے گئے۔

اس نے قاضی کی عدالت میں ان سب کے خلاف مقدمہ کر دیا لیکن مقدمے میں کسی کا نام نہ لکھوا سکا۔

جب زیادہ شور و غل مچا تو ایک شخص نمونہ لے کر واپس آ گیا اور تاجر سے کہا "کیسا تاجر ہے کہ اپنے ذرا سے مال کے لیے مقدمہ کر دیا لے سنبھال اپنا مال۔"

تاجر کو ان سب پر پہلے ہی بہت غصہ تھا‘ کہنے لگا ”اس ایک نمونے کی واپسی سے میرا کیا بھلا ہو گا‘ بقیہ سب تو غائب ہیں۔“

اس نے جواب دیا ”میں تو اپنی بات جانتا ہوں‘ دوسروں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں جو لے گیا تھا‘ واپس کر رہا ہوں۔“

تاجر نے غصے میں کہا ”اس ایک کی واپسی سے میرا کیا بھلا ہو گا‘ جا اسے اپنے گھر میں رکھ لے۔“

اس شخص نے وہ چیز واپس لے لی اور کہا ”تو بھی کیسا تاجر ہے کہ نمونے کی چیز پہلے دیتا ہے اور اس کے بعد شور کرتا ہے کہ نمونہ واپس نہیں کیا اور جب نمونہ واپس کیا جاتا ہے تو لینے سے انکار کرتا ہے‘ اب بات بنے تو کیسے بنے؟“

اور پھر پورے شہر میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ تاجر نے اپنا نمونہ واپس لینے سے انکار کر دیا اس لیے اس کا مقدمہ عدالت سے خارج ہو گیا۔“

حضرت لوطؑ نے تاجر کی طرف داری کی اور لوگوں سے کہا ”تم سب نمونے واپس کرو اور پھر اس کا سودا کرو۔“

مقامی لوگوں نے حضرت لوطؑ سے کہا ”یہ آپ ہمارے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہیں‘ ہمارے اور تاجروں کے معاملے میں آپ لاتعلق رہیں۔ ہم آپ کو علاقے کا آدمی نہیں سمجھتے۔“

حضرت لوطؑ نے کہا ”ہم نبی ہیں اور تم لوگوں میں اتارے گئے ہیں اس لیے ہدایتیں کرنا اور برائیوں سے روکنا میرا فرض ہے۔“

لوگوں نے مذاق اڑایا ”بڑے آئے تلقین کرنے والے۔“

حضرت لوطؑ نے کہا ”میں باز نہیں آؤں گا کیونکہ مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے۔“

لوگوں نے کہا ”تب پھر آپ کہتے رہیں‘ آپ کی کوئی سنے گا بھی نہیں۔“

• حضرت لوطؑ کی شکایتیں سردار تک پہنچیں اور سردار نے حکم دیا ”ان کو فضول اور بے سروپا باتوں سے روکا جائے اور اگر لوط پاکباز ہیں تو وہ اپنی ذات اور کنبے تک محدود رہیں‘ ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں۔“

حضرت لوطؑ کی بیوی نے بھی حضرت لوطؑ کا ساتھ نہیں دیا اور کہا ”آپ کو ان معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے کیونکہ سدوم آپ کے متبع نہیں ہیں‘ ان کا ایک سردار ہے ان کی عدالت ہے۔ ہم کیا ہیں محض ایک پردیسی اگر ہم انہیں ستائیں گے تو یہ لوگ ہمیں نکال باہر کریں گے۔“

لیکن حضرت لوطؑ باز نہیں آئے‘ وہ جہاں بھی بت پرستی اور بددیانتی ہوتی دیکھتے وہاں دخل ضرور دیتے لیکن حضرت لوطؑ کی نرم باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔

اب انہیں بہت زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ بدکاری عام تھی اور لوگوں کی شرم و حیا رخصت ہو چکی تھی اور وہ بے حیائی پر فخر کرتے تھے۔

حضرت لوطؑ نے انہیں منع کیا ”لوگو! تم نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ تم سے پہلے کسی قوم نے بھی نہیں کیا تھا جو تم کر رہے ہو۔ اللہ نے عورتیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں مگر تم نے ان کی جگہ لڑکوں سے کام لینا شروع کر دیا۔“

سدوم کے سردار نے حضرت لوطؑ کو منع کیا ”ابھی تک تو تم ہمارے تجارتی اور عدالتی معاملوں میں دخل دیتے تھے‘ اب تم ہماری ذاتی زندگی اور شوق میں بھی مداخلت کرنے لگے‘ آخر تم چاہتے کیا ہو؟“

حضرت لوطؑ نے جواب دیا ”اے سردار! تجھ کو بہ حیثیت سردار اپنی قوم کو برے کام سے روکنا چاہیے مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ تو خود افعال قبیحہ میں مبتلا ہے اس لیے تو کسی کو کیا نصیحت کرے گا اور برے کاموں سے کیا روکے گا۔“

سردار نے کہا ”ہم یہ جو کچھ کرتے ہیں‘ وہ ہمارے ذاتی افعال ہیں تمہارا یا تمہاری پیغمبری کا اس میں کیا دخل ہے اور اس کا کسی پر کیا برا اثر پڑے گا؟“

حضرت لوطؑ نے کہا ”تم جو کچھ کرتے ہو‘ یہ انتہائی گھناؤنا اور اللہ کا ناپسندیدہ فعل ہے۔ میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ اگر تم اس سے باز نہ آئے تو ایک نہ ایک دن تمہاری بستیوں پر ایسا عذاب نازل ہو گا کہ تمہارے آثار تک نہ ملیں گے۔“

سردار نے کہا ”اے لوط! کیا تمہاری بیوی تمہارا حکم مانتی ہے؟“

حضرت لوطؑ نے جواب دیا ”وہ بھی نافرمانوں میں سے ہے‘ میں اسے بھی نصیحتیں کرتا ہوں مگر تمہاری طرح میری باتیں اس کی بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ اگر اللہ کا عذاب تم پر نازل ہوا تو میری بیوی بھی اس سے نہیں بچے گی۔“

سردار نے ہنس کر کہا ”تب پھر تم پہلے اپنی بیوی کو راہ راست پر لاؤ اس کے بعد ہمارے پاس آنا۔“

حضرت لوطؑ نے کہا ”سردار! میں تمہارے جتنا طاقت ور تو نہیں ہوں کہ تمہارا مقابلہ کروں لیکن میں اپنے اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ مجھے رکن شدید دے تاکہ میں تمہارا مقابلہ کر سکوں۔“

سردار نے حضرت لوطؑ کو کمزور سمجھتے ہوئے پوچھا ”یہ رکن شدید سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

حضرت لوطؑ نے جواب دیا ”رکن شدید میرا اللہ ہے اور میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔“

سردار نے کہا ”اے لوط! یہاں جو کچھ ہو رہا ہے‘ وہ تو ہوتا رہے گا اور تم ناحق ہلکان ہوتے رہو گے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اگر تم پاکباز ہو تو پاکباز لوگوں میں چلے جاؤ۔“

حضرت لوطؑ نے جواب دیا ”میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اللہ مجھے یہاں

سے جانے کا حکم نہیں دے گا۔ مجھے تو تمہاری بربادی اور تباہی صاف نظر آ رہی ہے۔"

سردار نے سختی سے کہا "اے لوط! ہم نے تمہیں سیدھا سمجھ کر نظرانداز کیا ہوا ہے ورنہ تم خود سوچو کہ تم تنہا ہمیں ہمارے افعال سے کس طرح باز رکھ سکتے ہو۔ میں تمہیں تمہارے طریقے سے نہیں روکتا، تو تم ہمیں ہمارے طریقوں سے کیوں باز رکھنا چاہتے ہو؟"

حضرت لوطؑ نے افسوس کرتے ہوئے کہا "تمہاری عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں کہ معمولی سی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ مجھے تو یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ان علاقوں پر عذاب الٰہی نازل ہو کر رہے گا۔"

سردار نے کہا "ٹھیک ہے، تم اپنے رب سے کہو کہ وہ ہم پر عذاب نازل کرے ہم اپنے افعال سے باز نہیں آئیں گے۔ بس اب تم جاؤ اب مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔"

حضرت لوطؑ چلے آئے۔

سدوم آنے جانے والے لوگ حضرت لوطؑ کی بے بسی دیکھ رہے تھے اور یہاں کا حال حضرت ابراہیمؑ تک پہنچاتے رہتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی حضرت سارا کو حضرت لوطؑ کے بارے میں جیسی خبریں پہنچ رہی تھیں، ان سے وہ فکرمند ہو گئے۔ انہوں نے دمشق کے رہنے والے ایعرز کو حضرت لوطؑ کے پاس سدوم روانہ کیا۔ یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کا خانہ زاد تھا۔

یہ لوگوں سے پوچھتا ہوا سدوم پہنچا۔ اپنی وضع قطع اور صورت شکل سے اجنبی لگتا تھا اور پتا حضرت لوطؑ کا پوچھ رہا تھا کہ ایک شخص نے شرارتاً ایک پتھر اٹھایا اور ایعرز کو کھینچ مارا۔ پتھر سر میں لگا اور یہ شخص لہولہان ہو گیا۔

ایعرز نے زخمی ہو کے پتھر مارنے والے کو تلاش کیا، وہ ہنستا ہوا ایعرز کے پاس پہنچا اور خون سے سرخ ہو جانے والے چہرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا "مبارک ہو کہ میں نے تجھے سرخرو کیا، مجھے اس کار خیر کا معاوضہ ملنا چاہیے۔"

ایعرز نے غصے میں کہا "یہ تو کیسی بات کرتا ہے تو نے مجھے پتھر مار کے زخمی کیا جس کا جرمانہ تجھے ادا کرنا چاہیے نہ کہ تو الٹا مجھ سے اپنی زیادتی کا معاوضہ طلب کر رہا ہے۔"

سدومی نے ایعرز کا گریبان پکڑ لیا۔ "میں تجھے بھاگنے نہیں دوں گا اور عدالت تک کھینچ کر لے جاؤں گا تاکہ مجھے انصاف ملے۔"

کہاں تو ایعرز حضرت لوطؑ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا اور کہاں یہ مصیبت گلے پڑی کہ بلاوجہ شرارتاً پتھر مارنے والا سدومی الٹا اس سے معاوضہ طلب کر رہا تھا اور انکار پر کھینچ کر عدالت لیے جا رہا

تھا۔

قاضی نے لہولہان اجنبی کو دیکھ کر سدومی سے پوچھا "کیا معاملہ ہے؟"

ایعرز نے استغاثہ کیا "میں یہاں لوط کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا کہ اس شریر نے مجھے پتھر کھینچ مارا اور اب الٹا مجھ سے معاوضہ مانگ رہا ہے کہ میں نے تجھے سرخرو کیا اس کا معاوضہ دے۔"

عدالت نے سدومی سے پوچھا "تو کیا کہتا ہے؟"

سدومی نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میں بھی وہی کہتا ہوں کہ جو یہ اجنبی کہہ رہا ہے۔ جب یہ آیا تو اس کا چہرہ یونہی بے رونق تھا، میں نے پتھر مار کر اسے رنگین کر دیا اور یہ صحیح معنی میں سرخرو ہوا اور میں نے اس سے اپنی محنت کا صلہ طلب کی۔ یہ مجھ سے الٹا ہرجانہ مانگنے لگا۔ اب عدالت انصاف کرے کہ کون حق پر ہے اور کون زیادتی کر رہا ہے؟"

عدالت نے لہولہان ایعرز کو دیکھا اور اپنا فیصلہ سنا دیا "سدومی حق بجانب ہے عدالت خود بھی اسی اجنبی کو سرخرو دیکھ رہی ہے۔ سدومی کو اس کی محنت کا معاوضہ ملنا چاہیے۔"

ایعرز یہ عجیب و غریب فیصلہ سن کر بہت حیران ہوا کہ یہ کیسا شہر ہے، کیسے اس کے لوگ ہیں اور کیسی یہاں کی عدالت ہے۔

ایعرز نے عدالت سے درخواست کی کہ "معاوضے کی ادائیگی کے لیے کچھ وقت دیا جائے۔"

عدالت نے پوچھا "تجھے کتنا وقت درکار ہے؟"

ایعرز نے زمین پر نظریں دوڑائیں، اسے ایک پتھر کی تلاش تھی جو کچھ فاصلے پر پڑا ہوا نظر آ گیا۔ فوراً پتھر اٹھایا اور قاضی کے سر کا نشانہ لیا اور ایسا تاک کے رسید کیا کہ قاضی تلملا گیا اور اس کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔

الیعرز نے کہا "جناب قاضی صاحب! میں نے آپ کو سرخرو کیا، آپ میرے حصے کا معاوضہ اس سدومی کو ادا کر دیں۔ حساب کتاب برابر۔"

لوگ قاضی کو سنبھالنے میں لگ گئے اور ایعرز نے حضرت لوطؑ سے ملاقات بھی نہیں کی اور سدوم سے بھاگ کھڑا ہوا اور حضرت ابراہیمؑ کو سدوم والوں کی کیفیت سے آگاہ کیا "وہ بڑے بددیانت، بے حیا، شریر اور انصاف دشمن لوگ ہیں۔ لوط سے ملاقات تو نہیں ہوئی مگر جیسے وہاں کے حالات ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ لوط کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اندیشہ ہے کہ وہ ظالم کہیں لوط کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔"

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بھتیجے کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی۔

○☆○

حضرت لوطؑ کو بار بار تجربہ ہو چکا تھا کہ ان کی باتوں کا کسی پر کوئی اثر نہیں ہوا اور سدوم کے لوگوں کے معمولات زندگی میں ذرا سا بھی فرق نہیں پڑا۔ کیا سردار اور کیا ایک عام آدمی۔ اس حمام میں سب ہی ننگے تھے۔

لیکن اپنی ناکامیوں سے حضرت لوطؑ ابھی دل برداشتہ نہیں ہوئے تھے' وہ اللہ کا پیغام ان گمراہوں میں پہنچانے میں بدستور مشغول تھے۔

حضرت لوطؑ کے لیے یہاں قدم قدم پر دشواریاں تھیں' اس قوم میں شرم و حیا نام کو بھی نہ تھی۔ اپنی بے شرمی اور بے حیائی کے واقعات یہ لوگ فخر سے بیان کرتے۔

اسی طرح لوگ بازاروں میں بیٹھے اپنے کارنامے ایک دوسرے کو سنا رہے تھے اور اس میں ذرا سی بھی شرم نہیں محسوس کر رہے تھے کہ حضرت لوطؑ نے ان میں مداخلت کی اور ان سے کہا "اے لوگو! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایک تو تم نے بے غیرتی کی زندگی اختیار کر رکھی ہے' تم عورتوں سے کنارہ کش ہو کر غیر فطری زندگی گزار رہے ہو۔ حالانکہ تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں۔ تم نے انہیں چھوڑ دیا اور ایسی بے حیائی کا کام اختیار کیا جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ حقیقتاً تم وہ لوگ ہو جو حد سے گزر گئے ہو۔"

لوگ ان کی باتیں سنتے رہے اور آخر ایک نے کہا "دیکھو لوط! ہم نے تمہاری بہت باتیں سن لیں۔ اب تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم خاموشی سے یہاں رہو اور یہ نصیحت کرنا چھوڑ دو اور اگر تم باز نہ آئے تو شہر بدر کر دیے جاؤ گے۔"

حضرت لوطؑ نے ان کو نرمی سے سمجھایا "لوگو! اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ میں نے تم سے کبھی اپنے اس کام کا کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگا کیونکہ مجھے اپنے اس کام کا معاوضہ اپنے اللہ سے ملے گا اور میں تم سے بار بار یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو۔"

لوگوں نے پوچھا "اے لوط! اگر ہم تمہاری بات نہ مانیں تو کیا ہو گا؟"

حضرت لوطؑ نے ان کو خدا کے عذاب' اس کی ہیبت اور غضب سے ڈرایا۔

لوگوں نے کہا "تب پھر اس میں جھگڑنے کیا بات ہے۔ اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لا کے دکھاؤ۔"

کچھ لوگوں نے حضرت لوطؑ کا مذاق اڑایا اور طنزاً کہا "یہ بہت ہی پاک لوگ ہیں' ہم ناپاکوں کے شہر میں ان کا کیا کام ہے اس لیے ان کو شہر سے نکال دو۔"

حضرت لوطؑ اپنی بے بسی پر دل برداشتہ ہو گئے "اے میرے پروردگار! ان شریر لوگوں کے مقابلے میں مجھے نصرت عطا فرما۔"

بیوی کو ان تمام باتوں کا علم ہوا تو شوہر کو پھر سمجھایا "آخر تم سدوم والوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو' وہ جو کر رہے ہیں' انہیں کرنے دو اور تم ان سے لاتعلق ہو جاؤ۔"

حضرت لوطؑ نے بیوی کو ڈانٹا کہ تو کیسی گمراہی کی بات کرتی ہے' میں نبی ہوں اور جو کچھ میں کر رہا ہوں' وہ کام مجھے اللہ کی طرف سے سونپا گیا ہے۔ میں وہ فرض انجام دیتا رہوں گا جو اللہ نے مجھے تفویض کیا ہے۔"

بیوی نے کہا "تمہیں لوگ دھمکی دے رہے ہیں کہ اس شہر سے نکل جاؤ ورنہ اپنی زبان بند رکھو۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تم باز نہیں آؤ گے اور لوگ تمہیں اس شہر سے نکال دیں گے اگر ایسا وقت آیا تو میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی۔"

اس موقع پر حضرت لوطؑ نے اللہ سے دعا کی "اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو سدوم والوں کے کاموں کے وبال سے نجات دے۔"

○☆○

سدوم اور عمورہ میں یہ سب ہو رہا تھا اور حضرت لوطؑ کی قوم نے حضرت لوطؑ سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کا عذاب لا کے دکھاؤ اور حضرت لوطؑ نے اللہ سے نصرت کی دعا بھی مانگی تھی۔

ادھر حضرت ابراہیمؑ کا یہ حال تھا کہ ہر روز کھانے سے پہلے کسی نہ کسی مہمان کی فکر میں رہتے تھے جب کوئی مہمان مل جاتا تو اسے اپنے ساتھ گھر لے جاتے اور اپنے ساتھ بٹھا کے کھانا کھلاتے۔

ایک روز وہ اسی سلسلے میں جنگل میں ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ انہوں نے تین آدمیوں کو ایک جگہ کھڑے دیکھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان سے درخواست کی کہ وہ مہمان ہیں اس لیے گھر چلیں اور ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔

وہ تینوں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ان کے گھر آ گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان کے لیے ایک بچھڑا ذبح کیا اور کھانا پکوا کے مہمانوں کے سامنے رکھا۔

مہمانوں نے کھانے سے انکار کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کو شبہ گزرا کہ شاید یہ دشمن ہیں جو کھانے سے انکار کر رہے ہیں' انہیں دکھ تھا کہ مہمانوں نے کھانے سے انکار کیا اور یہ جستجو بھی تھی کہ آخر یہ ہیں کون؟

مہمانوں کو حضرت ابراہیمؑ کا اضطراب دیکھ کر ہنسی آئی اور کہا "آپ پریشان نہ ہوں' ہم اللہ کے فرشتے ہیں۔ ہمیں قوم لوط پر تباہی کے لیے بھیجا گیا ہے' ہم تینوں سدوم جا رہے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے ان فرشتوں سے پوچھا "کیا خدا بندوں کے ساتھ نیک لوگوں کو بھی ہلاک کر

دے گا؟"

فرشتوں نے جواب دیا "اگر اس بستی میں پچاس مومن بھی ہوں گے تو وہ بستی تباہ نہ کی جائے گی۔"

حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا "اگر پینتالیس، چالیس، بیس یا دس مومن ہوں، تب بھی وہ بستی تباہ کر دی جائے گی؟"

فرشتوں نے جواب دیا "نہیں تب بھی اس قوم کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت ابراہیمؑ نے کہا "اے فرشتو! تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جا رہے ہو جن میں لوط جیسا خدا کا برگزیدہ نبی موجود ہے، وہ میرا برادر زادہ بھی ہے اور ملت حنیف کا پیرو بھی۔"

فرشتوں نے کہا "ہم یہ سب نہیں جانتے مگر خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ قوم لوط اپنی سرکشی، بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ضرور ہلاک کی جائے۔ لوط اور اس کا خاندان اس عذاب سے محفوظ رہے گا البتہ لوط کی بیوی قوم کی حمایت اور ان کی بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں شرکت کی وجہ سے قوم لوط ہی کے ساتھ عذاب پائے گی۔"

اس واقعے کو قرآن میں سورہ ہود، الذاریات اور عنکبوت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے "پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اس کو ہماری بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق جھگڑنے لگا "بے شک! ابراہیم بردبار، غم خوار اور رحیم ہے (فرشتوں نے کہا) اے ابراہیم اس معاملے میں نہ پڑ، بلاشبہ تیرے رب کا حکم آچکا ہے اور بلاشبہ ان پر عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔"

حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا "اے خدا کے بھیجے ہوئے فرشتو! تم کس لیے آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا "ہم مجرم قوم کی جانب بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر پتھروں کی بارش کریں، یہ نشان کردیا گیا ہے تیرے رب کی جانب سے حد سے گزرنے والوں کے لیے۔"

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔ کہنے لگے "بے شک! ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس قریہ (سدوم) کے بسنے والوں کو، بلاشبہ اس کے باشندے ظالم ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے کہا "اس بستی میں لوط ہے۔"

فرشتوں نے کہا "ہمیں خوب معلوم ہے جو اس بستی میں آباد ہے۔ ہم البتہ لوط اور اس کے خاندان کو نجات دیں گے مگر اس کی بیوی کو نہیں کہ وہ بھی بستی میں رہ جانے والوں کے ساتھ ہے۔"

یہ فرشتے جب سدوم پہنچے اس وقت حضرت لوطؑ کی قوم حضرت لوطؑ کو اخراج اور سنگساری کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ تینوں فرشتے خوب صورت نوجوانوں کی شکل و صورت میں تھے۔

انہوں نے حضرت لوطؑ کے در پر دستک دی۔

حضرت لوطؑ نے دروازہ کھولا اور اپنے سامنے تین نوجوانوں کو دیکھ کر پریشان ہوگئے پوچھا "کیا بات ہے؟"

فرشتوں نے جواب دیا "ہم آپ کے مہمان ہیں۔"

حضرت لوطؑ مہمانوں کو منع نہیں کرسکتے تھے، وہ بہت گھبرائے ہوئے تھے کہ ان نوجوان خوب صورت مہمانوں کی خبر چھپنے والی نہیں ہے اور بستی کے لوگوں کو جیسے ہی یہ خبر ہوگی، وہ ان کے گھر کا محاصرہ کرلیں گے۔

حضرت لوطؑ کو فکر مند دیکھ کر فرشتوں نے کہا "آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔ ہم انسان نہیں، عذاب کے فرشتے ہیں۔ جزائے اعمال کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے، وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں ہے۔ آپ خود اور آپ کا خاندان اس عذاب سے محفوظ رہیں گے مگر آپ کی بیوی انہیں بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور آپ کا ساتھ نہیں دے گی۔"

اس دوران میں حضرت لوطؑ کی بیوی نے تین نوجوان مہمانوں کی آمد کی خبر باہر پہنچا دی تھی۔

قوم کے دونوں سردار اپنی رعایا کے ساتھ خوشی خوشی حضرت لوطؑ کے گھر پہنچ گئے اور حضرت لوطؑ سے مطالبہ کیا کہ ان تینوں مہمانوں کو ہمارے حوالے کردو۔"

حضرت لوطؑ نے کہا "لوگو! یہ ہمارے مہمان ہیں، مجھے رسوا نہ کرو۔"

قوم کے سردار نے کہا "اے لوط! شاید تم بھول گئے کہ ہم نے تمہیں بہت پہلے منع کردیا تھا کہ تم کسی کو اپنے ہاں مت ٹھہرانا پھر تم نے ان تین اجنبیوں کو اپنا مہمان کیوں بنایا؟"

حضرت لوطؑ نے کہا "یہ نئے آدمی ہیں۔ دیکھو اگر تم بضد ہو تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، ان سے شادیاں کرکے ملتفت ہوسکتے ہو۔"

دونوں سرداروں نے کہا "اے لوط! تجھے معلوم ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اور تو یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟"

ان لوگوں نے گھر میں زبردستی گھسنے کی کوشش کی تو فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا "اے لوط! آپ پریشان نہ ہوں، یہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ جا کے ان سے پوچھیں کہ وہ اپنی زور زبردستی سے باز آتے ہیں یا نہیں۔"

حضرت لوطؑ نے باہر نکل کے دروازے کو بند کردیا اور کہا "لوگو! تم میرے مہمانوں سے دور رہو کیونکہ وہ اس وقت میری پناہ میں ہیں۔"

سرداروں نے حضرت لوطؑ سے کہا "آپ ہمارے درمیان سے ہٹ جاؤ" اور پھر اپنی قوم سے کہا "یہ شخص لوط ہمارے درمیان قیام کرنے آیا تھا اور اب حکومت جتاتا ہے، اب دیکھنا کہ ہم اس کے

ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

اس بعد وہ لوگ حضرت لوطؑ پر پل پڑے اور دروازے کو توڑ دینا چاہا لیکن مہمان فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو کھینچ کے گھر میں کرلیا اور دروازہ بند کرلیا۔

اس دوران میں گھر کے دروازے پر حملہ آور اندھے ہو چکے تھے وہ ٹٹول ٹٹول کر دروازہ تلاش کر رہے تھے۔

حضرت لوطؑ بہت خوف زدہ تھے۔

فرشتوں نے ان کو تسلی دی "اے لوط! نہ غم کیجئے اور نہ خوف کھائیے کیونکہ ہم آپ کے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ کسی طرح بھی آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

حضرت لوطؑ نے پوچھا "اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

فرشتوں نے کہا "اس گھر میں آپ کے ساتھ کون کون رہتا ہے؟ داماد، بیٹے، بیٹیاں جو بھی آپ کا یہاں ہو، ان سب کو یہاں سے نکال لے جائیں۔"

حضرت لوطؑ نے کہا "میرے دو بیٹے مواب اور عمون ہیں اور دو بیٹیاں ہیں۔"

فرشتوں نے کہا "اب آپ دیر نہ کریں اور فوراً یہاں سے نکل جائیں اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھیں۔"

حضرت لوطؑ نے پچھلے دروازے سے نکل کے بیرون شہر کا رخ کیا تو دیکھا کہ ان کی بیوی نے کچھ دور تک تو حضرت لوطؑ کا ساتھ دیا مگر پھر وہ پلٹ کر اپنے گھر پہنچ گئی۔

فرشتے بھاگنے میں حضرت لوطؑ کی مدد کر رہے تھے اور اس فرار میں مصیبت یہ تھی کہ پچھلے پلٹ کر دیکھ نہیں سکتے تھے۔

یہ لوگ بھاگ کے ایک پہاڑی پر پہنچ گئے اس نئی جگہ کا نام ضغر تھا۔

حضرت لوطؑ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

فرشتوں نے سدوم اور عمورہ کو الٹ پلٹ دیا اور آسمان سے آگ برسائی گئی اور گندھک گرائی گئی۔ بلندیاں پستی میں بدل گئیں اور بستی کے مکان نیست و نابود ہو گئے۔ ان پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگاتار برستے رہے۔

تحریف شدہ توریت میں ہے کہ لوگ کی بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی مگر قرآن مجید میں ہے کہ جو سب کا حال ہوا، وہی لوط کی بیوی کا بھی ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ نے سدوم او عمورہ کی تباہی و بربادی کا منظر کنعان سے مشاہدہ کیا تھا چنانچہ تحریف

شدہ توریت میں ہے "اور ابراہیم صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا اور اس نے سدوم اور عمورہ اور اس ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر ایسا دھواں اٹھ رہا تھا جیسے بھٹی کا دھواں۔"

حضرت لوطؑ کا ضغر میں پہنچنا تو مذکورہ ہے لیکن قوم کی تباہی کے بعد آپ کی زندگی کے حالات معلوم نہیں ہوئے کیونکہ اس کے بعد کا ذکر نہ قرآن میں ملتا ہے، نہ توریت میں لیکن ہلاک شدہ بستی کے آثار آج بھی موجود ہیں اور قرآن پاک میں کئی جگہ اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وہ مشہور تجارتی شاہراہ جو حجاز سے شام جاتی ہے، وہ عربوں کی عام گزرگاہ تھی اور سارے ہی عرب اس سے واقف تھے چنانچہ سورہ الحجر میں موجود ہے "اور وہ بستی اب تک سیدھے راستے پر موجود ہے۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔"

دوسری سورہ صافات میں ہے "اور تم دن کو ان بستیوں کے پاس سے گزرتے رہتے اور رات کو بھی کیا عقل نہیں رکھتے۔"

تیسری سورہ الزاریات میں ہے "جو لوگ عذاب الیم سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے وہاں نشانیاں چھوڑ دی گئیں۔"

یہ ضغر جس کا آخر میں ذکر نہیں آیا اس کی نسبت عرب جغرافیہ نویس اصطخری ابن حوقل لکھتے ہیں "ضغر بہت گرم بستی ہے جو صحرا کے بالکل قریب عام گرم علاقے میں واقع ہے لیکن اس میں بہت سی اچھی چیزیں ہیں، یہاں کے لوگ نیل کی کاشت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ رنگنے میں کابل کے نیل کے برابر نہیں ہوتے۔ شہر میں بہت کچھ تجارت ہوتی ہے اور اس کی منڈیوں میں بڑی آمدورفت رہتی ہے۔ ضغر میں تازہ کھجور کی ایک قسم الانقلا کہلاتی ہے جو حسن صوری اور شیرینی میں بے مثال ہے اس جیسی کھجور عراق یا کہیں اور نہیں ملے گی۔ اس کا رنگ زعفرانی اور قسم بہت عمدہ ہوتی ہے۔ چار کھجوریں مل کے ایک بالشت لمبی ہو جاتی ہے۔"

ضغر کی نسبت مقدسی نے دسویں صدی میں لکھا تھا "اس شہر کے ہمسائے دو ضلعے ہیں۔ وہاں کے لوگ ضغر کو سقر (دوزخ) لکھتے ہیں۔ یہاں بیت المقدس کا ایک باشندہ آکر رہا تھا، وہ ہمیشہ اپنے ہم وطن دوستوں کو اس طرح خط لکھا کرتا تھا "از سقر اسفل بخدمت اہل فردوس بریں۔"

اور حقیقت میں یہ علاقہ پردیسی کے حق میں بلائے جان ہے کیونکہ اس کا پانی نفرت کے قابل ہوتا ہے اور جسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پاس ملک الموت آنے میں دیر لگا رہا ہے تو وہ یہاں آجائے کیونکہ دنیائے اسلام میں اس سے بدتر آب و ہوا کا مقام میرے علم میں نہیں ہے۔ یہاں کے باشندوں کی جلد کالی اور موٹی ہے۔ پانی ایسا گرم کہ گولہ آتش سقر پر رکھا ہوا ہو لیکن دوسری طرف دیکھئے تو اس میں

تجارت کی گرم بازاری ایک حد تک ویسی ہے جیسی بصرہ میں۔ بیوپار میں بہت نفع ہوتا ہے۔ اس کی آبادی بحیرہ لوط کے کنارے واقع ہے اور دراصل بلاد لوط کی باقیات سے ہے۔ یہاں کے باشندے ان بد فعلیوں سے واقف نہ تھے جو قوم لوط کے دوسرے شہروں میں کی جاتی تھی اور اسی لیے تباہی سے بچ گئے۔ شہر کے قریب ہی پہاڑوں کا سلسلہ ہے، جو آبادی پر سایہ کیے ہوئے ہے۔

اب عباس سے روایت ہے کہ بموجب "جس وقت حضرت لوطؑ نے وطن سے ہجرت کی تو دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں، بڑی بیٹی ربہ کا انتقال ہوگیا تو اسے ایک چشمے کے قریب دفن کردیا گیا اور اس جگہ کو عین ربہ کہنے لگے۔ بعد میں وہاں قصبہ ربہ آباد ہوگیا۔ چھوٹی بیٹی کا نام ضغر تھا اور اس کے انتقال کے بعد جب اسے وہاں دفن کیا گیا تو بستی کا ضغر رکھ دیا گیا۔"

دیار قوم لوط کے بارے میں دسویں صدی میں ابن حوقل نے لکھا تھا "یہ جگہ مقلوب یا ملعون سرزمین کہلاتی ہے۔ اس میں نہ تو بیج بویا جاتا ہے اور نہ کسی قسم کی نباتات ہوتی ہے اور نہ یہاں دودھ والے مویشی پالے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک سیاہ میدان ہے جس پر ہر طرف پتھر بکھرے ہوئے ہیں اور یہ وہی پتھر ہیں جو قوم لوط پر برسائے گئے تھے۔"

○☆○

حضرت ابراہیمؑ کے دو صاحب زادوں میں سے ایک جو حضرت
اسماعیلؑ کی ولادت کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے اور انبیائے بنی اسرائیل کا
سلسلہ انہی کی اولاد میں قائم رہا۔ یہ اللہ کی بشارت تھے اور جب ان کے ماں
اور باپ دونوں مایوس ہوچکے تھے تو فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی
ولادت کی بشارت دی تھی۔ ان کی ولادت کے بعد ہی حضرت اسماعیلؑ اور ان
کی والدہ کو مکہ معظمہ پہنچادیا گیا۔ تاریخ کے وہ حالات جو عموماً لوگوں
کی نظروں سے نہیں گزرے اور وہ لاعلم ہیں، اس مضمون میں بیان کردیئے
ہیں۔ بہت کچھ چند صفحات میں۔ دلچسپ اور چونکا دینے والے واقعات ایک
جگہ۔ بہت سی کتابوں کا نچوڑ۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

(2060ق-م)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہ کی شادی کو ایک لمبا عرصہ گزر چکا تھا مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کا انہیں بے حد دکھ تھا۔ حضرت سارہ کو بانجھ قرار دے دیا گیا۔ دونوں اولاد کی طرف سے مایوس تھے لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں تھے۔

ایک بار جب حضرت ابراہیمؑ مصر تشریف لے گئے تھے تو وہاں کے بادشاہ نے آپ کو کچھ تحائف دیئے تھے۔ انہی میں حضرت ہاجرہ بھی تھیں۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ فرعون مصر کی صاحب زادی تھیں اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔

جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۵ سال کی ہوگئی اور حضرت سارہ کی عمر ۷۶ سال تو حضرت ابراہیمؑ کو شدید احساس ہوا کہ جب وہ نہیں ہوں گے تو ان کی چیزوں کا مالک کون ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ بہت زیادہ مویشیوں کے مالک تھے۔ انہوں نے دمشق کے غلام ایلعزر پر بڑی نوازشیں کر رکھی تھیں اور انہیں ایسا لگتا تھا جیسے ان کی املاک کا مالک ایلعزر دمشقی ہو جائے گا چنانچہ توریت کے مطابق انہوں نے اللہ سے دعا کی۔

ابراہام نے کہا "اے خداوند خدا! تو مجھ کو کیا دے گا۔ میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار ایلعزر ہے۔" پھر ابراہام نے کہا "تو نے مجھے فرزند نہیں دیا اور دیکھ میرا خانہ زاد (ایلعزر) میرا وارث ہوگا" تب خداوند کا کلام اس پر اترا اور اس نے کہا "یہ تیرا وارث نہیں ہوگا بلکہ جو تیری صلب سے پیدا ہوگا وہی تیرا وارث ہوگا۔"

حضرت سارہؓ نے یہ دیکھ کر ان کا گھر بچے کی آواز سے محروم ہے، اپنی کنیز حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کے حوالے کر دیا اور کہا "آپ اس سے شادی کر لیں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ سے شادی کر لی اور اللہ سے دعا مانگی "پروردگار مجھ کو نیک فرزند

عطا فرما۔"

حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ کے پاس گئے تو وہ پہلے ہی سال حاملہ ہوگئیں۔ حضرت سارہ کو اس کا علم ہوا تو انہیں حسد پیدا ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے غصے میں حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیے تھے تاکہ وہ بری لگیں مگر کانوں کے چھید جانے سے حضرت ہاجرہ زیادہ اچھی لگنے لگیں۔

حضرت سارہ کے غصے میں اور اضافہ ہوا۔ ان کا حضرت ہاجرہ سے سلوک اچھا نہیں تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ اس گھر کو ایک بیٹے کی ضرورت تھی۔

جیسے جیسے دن گزرتے گئے اور حضرت ہاجرہ سے اولاد سے پیدا ہونے کا زمانہ قریب آتا گیا اسی قدر حضرت سارہ کے سلوک میں حسد ظاہر ہوتا رہا۔

اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو خوش خبری "ہم نے اس کو ایک متحمل مزاج فرزند (کے تولد) کی بشارت دی" (صافات ۱۰۲)

اس دوران حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا "یہ چیز میرے لیے برداشت سے باہر ہے کہ ہاجرہ کو کوئی فرزند پیدا ہو اور مجھ کو نہ ہو۔"

اب حضرت سارہ کے لیے بڑی تکلیف دہ صورت پیدا ہوگئی تھی۔

بعض روایات میں ہے اور اس کا کتاب پیدائش باب ۹،۱۶ تا ۱۲ میں ذکر ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت ہاجرہ نے حضرت سارہ کے رشک سے تنگ آ کے گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور بالآخر انہوں نے گھر چھوڑ بھی دیا اور ایک چشمے تک جا کے رک گئیں۔ یہ چشمہ شور کی راہ میں واقع ہے۔ اس وقت ایک فرشتہ نازل ہوا اور حضرت ہاجرہ سے کہا۔

"ہاجرہ! اپنی بی بی کے پاس واپس جا اور خود کو اس کے قبضے میں کر دے اور خداوند کے فرشتے نے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب اس کا شمار نہ ہو سکے گا اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لیے کہ تیرا دکھ خدا نے سن لیا ہے۔ وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔"

حضرت ہاجرہ گھر واپس آ گئیں۔ ان کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ یہ دراصل عبرانی میں شماع ایل ہے۔ شماع کا مطلب سماع یعنی سننا اور ایل کا مطلب اللہ۔ دونوں کا مطلب خدا کا سننا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے نیک فرزند کی دعا کی تھی، وہ سن لی گئی۔ حضرت ہاجرہ نے فریاد کی تھی وہ بھی سن لی گئی تھی یعنی حضرت اسماعیلؑ باپ کی دعا اور ماں کی فریاد کے نتیجے میں پیدا ہوئے اور اسماعیل کہلائے۔

اب بچے سے محروم گھر کو ایک فرزند عطا ہوا تھا۔ بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ حضرت سارہ کا دل بھی لگ گیا اور حضرت ہاجرہ کو بھی سکون میسر آیا۔

لیکن حضرت اسماعیلؑ کلکلیاں مارتے تو حضرت سارہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھتی اور انہیں بڑی تکلیف پہنچتی۔ وہ حضرت ابراہیمؑ سے بڑے دکھ سے پوچھتی تھیں "کیا آپ کی املاک کا وارث اسماعیل ہوگا۔"

حضرت ابراہیمؑ اس سوال کا کیا جواب دیتے۔

شب و روز گزرتے رہے۔ حضرت اسماعیلؑ پرورش پاتے رہے۔ جب وہ تیرا سال کے ہو گئے تو حضرت ابراہیمؑ نے رسم ختنہ ادا کی۔

اس موقع پر بھی حضرت سارہ کو بہت اذیت پہنچی کیونکہ سب ہی خوشی منا رہے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ بھی خوش تھے اور حضرت ابراہیمؑ بھی۔

حضرت ہاجرہ جانتی تھیں کہ ان کے ساتھ گھر میں اچھا سلوک نہیں کیا جاتا مگر فرشتے نے یہ تاکید کر دی تھی کہ وہ اسی گھر میں رہیں اور ان کے فرزند کی نسل سے بہت بڑا سلسلہ قائم ہوگا۔

اب حضرت سارہ کی عمر ۹۰ سال اور حضرت ابراہیمؑ کی ۹۹ سال تھی۔ بظاہر اب حضرت سارہ سے اولاد پیدا ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا مگر اپنی اولاد کی خواہش حضرت سارہ کے نہاں خانہ دل میں اب بھی موجود تھی۔ وہ بظاہر اولاد کی خواہش کا اس لیے ذکر نہیں کرتی تھیں کہ انہیں اپنے بانجھ ہونے کا علم تھا لیکن خدا کی رحمت انہیں مایوس نہیں ہونے دیتی تھی۔

انہوں نے اپنے قبیلے میں عورتوں، مردوں اور بچوں کو انتہائی بشاش دیکھا تھا اور اکثر سوچتی رہتی تھیں کہ انہیں اللہ نے فرزند سے محروم کیوں رکھا۔ اسی دوران حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ اور سیدون، عمورہ اور صنفر میں لوگوں کی راہنمائی فرما رہے تھے اور وہ اپنی قوم کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کو بھتیجے کی فکر تھی اور اس کے ساتھ ہی سارہ کے بانجھ ہونے کی بھی فکر تھی۔ یہ دونوں دکھ حضرت ابراہیمؑ کو بہت تکلیف پہنچا رہے تھے۔

اسی دکھ کے عالم میں وہ اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ اچانک انہیں احساس ہوا کہ کوئی ان کے قریب موجود ہے۔ آنکھیں اٹھائیں تو دیکھا کہ تین مرد۔۔ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان کے پاس پہنچنے میں عجلت کی۔ تینوں کے قریب پہنچ کر جھکے اور کہا "اے میرے خداوند، اگر مجھ پر آپ نے کرم کی نظر کی ہے (یعنی آپ تینوں مہمانوں کی حیثیت سے میرے پاس آئے ہیں) تو اپنے خادم کو مہمان نوازی کا موقع دیں اور میرے ساتھ دسترخوان پر کچھ کھائیں پئیں۔

یونہی نہ چلے جائیں۔ میں آپ تینوں کے لیے پانی لاتا ہوں۔ اپنے پاؤں دھوئیں اور درخت کے نیچے آرام کریں۔ میں روٹی لاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح آپ تینوں تازہ دم ہو کے آگے جانے کے لائق ہو جائیں گے اور شاید میرے پاس اسی لیے آئے ہوں۔"

تینوں میں سے ایک نے کہا "اے ابراہیم! جو کچھ تو نے کہا وہ درست ہے اور جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے، ویسا ہی کر۔"

حضرت ابراہیمؑ نے ان تینوں کو ٹھہرایا اور خود ڈیرے میں حضرت سارہ کے پاس دوڑے ہوئے گئے۔ ان سے کہا "تین پیالے باریک آٹا لے اور اسے گوندھ کر پھلکے بنا۔ تین مہمان آگئے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ اپنے مویشیوں کے گلے کی طرف گئے اور اس میں سے ایک موٹا تازہ بچھڑا الگ کیا اور قبیلے کے ایک جوان سے کہا "تو اسے جلدی تیار کر۔"

جب روٹی کے پھلکے بھی تیار ہو گئے اور بھنا ہوا گوشت بھی تیار ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے مکھن اور دودھ لیا۔ پکے ہوئے بچھڑے کو پھلکے کے ساتھ رکھا اور تینوں مہمانوں کے سامنے یہ کھانا رکھ دیا اور خیمے کے قریب درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ مہمانوں نے کھانا کھایا اور پھر حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا "تیری بیوی سارہ کہاں ہے؟"

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا "وہ اپنے ڈیرے میں ہے۔"

حالانکہ ڈیرے کے پیچھے حضرت سارہ موجود تھیں اور وہ باتیں سن رہی تھیں۔ تینوں میں سے ایک نے کہا "میں موسم بہار میں دوبارہ تیرے پاس آؤں گا اور دیکھ تیری بیوی سارہ کے بیٹا پیدا ہوگا۔"

حضرت سارہ نے بھی یہ بات سن لی۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہ کو ضعیف العمری کا احساس تھا یعنی اس وقت حضرت ابراہیمؑ ۹۹ سال کے تھے اور حضرت سارہ ۹۰ سال کی۔ حضرت سارہ اپنے دل میں ہنس کر کہنے لگیں "کیا اس قدر عمر رسیدہ ہونے پر بھی میرے لیے شادمانی ہو سکتی ہے حالانکہ میرا خاوند بھی بہت ضعیف ہے۔ پتا نہیں یہ لوگ کیا بشارت دے رہے ہیں۔"

ان میں سے ایک نے کہا "ابراہیم، سارہ کیوں ہنس رہی ہے اور یہ کیوں سوچ رہی ہے کہ میں تو بڑھیا ہوں، کیا واقعی میرا بیٹا ہوگا اور کس طرح ہوگا۔ ابراہیم، تم اس سے کہو کہ کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ یہ سب سن رہے تھے اور خاموش تھے۔ اس شخص نے کہا "میں موسم بہار میں تیرے پاس آؤں گا اور پھر یہ کہتا ہوں کہ سارہ کو بیٹا ہوگا۔"

حضرت سارہ نے یہ ساری باتیں سنیں اور انکار کر گئیں کہ میں تو نہیں ہنسی۔

ان لوگوں نے کہا "نہیں تو ضرور ہنسی تھی۔"

اس واقعے کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اور بلاشبہ ہمارے ایلچی (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کے آئے۔ انہوں نے ابراہیم سے کہ تم پر سلامتی ہو اور ابراہیم نے جواب میں کہا تم پر بھی سلامتی ہو۔"

تھوڑی دیر بعد ابراہیم بچھڑے کا بھنا گوشت لائے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف (کھانے کی طرف) نہیں بڑھتے تو ان کو اجنبی محسوس کیا اور ان سے خوف کھایا۔

وہ کہنے لگے "خوف نہ کرو، ہم لوط کی قوم کی طرف عذاب کے لیے بھیجے گئے ہیں۔"

اور ابراہیم کی بیوی سارہ بھی کھڑی ہوئی ہنس رہی تھیں بس ہم نے اس کو اسحاق اور اس کے بعد (اس کے بیٹے) یعقوب کی بشارت دی۔

سارہ کہنے لگیں "کیا میں نگوڑی بڑھیا، جنوں گی اور جب کہ یہ ابراہیم میرا شوہر بھی بوڑھا ہے۔ واقعی یہ تو بہت عجیب بات ہے۔"

فرشتوں نے کہا "کیا تو خدا کے حکم پر تعجب کرتی ہے۔ اے اہل بیت! تم پر خدا کی رحمت اور برکت ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر طرح قابل حمد و بہت بزرگ ہے۔" (ع ۷ ہود)

اور دوسری جگہ سورہ الزاریات میں یہی واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے "پس ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا۔"

وہ (فرشتے) کہنے لگے خوف نہ کھا اور انہوں نے ابراہیم کو بشارت دی ایک سمجھ دار بیٹے کی۔

پس بی بی (سارہ) سخت بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے آئیں پھر انہوں نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگیں "میں بانجھ بڑھیا اور بچہ!"

فرشتوں نے کہا "تیرے پروردگار نے یہی کہا ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ وہ دانا اور حکمت والا ہے۔"

اور تیسری جگہ سورہ الحجر میں اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ ابراہیم نے کہا "بے شک مجھ کو تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

فرشتوں نے کہا "ہم سے نہ ڈرو۔ بلاشبہ ہم تجھ کو ایک سمجھ دار بیٹے کی بشارت دینے آئے ہیں۔"

ابراہیم نے کہا "کیا تم مجھ کو اس بڑھاپا آجانے پر بھی بشارت دیتے ہو۔ یہ کیسی بشارت دے رہے ہو؟"

فرشتوں نے کہا "ہم تجھ کو حق بات کی بشارت دے رہے ہیں پس تو ناامید ہونے والوں میں نہ ہو۔"

ابراہیم نے کہا "ہم اپنے پروردگار کی طرف سے ناامید نہیں ہوتے مگر گمراہ اس سے مایوس ہو جاتے ہیں۔"

چنانچہ حسب وعدہ الٰہی حضرت سارہ حاملہ ہوئیں۔

اس واقعے سے پہلے حضرت سارہ کو سری کہتے تھے لیکن فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو منع کیا اب اسے سری مت کہنا بلکہ اس کا نام سرہ ہے۔

اس کی پوری عبارت یوں ہے "اور خداوند نے ابراہام سے کہا کہ تیری جورو جسے تو سری کہتا ہے اس کو سری مت کہنا بلکہ اس کا نام سرہ ہے اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تب ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ وہ قوموں کی ماں ہوگی اور ملکوں کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔"

ابراہام منہ کے بل گرا اور ہنس کر دل میں کہا "کیا سو برس کے بوڑھے کو بیٹا پیدا ہوگا اور کیا سارہ جو نوے ۹۰ برس کی ہے، بیٹا جنے گی؟"

اور خدا نے ابراہیم سے کہا "بے شک تیری جورو سرہ تیرے لیے بیٹا جنے گی تو اس کا نام اسحاق رکھنا۔" (باب ۱۷ آیت ۱۵ تا ۱۹)

چنانچہ اگلے سال معینہ وقت پر ایک لڑکا پیدا ہوا اس لڑکے کا نام اسحاق رکھا گیا۔ یہ ۲۰۶۰ قبل مسیح کا واقعہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو ہدایت کی گئی تھی کہ نومولود کا نام اسحاق رکھنا یہ عبرانی لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ یضحک (ہنستا ہے) ہوتا ہے۔

اللہ نے جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہ کو بڑھاپے میں بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی تو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہ کو سن کر ہنسی آگئی تھی۔ اسی لیے ان کا نام اسحاق تجویز ہوا یا پھر اس لیے کہ بیٹے کی پیدائش سے دونوں کو مسرت اور شادمانی ہوئی تھی اس لیے ان کا نام اسحاق رکھا گیا تھا۔

حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے بعد حضرت سارہ کی حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ سے سابقہ نفرت عود آئی۔ انہوں نے پہلے تو رشک اور حسد کی وجہ سے حضرت ہاجرہ سے برا سلوک کیا تھا مگر اب انہیں ایک بیٹا مل گیا تھا اس لیے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ حضرت سارہ کے لیے بالکل ناقابل برداشت ہو گئے۔

حضرت اسماعیلؑ اپنے بھائی کی ولادت کے بعد بہت زیادہ خوش رہتے تھے اور اسی خوشی کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا رہتا تھا مثلاً کبھی وہ مسکراتے تھے اور کبھی وہ قہقہے لگاتے تھے جو حضرت سارہ کو برے لگتے تھے۔ اب انہیں یہ ڈر بھی پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی جائیداد کے وارث نہ ہو جائیں اس لیے اب وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو اپنے ساتھ رکھنے کی روادار

نہ تھیں۔

حضرت اسحاقؑ کی پرورش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ان کا زمانہ رضاعت ختم ہوا اور دودھ چھڑانے کی خوشی میں اپنے قبیلے والوں کی دعوت کی۔

اس واقعے کو توریت کی کتاب پیدائش (باب ۲۱، ۸ تا ۱۳) میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اور اسحاق کا دودھ چھڑانے کے دن ابراہام نے بڑی ضیافت کی اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہام سے پیدا ہوا تھا' ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابراہام سے کہا۔ اس لونڈی کے اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا ابراہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بری معلوم ہوئی۔ پر خدا نے ابراہام سے کہا کہ مجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کی باعث برا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس بات مان لے کیونکہ اسحاق سے تیری نسل کا نام چلے اور اور لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا اس لیے کہ وہ تیری نسل سے ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو ساتھ لیا اور حجاز روانہ ہوگئے۔ ان دونوں کو حجاز میں فاران کے بیابان میں پہنچا دیا۔ اس جگہ کو قرآن میں واد غیرذی زرع یعنی بن رکھیتی کی زمین کہا ہے کیونکہ یہاں اس تھے کھیتی باڑی نہیں ہوتی تھی اور یہی وہ مقام ہے جہاں اب مکہ معظمہ آباد ہے۔

حضرت اسحاق جوان ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ اس وقت تھے نہایت ضعیف اور عمر رسیدہ ہوچکے۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ وہ چاہتے تھے کہ حضرت اسحاقؑ کی شادی کسی کنعانی لڑکی سے نہ ہو بلکہ خاندان کی کسی مناسب لڑکی سے رشتہ ہوجائے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے خانہ زاد اور معتمد ایلعزر کو بلایا اور اس سے کہا "تو اسحاق کے لیے کوئی مناسب لڑکی تلاش کر مگر یہ لڑکی کنعانی نہ ہو' اپنے خاندان کی ہونی چاہیے۔"

ایلعزر دمشقی نے کہا "تو اس کام کے لیے مجھے فدان آرام جانا پڑے گا کیونکہ خاندان کی لڑکی تو وہیں ملے گی۔"

حضرتؑ ابراہیمؑ نے ایلعزر دمشقی کا ہاتھ اپنی ران کے نیچے رکھا اور کہا "تو وعدہ کر کہ میرا یہ کام نہایت ایمانداری اور دیانت داری سے انجام دے گا۔"

اس زمانے میں پکے عہد و پیمان کے لیے یہی طریقہ رائج تھا۔

ایلعزر دمشقی کو دس اونٹ' کچھ ملازم اور تحفے تحائف دیے گئے اور حضرت ابراہیمؑ نے اس سے کہا "جب تو فدان آرام پہنچے گا تو وہاں لوگوں سے تارح کے خاندان کی معلومات حاصل کرے گا۔ تارح میرے والد تھے اور میرے دو بھائی نحور او حاران اب بھی وہیں آباد ہیں۔ لڑکی انہیں میں سے کسی کی

ہونی چاہیے۔"

ایلعزر دمشقی فدان آرام کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب وہ مذکورہ سرزمین میں پہنچا تو اس نے ایک کنوئیں پر بڑی بھیڑ بھاڑ دیکھی۔ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ مویشیوں کو پانی پلانے والوں میں وہاں کی لڑکیاں بھی شامل تھیں۔

یہ بھی کنوئیں کے پاس ٹھہر گیا اور اپنے اونٹوں کو زمین پر بٹھا دیا۔

ایلعزر دمشقی اور اس کے ساتھی بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے لڑکیوں نے ان مسافروں کو دیکھا اور اپنے مویشیوں کو پانی پلاتی رہیں۔

ایلعزر نے ایک شخص سے پوچھا "مجھے نحور اور حاران کی اولاد سے ملنا ہے۔ کیا تم ان کے ٹھکانوں کی نشاندہی کرو گے؟"

اس نے ان لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان میں کئی لڑکیاں نحور اور حاران کی نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔"

اب ایلعزر نے شگون لینے کا ارادہ کیا اور اس نے دل میں طے کیا کہ میں جس لڑکی سے پانی مانگوں گا وہ خوشی سے مجھے پانی پلا دے گی اور میرے اونٹوں کو بھی تو میں سمجھوں گا کہ خدا نے اسی لڑکی کو اسحاق کے لیے پیدا کیا ہے۔

ایلعزر خاموشی سے بیٹھا مویشیوں کو پانی پانے کا منظر دیکھ رہا تھا کہ ایک لڑکی کنوئیں کے پاس سے چل کر ایلعزر کے پاس گئی اور پوچھا "پیاسے ہو' پانی پیو گے؟"

ایلعزر نے جواب دیا "ہاں بہت پیاسا ہوں۔"

لڑکی نے اس کو پانی پلایا۔ لڑکی نے کہا "اپنے اونٹوں کو بھی پانی پلا دے' یہ بھی پیاسے ہیں۔"

اس نے اونٹوں کو بھی پانی پلایا۔

ایلعزر نے لڑکی سے پوچھا "تیرا نام کیا ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا "ربقہ۔"

ایلعزر نے پوچھا "تیرے باپ کا کیا نام ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا "میں بیتوایل کی بیٹی ہوں اور نحور میرا دادا تھا اور تارح میرے باپ دادا۔"

ایلعزر کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ لڑکی سے کہا "تو مجھ کو اپنے باپ دادا سے ملوا' میں تجھ کو لینے آیا ہوں۔"

لڑکی بہت گھبرائی' گھر گئی اور گھر والوں سے کہا "ایک مسافر کنوئیں کے پاس ٹھہرا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ میں تجھ کو لینے آیا ہوں۔"

ربقہ کے باپ بیتوایل نے اپنے بیٹے لابان کو حکم دیا "جا' مسافر سے مل اور اس سے پوچھ کہ وہ کیا چاہتا ہے؟"

لابان کنوئیں کے پاس پہنچا' دیکھا کچھ لوگ دس اونٹوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ لابان نے آگے بڑھ کر پوچھا "تم میں وہ کون شخص ہے جو میری بہن کو لینے آیا ہے؟"

ایلعزر نے جواب دیا "تیرے دادا کے بھائی ابراہیم نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ اپنے بیٹے اسحاق کی شادی تیرے خاندان میں کرنا چاہتے ہیں۔"

لابان نے کہا "تم لوگ تو ہمارے مہمان ہو' ہمارے ساتھ گھر چلو۔ تمہیں جو بات بھی کرنی ہے وہ میرے باپ سے کرنا۔"

لابان ان سب کو اپنے گھر لے گیا اور ایلعزر کا تعارف کروا دیا۔

ایلعزر نے بیتوایل کی خدمت میں حضرت ابراہیمؑ کے بھیجے ہوئے تحائف پیش کیے اور ان کی ثروت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ کنعان میں حضرت ابراہیمؑ کا حیثیت میں جواب نہیں۔ وہ بہت سے مویشیوں کے مالک ہیں۔ بہت سے نوکر ہیں۔ چاہیں تو کنعان میں اپنی بیٹے کی شادی کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنے خاندان کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے اسحاق کی شادی آپ کی بیٹی سے کرنا چاہتے ہیں۔"

اس کے بعد ایلعزر نے اپنے شگن کا ذکر کیا اور کہا "ربقہ' اسحاق کے لیے مناسب رہے گی۔"

بیتوایل نے اس رشتے کو قبول کیا تو ایلعزر نے اپنے سامان میں سے سونے کی نتھ اور کپڑے نکال کے لابان کے دیے اور کہا "اسحاق کی طرف سے یہ دونوں چیزیں ربقہ کو پہنچا دیں۔"

بیتوایل نے لابان سے کہا "تو اپنی ربقہ کو یہ ساری باتیں بتا دے اور اس سے پوچھ کہ اس کو یہ رشتہ قبول ہے یا نہیں۔"

ربقہ نے ہامی بھر لی۔ ہامی کے بعد نتھ اور کپڑے پہنا دیے گئے۔

اب ربقہ کو ایلعزر کے ہمراہ روانہ کر دینا تھا۔ ایلعزر نے بتایا "میرے آقا ابراہیم نے میرا ہاتھ اپنی ران کے نیچے رکھ کر عہد لیا تھا کہ میں ان کی یہ خدمت دیانت داری سے انجام دوں گا۔"

بیتوایل اور لاربان نے ایلعزر پر بھروسا کیا اور ربقہ کو اس کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ جس راستے سے یہاں آئے تھے اسی راستے سے کنعان واپس چلے گئے۔

حضرت اسحاق اسی راستے میں مویشیوں کا ریوڑ چراتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس روز بھی حضرت اسحاق کو ایلعزر کا انتظار تھا اور ابھی تک یہ بات واضح نہیں تھی کہ ایلعزر کامیاب واپس آتا ہی یا ناکام۔

دوپہر کے بعد جب کہ دھوپ کی تمازت کم واقع ہو گئی تھی اور سورج مغربی افق کی طرف نیچے اتر رہا تھا۔ انہوں نے شمال سے ایک قافلے کو آتے ہوئے دیکھا۔

وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جب ایلعزر فدان آرام گیا تھا تو اس کے ساتھ دس اونٹ اور چند آدمی تھے اب جو یہ قافلہ سامنے آیا تو اس میں دس سے زیادہ اونٹ تھے اور آدمی بھی زیادہ تھے۔ ایک اونٹ پر کجادہ کسا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ قافلے میں کوئی عورت بھی ہے۔

پھر اچانک سامنے سے ایلعزر آتا دکھائی دیا۔ حضرت اسحاقؑ کھڑے ہو گئے' پوچھا "کیا خبر لائے؟"

ایلعزر نے جواب دیا "آپ نے اونٹ پر عماری تو دیکھ ہی لی' اس میں آپ کی دلہن موجود ہے۔"

حضرت اسحاق نے مویشیوں کو ڈیرے کی طرف ہانکا اور پھر جب یہ سب ڈیرے پر پہنچے تو بڑی خوشیاں منائی گئیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بھائی نحور کی پوتی ربقہ کو دیکھا تو انہیں بڑی خوشی ہوئی۔ حضرت سارہ کو بھی اپنی بہو بہت اچھی لگی اور حضرت اسحاقؑ کی شادی ربقہ سے کر دی گئی۔

اس وقت حضرت اسحاق کی عمر چالیس سال اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو چالیس سال تھی۔ شادی کو کئی سال گزر گئے مگر کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی۔

ربقہ کو بانجھ قرار دیا گیا لیکن حضرت اسحاق مایوس نہیں تھے۔ وہ اولاد کے لیے دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ آخر ان کی دعا قبول ہوئی اور شادی کے بیس سال بعد ربقہ حاملہ ہو گئیں۔ معینہ مدت کے بعد ربقہ کے بطن سے دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے جو لڑکا پہلے پیدا ہوا تھا اس کا رنگ سرخ تھا اور بدن پر بڑے بڑے بال تھا۔ اس بچے کا نام عیسو ادوم رکھا گیا۔

بعد میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے بھائی کی ایڑی' ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا اور چونکہ یہ اپنے بھائی کے پیچھے' عقب میں پیدا ہوا تھا اس لیے اس کا نام یعقوب رکھا گیا۔

یہ دونوں بھائی بڑے ہوئے تو بڑے بھائی عیسو ادوم نے جنگل میں شکار کھیلنا شروع کر دیا اور حضرت یعقوبؑ نے مویشیوں کو سنبھالا اور چوپانی کا پیشہ اختیار کیا۔

کنعان میں کبھی کبھی شدید قحط پڑ جایا کرتا تھا چنانچہ حضرت اسحاقؑ کو بھی قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت اسحاقؑ نے بھی اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی طرح مصر ہجرت کر جانے کا ارادہ کیا مگر اللہ نے ان کو منع کیا کہ وہ مصر نہ جائیں "مصر کو نہ جا' بلکہ جو ملک میں تجھے بتاؤں اس طرف جا کے رہ۔ تو اسی ملک میں قیام رکھ اور میں تیرے ساتھ رہوں گا۔ تجھے برکت بخشوں گا کیونکہ میں تجھے اور تیری نسل کو یہ سب ملک دوں گا اور میں اس قسم کو جو میں نے تیرے باپ ابراہام سے کھائی ہے' پورا کروں گا۔" (کتاب پیدائش باب۲۶۔ ۲'۳)

حضرت اسحاقؑ نے مصر جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور غیبی اشاری کے مطابق فلسطینیوں کے ملک

جرار کو ہجرت کی۔ یہ علاقہ قدیم فینقیہ، موجودہ لبنان کے جنوب میں بحیرہ روم کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کے حکمران کا نام ابی ملک تھا۔ یہ بادشاہ حضرت ابراہیمؑ کا بھی دوست تھا۔ اس نے حضرت اسحاقؑ کو یہاں رہنے کی اجازت دی اور یہ اپنے کنبے کے ساتھ یہاں رہنے لگے۔

گلہ بانی تو ان کا آبائی پیشہ تھا۔ یہاں آ کے زراعت بھی شروع کر دی۔

اللہ نے ان کے کاموں میں بڑی برکت دی اور ان کی دولت میں دن دونی رات چوگنی اضافہ ہونے لگا۔ یہاں کے مقامی لوگ حضرت اسحاقؑ کی زراعت اور مویشیوں میں غیر معمولی برکت دیکھ کر حسد کا شکار ہو گئے۔ ان کے نوکر چاکر بھی بہت زیادہ ہو گئے تھے۔

اب مقامی لوگ آپس میں کہتے تھے کہ اس پردیسی نے تو بڑی ترقی کی اور اس نے ہم سب کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ کئی شریر لوگوں نے مشورہ دیا "کچھ ایسا کیا جائے کہ ہمیں اس کو بھگانا نہ پڑے اور یہ خود ہی یہاں سے چلا جائے۔"

یہ لوگ وہ اسباب اور ذرائع تلاش کر رہے تھے جن کی وجہ سے حضرت اسحاقؑ نے یہاں آ کے غیر معمولی ترقی کی تھی۔

کسی زمانے میں حضرت ابراہیمؑ بھی یہیں آ کے رہے تھے اور یہاں انہوں نے بہت سے کنوئیں کھوائے تھے۔ ان میں سے چند نام توریت میں مذکور ہیں۔ بیر عسق، بیسر ستنہ، بیرر جوبوت اور بیر سباع۔ بیر سباع پر آپ نے ایک عبادت گاہ بھی تعمیر کی تھی۔

مقامی لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے کھدوائے ہوئے کنوئیں زراعت میں حضرت اسحاقؑ کی مدد کر رہے ہیں۔ ان سب نے آپس میں کہا "آبپاشی کے لیے اسحاق انہی کنوؤں کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے اگر انہیں پاٹ دیا جائے تو اسحاق کی کھیتیاں خشک ہو جائیں گی اور یہ ترقی نہیں کر سکیں گے۔"

چنانچہ ان سب نے ان کنوؤں کو راتوں رات پاٹ دیا۔

صبح آپ نے کنوؤں کو جب بند دیکھا تو اللہ سے مدد چاہی۔ اللہ نے باران رحمت سے ان کی مدد کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "جن کنوؤں کو پاٹ دیا گیا ہے، انہیں دوبارہ کھودا جائے۔"

آپ کے نوکر چاکر کنوئیں دوبارہ کھودنے لگے اور جب کنوئیں کھد گئے تو بیر سباع پر بدستور ایک عبادت گاہ تعمیر کی۔

یہاں کے مقامی لوگ حضرت اسحاقؑ سے جھگڑا کر سکتے تھے مگر ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنے بادشاہ ابی ملک کو حضرت اسحاقؑ کا حلیف سمجھتے تھے۔

مقامی لوگوں نے ان سے کہا "اب آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ آپ ہماری معیشت میں زبردستی شریک ہو گئے ہیں اور ہم اب یہ آپ کی زیادتی نہیں برداشت کریں گے۔"

حضرت اسحاقؑ نے جواب دیا "میں تمہارے بادشاہ کا حلیف ہوں اور میں نے اس کی اجازت اور مرضی سے یہاں کی سکونت اختیار کی ہے اس لیے جب تک تمہارا بادشاہ ہمارے یہاں قیام پر اعتراض نہیں کرے گا ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

مقامی لوگوں نے بادشاہ کے محل کا رخ کیا اور اس سے رو رو کے دہائی کی کہ حضرت اسحاقؑ سے نجات دلائی جائے۔

بادشاہ نے اپنی رعایا سے پوچھا "آخر اسحاق نے تمہارے ساتھ کیا زیادتی کی ہے جو تم ان کی مخالفت کر رہے ہو؟"

لوگوں نے کہا "بادشاہ سلامت خود غور کریں اور دیکھیں کہ اسحاق جب یہاں آئے تھے تو ان کی حالت کیا تھی اور اب وہ کتنی ترقی کر چکے ہیں۔ ہم لوگ پریشان حال ہیں اور وہ آسودہ حال کیا اس طرح اسحاق ہمارا حق نہیں مار رہے ہیں۔"

بادشاہ نے کہا "یہ تمہارا وطن ہے، تمہاری زمین ہے، تمہیں کام کرنے کے زیادہ مواقع حاصل ہیں۔ تم بھی اسحاق کی طرح کام کرو اور مالدار ہو جاؤ۔ اگر ہم اسحاق کو یہاں سے چلے جانے پر مجبور کر دیں تو کیا اس کے بعد تم ترقی کر جاؤ گے؟ اسحاق نے یہاں کھیتی باڑی کی، اناج اگایا اور وہ اناج تمہارے کام آیا۔ اب اگر ہم اسحاق کو یہاں سے نکال دیں گے تو اس کا نقصان کسے ہو گا؟ اسحاق تو جہاں جائیں گے ترقی کریں گے مگر تم ان کی عدم موجودگی میں خسارے سے دوچار ہو جاؤ گے۔"

لیکن مقامی لوگ برابر یہی اصرار کرتے رہے کہ حضرت اسحاقؑ کو یہاں سے نکال دیا جائے۔

خود بادشاہ کو بھی اچانک یہ احساس ہوا کہ اگر انہیں یہاں رہنے دیا گیا اور یہ اسی طرح ترقی کرتے رہے تو ایک ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ وہ بادشاہ کے خلاف ہو جائیں تو بادشاہ کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

بادشاہ نے اپنے سپہ سالار فیکل کو طلب کیا اور کہا "کل تجھے اسحاق کے پاس چلنا ہے، ان سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

اور اپنی رعایا سے کہا "تم لوگ اپنے اپنے گھر جاؤ۔ تم جو چاہتے ہو ویسا ہی ہو جائے گا۔"

لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور دوسرے دن بادشاہ اپنے سپہ سالار فیکل کے ساتھ حضرت اسحاقؑ سے ملنے چلا گیا۔

حضرت اسحاقؑ کے خیمے بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ بادشاہ کی سواری دیکھ کر ان کے گرد جمع

ہو گئے۔

حضرت اسحاقؑ نے بادشاہ کی اپنے خیمے ضیافت کی اور پوچھا "بادشاہ کی یہاں آمد کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

بادشاہ نے اپنے سپہ سالار فیکل سے کہا "تو میرے آنے کا مقصد بتا دے۔"

فیکل نے کہا "اے اسحاق! تمہارے باپ بھی یہاں رہ چکے ہیں اور ہمارے بادشاہ نے ہمیشہ اپنی دوستی کا خیال رکھا اور آج اس دوستی کو اس طرح نبھایا گیا کہ تم کو بھی یہاں رہنے کی اجازت دی گئی۔ تم نے خوب ترقی کی اور مقامی لوگوں نے تم سے حسد شروع کیا۔ اب ان کا حسد عروج کو پہنچ چکا ہے اور ان لوگوں نے بادشاہ سے درخواست کی ہے کہ تمہیں یہاں سے رخصت کیا جائے۔ بادشاہ اپنی رعایا کو اس لیے ناراض نہیں کر سکتا کہ وہ ان پر نسلوں سے حکومت کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ تم پتا نہیں کب تک یہاں رہو گے اور آخر کنعان واپس چلے جاؤ گے۔ اس لیے بادشاہ کی خواہش ہے کہ اب تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔"

حضرت اسحاقؑ نے بادشاہ ابی ملک کی طرف دیکھا اور کہا "یہ بات تو تمہارا بادشاہ بھی مجھ سے کر سکتا تھا پھر اس نے تجھے مجھ سے بات کرنے کو کیوں کہا؟"

سپہ سالار فیکل نے کہا "بادشاہ کا تم سے دوستی کا معاہدہ ہے اس لیے بادشاہ کو ایسی بات کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔"

حضرت اسحاقؑ نے کہا "یہ بات نہیں بلکہ تجھے بات کرنے کے لیے میرے پاس اس لیے بھیجا گیا کہ اگر میں یہ بات نہ مانوں تو مجھے یہ احساس دلایا جائے کہ بادشاہ بات نہ ماننے والے کے خلاف فوجی کارروائی بھی ہو سکتی ہے۔ اپنے بادشاہ سے کہہ دے کہ میں اپنے دوست سے دغا نہیں کروں گا اور اگر اس کو میرا یہاں رہنا پسند نہیں ہے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

بادشاہ نے کہا "اے اسحاق! میں تیرے خلاف فوجی کارروائی اس لیے نہیں کروں گا کہ تو صالح انسان ہے۔"

حضرت اسحاقؑ نے کہا "تب پھر مجھے یہاں سے بہ امن و امان جانے کی ضمانت دی جائے۔"

اس کے بعد بادشاہ نے حضرت اسحاقؑ کو لکھ کر ایک ضمانت نامہ دیا اور دونوں میں صلح اور امن کا معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے میں حضرت اسحاقؑ نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ بادشاہ ابی ملک کے اس رویے کے خلاف کبھی جنگ نہیں کریں گے۔"

حضرت اسحاقؑ کنعان واپس چلے گئے اور وہاں بھی دن رات ترقی کرتے رہے۔

ان کی زندگی ہی میں حضرت یعقوبؑ کو ان کا وارث قرار دیا گیا اور باپ کی ذمے داری حضرت

یعقوبؑ نے سنبھال لی۔

بڑے بیٹے عیسو اودوم اپنے چچا حضرت اسماعیلؑ کے پاس چلے گئے اور ان کی بیٹی سے شادی کر لی۔

حضرت یعقوبؑ کی شادیاں ان کے ماموں لابان کی دو بیٹیوں سے ہوئیں جن سے چودہ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔

بڑھاپے میں حضرت اسحاقؑ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ انہوں نے ایک سو اسی سال عمر پائی اور وفات کے بعد اپنے والد کے پاس اور وہاں حضرت سارہ کے قریب اربع (حبرون) میں دفن ہوئے۔

○☆○

بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ کے نبوت پانے کی روداد، اُن کے والد نبوت اپنے بڑے بیٹے عیسو ادوم کو دینے کے حق میں تھے مگر دونوں بیٹوں کی ماں حضرت یعقوبؑ سے بہت محبت کرتی تھیں اور انہی کو نبوت دلوانے کے حق میں تھیں۔ نبوت کے لئے حضرت اسحٰقؑ کو دعا کرنا تھی۔ اُن کی بینائی جاتی رہی تھی۔ ماں نے حضرت یعقوبؑ کے حق میں کس طرح یہ دُعا حاصل کی اور جب دُعا کے نتیجے میں حضرت یعقوبؑ کو نبوت مل گئی تو دونوں بھائیوں میں خلیج پیدا ہوگئی۔ یہ اُس روداد کی تفصیل ہے۔ وہ واقعات جن کا عام لوگوں کو علم نہیں۔

مضمون کے ماخذ

حضرت یعقوب علیہ السلام

(2000ق۔م)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی چالیس برس کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے بیتوایل بن نحور کی بیٹی جناب ربقہ سے ہوگئی تھی۔ قرآن پاک میں حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر مختصر ملتا ہے۔ اس لیے اگر ہم حضرت یعقوبؑ کے بارے میں تفصیل سے کچھ لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکتے۔ قرآن پاک میں حضرت یعقوبؑ کا نام دس جگہ آیا ہے اور وہ بھی اوصاف اور ضمائر کی شکل میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے مگر نام کے ساتھ دو جگہ ان کا ذکر ہوا ہے۔ اس لیے ہمیں ان کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے لیے کتاب پیدائش کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔

قرآن پاک میں ان کا ذکر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

مثلاً ”اور ہم نے ان کو (حضرت ابراہیمؑ کو) اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور سب کو نیکو کار کیا۔“ (الانبیاء۔۲۷)

جب کہ توریت کی کتابِ پیدائش میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں زیادہ تفصیلی حالات موجود ہیں۔

حضرت اسحاقؑ شادی کے بیس سال بعد تک اولاد سے محروم رہے اور معلوم یہ ہوا کہ ان کی بیوی جناب ربقہ بانجھ ہیں۔ حضرت اسحاقؑ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں تھے اور وہ اولاد کے لیے دعائیں مانگتے رہتے تھے اور پھر انہیں اچانک یہ معلوم ہوا کہ ربقہ حاملہ ہیں تو حضرت اسحاقؑ نے پیش گوئی کی ”اے ربقہ، دو قومیں تیرے پیٹ میں ہیں اور دو قبیلے تیرے بطن سے نکلتے ہی الگ الگ ہو جائیں گے اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے زور آور ہوگا اور بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا۔“

جناب ربقہ سے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ پہلے پیدا ہونے والے بچے کا نام عیسو ادوم اور بعد میں پیدا ہونے والے بچے کا نام یعقوب رکھا گیا۔

کہتے ہیں کہ پیدائش کے وقت حضرت یعقوبؑ اپنے بھائی عیسو ادوم کی ایڑی پکڑے ہوئے تھے اور وہ چونکہ پیدائش کے وقت اپنے بھائی کے عقب میں تھے۔ یعنی بعد میں پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کا نام یعقوب رکھا گیا۔

عیسو ادوم کا رنگ سرخ تھا اور بدن پر بال تھے۔ عیسو ادوم باپ کے چہیتے ہو گئے اور حضرت یعقوبؑ اپنی ماں کے بہت عزیز تھے۔

دونوں کی پرورش ہوتی رہی۔ بڑے بھائی عیسو ادوم کو شکار سے بڑی دلچسپی تھی اور ان کا زیادہ وقت جنگل میں گزرتا تھا۔ شکار سے جو کچھ ملتا تھا اسے حضرت اسحاقؑ کے دسترخوان پر پیش کیا جاتا۔ بعد میں دوسرے بھی اس میں شریک ہو جاتے تھے۔

حضرت یعقوبؑ کو شکار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مزاج میں سادگی تھی۔ دادا حضرت ابراہیمؑ کے وقتوں سے چوپانی کا پیشہ نسلاً چلا آ رہا تھا۔ مویشیوں کے ریوڑ گھر کی ملکیت تھے۔ حضرت یعقوبؑ ان مویشیوں کو چرایا کرتے تھے اور ان کا زیادہ وقت ڈیرے ہی میں گزرتا تھا۔

ایک دن عیسو ادوم شکار کھیلنے جنگل گئے مگر کوئی شکار نہ ملا اور بھوکے پیاسے نہایت خستہ و ماندہ گھر پہنچے۔ اس وقت حضرت یعقوبؑ نے مسور کی دال اور لپسی پکائی تھی۔

عیسو نے حضرت یعقوبؑ سے کہا "اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں' شکار بھی ہاتھ نہیں آیا' تو اپنے کھانے مسور اور لپسی میں سے کچھ مجھے بھی دے دے۔"

حضرت یعقوبؑ نے جواب دیا "بھائی عیسو! فلسطینیوں کا یہ دستور ہے کہ میراث بڑے لڑکے کو ملتی ہے اس لیے باپ کا وارث تو ہو گا۔ اگر تو اس حق سے دستبردار ہو جائے تو میں تجھ کو کھانا کھلاؤں گا۔"

عیسو نے کہا "مجھے اس میراث کی کوئی پروا نہیں' تم ہی وارث ہو جانا۔"

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بڑے بھائی عیسو کو کھانا کھلا دیا۔

جب یہ دونوں بیٹے جوان ہوئے تو حضرت اسحاقؑ کی بینائی جاتی رہی۔ اب وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے بڑے بیٹے عیسو ادوم کے حق میں دعائے نبوت اور خیر و برکت کریں جب کہ جناب ربقہ اپنے چھوٹے بیٹے حضرت یعقوبؑ کے حق میں تھیں لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ وہ اپنے پیغمبر شوہر سے دعائے نبوت حضرت یعقوبؑ کے حق میں کس طرح کروائیں۔

عیسو ادوم شکار کی نیت سے تیار کھڑے تھے اور بس باپ کی اجازت مطلوب تھی۔ حضرت اسحاقؑ نے عیسو کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہے تھے "باپ! میں شکار کے لیے جنگل جا رہا ہوں۔ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔"

حضرت اسحاقؑ نے عیسو سے کہا "تو شکار کے لیے جنگل جا اور میرے لیے شکار کر لا اور پھر میری

حسبِ پسند لذیذ غذا تیار کروا۔ میں اسے کھانے کے بعد' اپنے مرنے سے پہلے تیرے حق میں وہ دعا کروں گا جس کی تجھے حاجت اور ضرورت ہے یعنی دعائے نبوت' خیر و برکت اور وراثت۔"

جناب ربقہ ان دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔ وہ دور سے عیسو ادوم کو شکار کے لیے جنگل کی طرف جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ جب عیسو ادوم نظروں سے اوجھل ہو گئے تو انہوں نے حضرت یعقوبؑ کو آواز دی "بیٹے یعقوب! ادھر آ۔ جس دن کا مجھے برسوں سے انتظار تھا' وہ آ چکا ہے۔"

حضرت یعقوبؑ ماں کے پاس آ گئے اور پوچھا "ماں! میں آ گیا۔ یہ بتائیں' کس دن کا آپ کو انتظار تھا جو وہ آج اچانک آ گیا؟"

ماں نے حضرت یعقوبؑ کو اس گفتگو سے آگاہ کیا جو کچھ دیر پہلے حضرت اسحاقؑ اور عیسو ادوم میں ہوئی تھی۔

حضرت یعقوبؑ نے کہا "ماں یہ دعائے نبوت اور خیر و برکت تو بھائی عیسو باپ سے حاصل کریں گے۔ اس کا میری ذات سے کیا تعلق؟"

ماں نے کہا "اس دعا کا تعلق تیری ذات سے ہو یا نہ ہو لیکن میں ایک ایسی ترکیب کروں گی کہ اپنے باپ سے یہ دعا تو حاصل کرے گا۔"

حضرت یعقوبؑ اپنی ماں کی شکل دیکھ رہے تھے۔ ماں نے انہیں حکم دیا "کھڑا کھڑا میری شکل کیا دیکھ رہا ہے۔ اپنے ریوڑ میں جا اور بکری کے دو صحت مند بچے لے آ تاکہ میں ان سے لذیذ کھانا تیار کرواؤں اور وہ دعا میں تیرے حق میں حاصل کروں۔"

حضرت یعقوبؑ نے کہا "ماں! باپ جو دعا بھائی عیسو کو دینا چاہتے ہیں وہ مجھے کیوں دیں گے؟"

ماں نے کہا "تیرے باپ کی بینائی کام نہیں کر رہی ہے۔ میں لذیذ کھانا تیار کروں گی۔ تو یہ کھانا باپ کو کھلائے گا اور خود کو عیسو ظاہر کرے گا پھر وہ تیرے حق میں دعا کر دے گا۔"

حضرت یعقوبؑ نے کہا "دیکھ ماں! میرے بھائی عیسو کے جسم پر بال اور میرا جسم صاف ہے۔ شاید میرا باپ مجھے ٹٹولے۔ تب میں اس کی نظر میں دغاباز ٹھہروں گا اور برکت نہیں لعنت کماؤں گا۔"

جناب ربقہ نے حضرت یعقوبؑ کو تسلی دی اور ہمت بندھائی "تو فکر نہ کر اور خاموش رہ۔ یہ کام کس طرح ہو گا' میں جانتی ہوں۔"

انہوں نے لذیذ کھانا تیار کیا اور عیسو ادوم کا ایک نفیس لباس نکال کر حضرت یعقوبؑ کو پہنایا' ان کی گردن اور ہاتھوں پر بکرے کی کھال لپیٹ دی تاکہ اگر حضرت اسحاقؑ انہیں ٹٹولیں تو بیٹے کے جسم پر بال محسوس ہو جائیں۔

اس تیاری کے بعد حضرت یعقوبؑ کو کھانا دیا اور کہا "جا اپنے باپ کو کھانا کھلا اور خود کو عیسو ظاہر

کر۔"

حضرت یعقوبؑ نے باپ کو کھانا کھلایا اور ان کے سامنے ادب سے کھڑے رہے۔ اس وقت ان کی یہی کوشش تھی کہ ان کو حضرت اسحاقؑ عیسو ادوم سمجھیں۔ اسی دوران میں جناب ربقہ بھی وہاں پہنچ گئیں اور اپنے شوہر سے کہا "آپ کھانا کھلانے والے کے حق میں حسبِ وعدہ دعا کریں۔"

ماں نے حضرت یعقوبؑ کی طرف اشارہ کیا "تو بھی تو کچھ کہہ۔"

حضرت یعقوبؑ نے خود کو عیسو ظاہر کیا اور باپ سے کہا "میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کر دی ہے۔ اب آپ کھانا کھائیں اور مجھے دعائیں دیں۔"

حضرت اسحاقؑ نے کہا "تعجب ہے کہ تجھے اتنی جلدی شکار کس طرح مل گیا۔ اور تیری آواز یعقوب جیسی لگ رہی ہے۔"

حضرت یعقوبؑ نے کہا "آپ تو آواز سے بیٹے کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ آپ کی قوت شامہ اور لامسہ آپ کو بتا سکتی ہے کہ میں یعقوب ہوں یا عیسو ادوم۔"

حضرت اسحاقؑ نے ان کو قریب بلایا۔ ان کے ہاتھ اور گردن کو ٹٹولا اور بال محسوس کر لیے۔ جسم پر جو عیسو ادوم کے کپڑے تھے تو ان سے عیسو ادوم کی مہک آ رہی تھی۔ اب حضرت اسحاقؑ نے ان کو دعا دی اور فرمایا۔

"دیکھ میرے بیٹے کی مہک! تو اس کھیت کی مہک کے مانند ہے جسے خداوند نے برکت دی ہو۔ خدا آسمان کی اوس اور زمین کی فربہی اور بہت سا اناج اور مے تجھے بخشے۔ قومیں تیری خدمت کریں اور قبیلے تیرے سامنے جھکیں۔ تو اپنے بھائیوں کا سردار ہو اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے جھکیں۔ جو تجھ پر لعنت کرے وہ خود لعنتی ہو اور جو تجھے دعا دے وہ برکت پائے۔"

جناب ربقہ بہت خوش تھیں کہ انہوں نے اپنے چہیتے بیٹے کے حق میں دعائے نبوت اور خیر و برکت حاصل کر لی تھی۔

حضرت یعقوبؑ وہاں سے چلے گئے کیونکہ عیسو ادوم شکار کر کے واپس آ چکے تھے اور وہ باپ کے لیے کھانا تیار کر رہے تھے۔

کھانا تیار ہوا تو عیسو کھانا لے کر باپ کے پاس پہنچ گئے اور کہا "باپ! کھانا حاضر ہے، نوش فرمائیں۔" حضرت اسحاقؑ نے پوچھا "تو کون؟ اور دوبارہ یہ کھانا کیوں لایا ہے؟"

عیسو ادوم نے جواب دیا "باپ! میں تو ابھی جنگل سے آیا ہوں اور ابھی ابھی آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ کیا مجھ سے پہلے بھی کوئی یہاں آیا تھا؟"

حضرت اسحاقؑ نے جواب دیا "بیٹے میرے ساتھ دھوکا ہوا۔ تیرا بھائی یعقوب عیسو بن کے آیا تھا

اور تیری برکت لے گیا ہے۔"

عیسو نے زور دیا "آپ میرے حق میں دعا کریں اور پہلی دعا کے اثر کو بددعا سے زائل کر دیں۔"

حضرت اسحاقؑ نے انکار کیا "اب اس دعا میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔"

عیسو ادوم نے کہا "آپ مجھے بھی دعا کریں۔"

"دیکھ! زرخیز زمین میں تیرا مسکن ہو اور اوپر سے آسمان کی شبنم اس پر پڑے۔ تیری اوقات بسری تیری تلوار سے ہو اور تو اپنے بھائی کی خدمت کرے اور جب تو آزاد ہو جائے تو اپنے بھائی کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکے۔"

اس واقعے کے بعد دونوں بھائیوں میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا اور کبھی کبھی ایسا لگتا تھا کہ عیسو ادوم حضرت یعقوبؑ کو قتل کر دیں گے۔ حضرت یعقوبؑ نے بھی بھائی کے سامنے جانا چھوڑ دیا تھا۔

جناب ربقہ نے دونوں بھائیوں کی کشمکش دیکھی تو حضرت یعقوبؑ کو مشورہ دیا "تم یہاں سے اپنے آبائی وطن فدان آرام، اپنے نانا بیتوایل کے پاس جاؤ اور ان کی کسی لڑکی سے شادی کر کے وہیں رہو۔"

چنانچہ حضرت یعقوبؑ نے وادیٔ دجلہ کا رخ کیا اور فدان آرام اپنے نانا کے علاقے میں پہنچ گئے۔

یہاں انہوں نے ایک.... رات بسر کی۔

غربت میں کوئی بستر یا تکیہ تو پاس تھا نہیں۔ گھاس پر لیٹ گئے اور ایک پتھر کو تکیہ بنا کر سو گئے۔ اسی رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیڑھی زمین پر کھڑی ہے جس کا دوسرا سرا آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اس سیڑھی سے خدا کے فرشتے اترتے اور چڑھتے ہیں اور خدا اس سیڑھی کے اوپر کھڑا پکار رہا ہے "دیکھ، میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا ہوں اور یہ زمین جس پر تو لیٹا ہوا ہے، تجھے اور تیری اولاد کو دوں گا اور تیری نسل کو خوب بڑھاؤں۔ زمین کے تمام گھرانے تجھ سے اور تیری بیت ایل سے برکت اور فیض حاصل کریں گے۔" یہ خواب منصب نبوت کے مل جانے کی خوش خبری تھا۔

انہوں نے بیدار ہونے کے بعد اس جگہ کا نام بیت ایل رکھ دیا یعنی بیت اللہ۔

اب ان کے سامنے فدان آرام کی سرزمین تھی۔ انہوں نے لوگوں سے اپنے نانا کا پتا پوچھا۔

کسی نے بتایا "بیتوایل تو زندہ نہیں لیکن ان کے صاحبزادے لابان اپنی اولاد، بیوی اور مویشیوں کے ساتھ ضرور رہتے ہیں۔"

حضرت یعقوبؑ نے کہا "تو مجھے لابان کے گھر پتا بتا دے۔"

یہ گفتگو بستی کے باہر ہو رہی تھی۔ سامنے ایک کنواں تھا اور کنوئیں کے پاس بہت سی بھیڑیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ سامنے سے ایک لڑکی بھیڑوں کا ریوڑ لیے چلی آ رہی تھی۔

جس شخص سے حضرت یعقوبؑ کی باتیں ہو رہی تھیں اس نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا "سامنے دیکھ! لابان کی بیٹی راحیل آ رہی ہے۔"

حضرت یعقوبؑ نے لڑکی کے پاس جا کے کہا "کیا میں ساری بھیڑوں کو پانی پلا سکتا ہوں؟"

بھیڑیں واقعی بہت پیاسی تھیں۔ لڑکی نے اس نوجوان کو دیکھا اور کہا "مہربانی۔"

حضرت یعقوبؑ نے کنوئیں کا پانی کھینچ کر بھیڑوں کو پلایا۔

لڑکی نے کہا "میں نے تمہیں پہچانا نہیں، تم کون ہو؟ کس کے پاس اور کیوں آئے ہو؟"

حضرت یعقوبؑ نے کہا "تو لابان کی بیٹی ہے اور میں لابان کے پاس آیا ہوں۔"

لڑکی نے حیرت سے پوچھا "لابان سے تمہیں کیا کام ہے؟ لابان تو میرا باپ ہے۔"

حضرت یعقوبؑ کو راحیل پسند آ گئی تھی۔ انہوں نے کہا "پیاری لڑکی! تیرا باپ لابان میرا ماموں ہے اور میں تیرا پھوپی زاد بھائی ہوں۔"

راحیل نے اب پہلی بار حضرت یعقوبؑ کو ذرا غور سے دیکھا، کہنے لگی "تم میرے ساتھ مت آنا۔ یہیں ٹھہرو۔ میں اپنے باپ کو خبر کرتی ہوں۔ وہ تم کو گھر لے جانے کے لیے یہاں خود آ جائیں گے۔"

حضرت یعقوبؑ یہیں کنوئیں کے پاس اطمینان سے بیٹھ گئے۔ راحیل بھیڑوں کا ریوڑ لے کر اپنے گھر گئی اور باپ سے کہا "باپ! بستی کے باہر کنوئیں کے پاس ایک اجنبی جوان بیٹھا ہے۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تیرا پھوپی زاد بھائی ہوں اور اپنے ماموں لابان سے ملنے آیا ہوں۔"

لابان نے بے چینی سے کہا "وہ یقیناً میری بہن ربقہ اور بہنوئی اسحاق کا بیٹا ہو گا۔ اسے تو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائی؟"

راحیل نے کہا "باپ! اسے آپ اپنے ساتھ لائیں کیونکہ میں اس سے واقف نہیں ہوں۔"

لابان خوشی خوشی اپنے بھانجے کو لینے بستی کے باہر کنوئیں کے پاس پہنچ گیا اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔

گھر میں لابان نے ان کی بڑی خاطر مدارات کیں اور آخر میں پوچھا بھانجے! میرے پاس آنے کی غرض و غایت کیا ہے؟"

حضرت یعقوبؑ نے بتایا "ماموں، میرے باپ اور میری ماں نے کنعان کی کسی لڑکی سے شادی کرنے سے روکا اور مجھے حکم دیا کہ میں ننھیال جاؤں اور خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کروں۔"

لابان نے کہا "میری دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی بیٹی کا نام لیاہ ہے اور چھوٹی کا نام راحیل اور تیری ملاقات راحیل ہوئی تھی۔"

حضرت یعقوبؑ نے راحیل کو پہلے ہی پسند کر لیا تھا۔ صاف صاف بتا دیا کہ انہیں راحیل پسند ہے۔

لابان نے کہا "بھانجے ٹھیک ہے۔ میں تم سے راحیل کی شادی کر دوں گا مگر اس کی ایک شرط ہے۔

وہ یہ کہ شادی سے پہلے تم دس سال تک میری خدمت کرو گے اور میرے مویشی چراؤ گے۔"

حضرت یعقوبؑ نے اپنے ماموں کی یہ شرط منظور کر لی اور نہایت پابندی سے مویشی چرانے کی خدمت انجام دینے لگے۔ اس کے علاوہ صبح و شام اور رات کو اپنے ماموں لابان کی خدمت کرتے۔

اللہ اللہ کر کے دس سال پورے ہوئے تو ماموں لابان نے حضرت یعقوبؑ سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔

صبح اٹھ کے حضرت یعقوبؑ نے اپنے ماموں لابان سے شکایت کی "یہ آپ نے کیا کیا کہ میری شادی راحیل کے بجائے لیاہ سے کر دی۔ حالانکہ ہماری بات راحیل کے لیے ہوئی تھی۔"

ماموں لابان نے کہا "بھانجے! تم صحیح کہہ رہے ہو لیکن یہاں یہی رواج ہے کہ بڑی بیٹی کی شادی پہلے کی جاتی ہے۔ اب اگر تم راحیل سے بھی شادی کرنا چاہتے ہو تو تمہیں دس سال مزید میری خدمت کرنا ہو گی اور میرے مویشی چرانا ہوں گے۔"

حضرت یعقوبؑ نے راحیل کے لیے ماموں کی یہ شرط مان لی اور کہتے ہیں کہ اس بار ماموں نے شرط پوری ہونے سے پہلے ہی اپنی بڑی بیٹی لیاہ کی شادی کے ایک ہفتے بعد راحیل کی شادی حضرت یعقوبؑ سے کر دی۔ یہ دونوں بہنیں آپس میں حسد رکھتی تھیں۔

حضرت یعقوبؑ نے مویشی چرانا شروع کر دیے اور ماموں کی خدمت بھی کرتے رہے۔

اس دوران میں لیاہ سے پے در پے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ روبن، شمعون، لاوی، اور یہوداہ۔ راحیل اولاد سے محروم رہیں۔ انہیں اولاد نہ ہونے کا دکھ تھا۔

بڑی بہن کی چار اولادوں نے انہیں فکر مند کر دیا اور راحیل نے اولاد کی خاطر اپنی کنیز بلہاہ کو حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دے دیا۔ اس کنیز سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ دان اور نفتالی۔

بڑی بہن لیاہ کے چار بیٹوں کے بعد اولاد کی پیدائش کا سلسلہ رک گیا تھا اور ادھر راحیل کی کنیز کے دو بیٹے پیدا ہو گئے تھے چنانچہ لیاہ نے بھی اپنی کنیز زلفہ کو حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دے دیا اور اس دوسری کنیز سے بھی دو بیٹے جد اور آشر پیدا ہوئے۔

ان دو بیٹوں کے بعد لیاہ سے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوئے۔ بیٹوں کے نام اشکار، زبلون جب کہ بیٹی کا نام دینہ رکھا گیا۔ یہاں لابان کے گھر میں راحیل سے حضرت یوسفؑ پیدا ہوئے تھے۔

دس سال مزید مویشی چرانے اور ماموں لابان کی خدمت کرنے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے اپنے گھر جانے کا اعلان کیا۔

اب ماموں کے پاس روکے رکھنے کا کوئی عذر نہ تھا۔ حضرت یعقوبؑ کو ان کے ماموں نے بہت سے مویشی بھی دیے اور غلام بھی اور اپنے ماں باپ کے پاس جانے کی اجازت بھی دی۔

فدان آرام میں بیس سال گزار دینے کے بعد بھی کنعان واپس آتے ہوئے حضرت یعقوبؑ کو اپنے بڑے بھائی عیسو ادوم کا خیال آیا کہ کہیں وہ غصے میں انہیں نقصان نہ پہنچائیں۔ انہوں نے اپنے غلاموں سے کہا "دیکھو یہاں کہیں تمہاری ملاقات ایک شکاری سے ہوگی۔ وہ شکاری ہمارے مویشی اور ہمارے آدمیوں کو دیکھے گا تو سوال کرے گا' یہ سب کس کا ہے تو تم اس سے کہہ دینا کہ یہاں کوئی عیسو ادوم رہتا ہے جس کا ایک غلام یعقوب ملک شام چلا گیا تھا' یہ سب مال و اسباب اسی کا ہے۔"

حضرت یعقوبؑ نے یہی بات اپنے بیٹوں کو سمجھائی اور وہ خود قافلے میں چھپ کے سفر کرتے رہے۔

عیسو ادوم شکار کو نکلے ہوئے تھے اور اتفاق کی بات کہ یہ قافلہ ان کے قریب پہنچا۔

حضرت یعقوبؑ نے چھپ کے عیسو ادوم کو دیکھ لیا تھا۔ اپنے آدمیوں سے کہا "یہ جو سامنے شکاری آرہا ہے یہی عیسو ادوم ہے۔"

بکریوں کا ریوڑ سب سے آگے تھا۔ عیسو ادوم اس کے سامنے کھڑے ہوگئے اور پوچھا "یہ بکریوں کا ریوڑ کس کا ہے؟"

لوگوں نے جواب دیا "اس علاقے میں عیسو ادوم نامی کوئی صاحب رہتے ہیں جن کا ایک غلام یعقوب بیس بائیس سال پہلے ملک شام چلا گیا تھا۔ اب وہ واپس آیا ہے اور یہ ساری چیزیں اسی کی ہیں۔"

عیسو ادوم نے اپنے بھائی حضرت یعقوبؑ کا نام سنا تو ان کا دل بھر آیا اور آبدیدہ ہو کر کہا "یہ کس نے کہا کہ یعقوب میرا غلام ہے۔ وہ تو میرا بھائی ہے جو بلا وجہ مجھ سے خوف زدہ ہو کر ملک شام چلا گیا تھا۔"

لوگوں نے کہا "جناب! یعقوب تو ملک شام میں بھی یہی کہتے تھے کہ میں عیسو ادوم کا غلام ہوں۔"

عیسو ادوم نے کہا "میں نے کہہ تو دیا' یعقوب میرا بھائی اور مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ ہے کہاں؟"

حضرت یعقوبؑ چھپ کے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے عیسو ادوم کو غمزدہ دیکھا تو سامنے آگئے۔ دونوں بھائی قافلے سے الگ ہوگئے اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئے۔ طاقت ور اور شکاری عیسو ادوم نے حضرت یعقوبؑ کو فرط خوشی میں گود میں اٹھالیا۔

اس روز قافلے نے وہیں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح یہ لوگ اپنے گھر روانہ ہوگئے۔

یہاں ان کی اپنے گھر میں بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ ماں نے بیٹے کو گلے لگالیا اور انہوں نے اپنے پوتوں اور پوتی کو دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔

یہاں ایک سال بعد راحیل سے بن یامین پیدا ہوئے۔ یہ حضرت یوسفؑ کے چھوٹے بھائی تھے۔

اس کے بعد راحیل کا انتقال ہوگیا۔ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کو بہت چاہتے تھے۔

اب بھی عیسو ادوم کے لیے وہی صورت حال تھی یعنی ماں کی محبتیں حضرت یعقوبؑ کے لیے تھیں اور اب تو بارہ پوتے' ایک پوتی بھی گھر میں موجود تھی۔ عیسو ادوم نے خود کو تنہا محسوس کرنا شروع کردیا۔ ان کا یہاں دل نہیں لگتا تھا۔

ان کے پاس مویشی اور غلام بھی نہیں تھے۔ آخر ماں سے اجازت لی کہ میں اپنے چچا کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

ماں نے اجازت دے دی اور عیسو ادوم اپنے چچا حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس چلے گئے۔

حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی بیٹی تسمیہ کی شادی عیسو سے کردی۔

کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحاقؑ کے پاس گئے تھے اور ان سے کہا تھا "آپ باپ کی میراث میں سے کچھ مجھے بھی دے دیں۔ میں اسے اپنے باپ کی یادگار سمجھوں گا لیکن کچھ بھی نہیں دیا گیا اور یہ کہا گیا' تم محروم المیراث ہو۔"

حضرت یعقوبؑ کو اسرائیل بھی کہتے ہیں اور یہ نام رکھنے کی وجہ جو توریت میں بیان ہوئی ہے وہ بڑی عجیب وغریب ہے۔

اسرائیل کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی ہیں "خداوند ساتھ چلتا ہے۔" دوسرے معنی ہیں "خدا قوت بخشتا ہے۔"

دوسرے مطلب کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہودی کہانی اسرائیل کی وجہ تسمیہ یہ بتاتی ہے کہ ایک شب ایسا ہوا کہ پو پھٹنے تک ایک شخص حضرت یعقوبؑ کے ساتھ کشتی لڑتا رہا۔ جب پو پھٹنے لگی تب اس نے کہا "اب مجھے جانے دو کہ پو پھٹتی ہے۔"

حضرت یعقوبؑ نے کہا "میں تم کو نہیں جانے دوں گا یہاں تک کہ تم مجھے برکت دو۔"

اس نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا "یعقوب۔"

اس شخص نے کہا "آئندہ سے تمہارا نام یعقوب نہیں ہوگا بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تم نے خدا اور خلق کے پاس قوت پائی اور غالب ہوئے۔"

حضرت یعقوبؑ نے اس جگہ کا نام فنی ایل (خدا کا چہرہ) رکھا اور کہا "میں نے خدا کو روبرو دیکھا اور میری جان بچ گئی۔"

اسرائیل کی وجہِ تسمیہ بتانے والی کہانی میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ غیبی مرد خود خدائے کائنات تھا جو رات حضرت یعقوبؑ کے ساتھ کشتی لڑتا رہا۔ دوسری جگہ ہے!

جب اس نے دیکھا کہ وہ شخص یعقوب پر غالب نہ ہوا تو اس نے یعقوب کی ران کو اندر سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس خدا کے ساتھ کشتی لڑنے میں چڑھ گئی۔

کشتی ختم کر کے جب یعقوب فنی ایل سے چلے تو آفتاب ان پر طلوع ہوا اور وہ اپنی ران سے لنگڑاتے تھے۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل جانور کی اس نس کو جو ران کے اندر ہوتی ہے' آج تک نہیں کھاتے۔

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے بقول ایک مرتبہ مدینے کے چند یہودیوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ بتایئے کہ اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے اپنے نفس پر کس چیز کا کھانا حرام کر لیا تھا اور کیوں؟

رسول اللہؐ نے فرمایا "یعقوب بادیہ میں رہتے تھے اور انہیں اونٹ کا دودھ اور گوشت بہت پسند تھا لیکن انہیں عرق النسا کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ ایک رات انہوں نے اونٹ کا گوشت کھا لیا تو رات بھر بہت پریشان رہے اس لیے انہوں نے قسم کھائی کہ اب کبھی اونٹ کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ ہر چیز کھانے کی بنی اسرائیل پر حلال تھی سوائے اس کے جسے اسرائیل (یعقوب) نے اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام کو باپ کا ورثہ بھی ملا اور پیغمبری بھی۔

بچے جوان ہوئے تو بچپن سے جوانی تک انہوں نے یہی دیکھا کہ ان کے والد حضرت یوسفؑ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ ان میں عیسو ادوم اور حضرت یعقوبؑ جیسی کشمکش پیدا ہو گئی۔ تمام بھائی ایک طرف تھے اور دو بھائی حضرت یوسفؑ اور بن یامین ایک طرف۔ اندر ہی اندر حسد و عناد پرورش پاتے رہے۔

حضرت یعقوبؑ یہ سب کچھ دیکھ بھی رہے تھے اور محسوس بھی کر رہے تھے لیکن وہ اپنے بیٹوں کو سازشوں سے روک نہیں سکتے تھے۔

ان بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ اتنا برا سلوک کیا اور حضرت یوسفؑ نے ان کی برائیوں کے جواب میں ان کے ساتھ کیا حسن سلوک کیا' یہ ساری تفصیلات حضرت یوسفؑ کے حالات و واقعات میں بیان ہوں گی لیکن توریت میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے آخر وقت میں اپنے بیٹوں کو کیا نصیحت کی تھی۔ دراصل توریت نے جسے نصیحت کہا ہے وہ **حضرت یعقوبؑ** کی اپنے بیٹوں سے متعلق پیش گوئی ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور روبن کے بارے میں کہا "روبن نے اپنے باپ کے بستر کو نجس کیا ہے اس لیے بے ثبات ہو گا۔

روبن اور لاوی میں باہمی جدال و قتال ہو گا اور وہ منتشر ہو جائیں گے۔

یہوداہ غالب و ممدوح ہو گا اور اس کی نسل میں حکومت باقی رہے گی۔

زبلون ساحل بحر کے قریب سکونت اختیار کرے گا۔

اشکار غلاموں کی طرح بیگار میں پکڑا جائے گا۔

دان رہ گزر کا افعی ہے۔

جد پر ایک فوج حملے کرے گی مگر یہ اس کے دنبالے پر چھاپا مارے گا۔

آشر زراعت کا پیشہ اختیار کرے گا۔

نفتالی ایک غزال کے مانند ہے جو میٹھی میٹھی باتیں کرے گا۔

یوسف ایک پھلنے پھولنے والے درخت کے مانند ہے جس نے خداوند قدوس سے قوت پائی ہے۔ اس پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی۔

بن یامین کا کام بھیڑیے کی طرح لوٹ مار ہو گا۔

بعد میں حضرت یوسفؑ کو مصر میں اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے اپنے بھائیوں سے اچھا سلوک کیا۔

حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی جدائی میں رو رو کے نابینا ہو گئے تھے لیکن جب حضرت یعقوبؑ اپنے مال و اسباب اور مویشی کے ساتھ مصر پہنچے تو یہ کل ستر افراد تھے اور اس وقت حضرت یعقوبؑ کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔

حضرت یوسفؑ اپنا رتھ لے کر آپ کے استقبال کو پہنچے۔

نابینا باپ نے بیٹے کو اس کی خوشبو سے پہچان لیا۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے باپ بیٹے چمٹ کے دیر تک روتے رہے۔

فرعون ان سے نہایت عزت و احترام سے پیش آیا اور رعمسیس (فرعون) کا علاقہ جو مصر کا انتہائی زرخیز خطہ تھا' انہیں جاگیر میں دے دیا۔

حضرت یعقوبؑ مصر پہنچنے کے بعد سترہ سال اور زندہ رہے اور آخری وقت میں اپنے بیٹوں سے پوچھا "میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟"

انہوں نے جواب دیا "آپ کے معبود اور آپ کے دادا ابراہیم اور اسمٰعیل' اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت حضرت یعقوبؑ کی عمر ایک سو سینتالیس سال تھی۔ انہوں نے مصر میں وفات پائی۔

حضرت یوسفؑ نے لاش کو حنوط کروایا۔ اس میں خوشبو بھروائی۔ ان کاموں میں چالیس دن لگے پھر ماتم کے ستر دن گزر جانے کے بعد حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے مطابق حضرت یوسفؑ ان کی لاش کو لے کر کنعان پہنچے اور ان کو حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت ربقہ کے پہلو میں دفن کر دیا۔

○☆○

قوم عاد اور ثمود خدائی عذاب کے باعث بہت مشہور ہوئیں ان اقوام میں بھی رشد و ہدایت کے لئے انبیاء اور پیغمبروں کو بھیجا گیا۔ ان میں سے ایک حضرت صالحؑ ہیں جو قومِ ثمود میں آئے اور انہیں دعوت حق دی۔ مگر قوم ثمود بھی نافرمانوں میں شمار ہوئی اور اس نے حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور بالآخر ایک عجیب و غریب معجزہ طلب کیا۔ اسی معجزے اور حضرت صالحؑ کی زندگی کے دیگر واقعات اس مضمون میں قلم بند کئے گئے ہیں۔

مضمون کے ماخذ

قصص القرآن	انبیائے قرآن	بلادِ فلسطین و شام	قصص القرآن	ترجمان القرآن	توریت
مولانا عبدالمنان	جمیل احمد	جی۔ ای اسلرنج	مولانا حفظ الرحمن	مولانا آزاد	(عہد نامہ عتیق)

حضرت صالح علیہ السلام

(1700ق-م)

حضرت نوحؑ کے تیسرے بیٹے ارفکسڈ اور پانچویں بیٹے ارام تھے۔ حضرت ہودؑ تیسرے بیٹے تھے اور حضرت ہودؑ ارام کے پڑپوتے تھے۔ گویا یہ دونوں نبی ایک ہی خاندانی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔

یہ خاندان جس حصہ زمین میں آباد تھا۔ وہ تاریخ میں احقاف کہلاتا ہے اور یہ علاقہ یمن اور عمان کے درمیان واقع ہے۔

حضرت ہودؑ جب اپنی قوم کو راہِ راست پر نہ لاسکے تو یہ سرزمین گناہوں کے پاداش میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئی۔ اس کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ یہ خدائی عذاب سے ہلاک ہونے والی قوم عاد کہلاتی تھی۔ مدتوں..... یہ سرزمین ویران اور غیر آباد پڑی رہی پھر اسی علاقے میں قوم ثمود نے آباد ہونا شروع کردیا۔ تمام نہروں اور دریاؤں کے راستے صاف کیے۔ نہریں دوبارہ جاری ہوگئیں۔ نئے باغ لگ گئے اور کھیتیاں لہلہانے لگیں۔ انہوں نے شاندار سربفلک عمارتیں تعمیر کیں۔ پہاڑوں کو تراش کر مکانات اور بارہ دریاں بنائیں تاکہ اگر کوئی حادثہ رونما ہو تو ان پہاڑی کانوں میں پناہ لے سکیں۔ یہ لوگ نہایت قوی الجثہ' طاقت ور اور طویل العمر ہوتے تھے۔ یہ بھی سابقہ قوم عاد کی طرح فن تعمیر اور سنگ تراشی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر جو شاندار پُر تکلف اور پائیدار عمارتیں بنائیں تھیں۔ ان کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک کی سورہ فجر میں ان کا ذکر کیا گیا ہے "اور ثمود وادی القریٰ میں پتھر تراشتے تھے۔"

سورہ اعراف میں حضرت صالحؑ کی زبان سے بیان ہوا ہے "نرم زمین سے محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔"

یہ قوم نہایت آسودہ حال تھی اور یہ بھی سابقہ گمراہ قوموں کی طرح بُت پرستی میں مبتلا تھی اور ان میں ابھی تک کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا تھا جو انہیں بت پرستی سے روکتا۔

ان کا خاص بت کشریٰ تھا اور پوری قوم بہت عقیدت اور محبت سے اس بت کی پرستش کرتی تھی۔

ان میں ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے حضرت صالحؑ کو مبعوث کیا گیا۔

حضرت صالحؑ نہایت خاموشی سے اپنی قوم کی گمراہی کا کچھ عرصہ مشاہدہ کرتے رہے۔ انہوں نے گھوم پھر کے یہ بھی دیکھا کہ ہر آبادی میں دو بڑی عمارتیں موجود ہیں۔ ایک عمارت بیت الحکومت اور دوسرے میں ہیکل (عبادت گاہ) قائم تھی۔ آبادی کا حاکم بیت الحکومت میں رہتا تھا اور ہیکل میں آبادی کا کاہن آباد تھا۔ یہ دونوں مل جل کر آبادی پر دنیاوی اور مذہبی حکمرانی کرتے تھے۔

ہر ہیکل میں ایک نیا بت موجود تھا اور اس بت کو گاؤں کا محافظ خیال کیا جاتا تھا۔ جب کبھی دو آبادیوں کے درمیان جنگ ہوتی تو یہی سمجھا جاتا کہ دونوں آبادیوں کے دیوتا جنگ میں مصروف ہیں۔ فاتح مفتوح کے دیوتاؤں کو اٹھا کر لے جاتا تو مفتوح قوم کے لیے اس سے بڑی کوئی مصیبت نہ ہوتی اور یہ لوگ اپنے دشمن کے پاس وفد لے کر پہنچتے اور خوشامد درآمد سے اپنے دیوتا کی واپسی کا مطالبہ کرتے اور جب انہیں ناکامی ہوتی تو خاموشی سے واپس آکر جنگ کی تیاریاں شروع کردیتے اور اپنے دشمن پر پوری قوت سے حملہ آور ہوجاتے اور جب تک اپنا بت واپس نہ مل جاتا جنگ جاری رہتی۔ ان جنگوں میں پوری پوری آبادیاں صاف ہوجاتیں۔

حضرت صالحؑ نے ایسی کئی جنگیں دیکھی تھیں اور انہیں قوموں کی بے وجہ تباہی اور بربادی پر بے انتہا قلق ہوتا چنانچہ انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی قوم کو گمراہی سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

ابتدا میں تو ان کی قوم نے ان نصیحتوں اور ہدایتوں کا کوئی خاص اثر نہیں لیا لیکن جب ان کی تبلیغ میں شدت پیدا ہونے لگی تو ان کی قوم نے بھی حضرت صالحؑ پر اپنی توجہ مرکوز کردی۔

آپ کی تبلیغ کا اتنا اثر تو ہوا کہ کچھ لوگ گمراہی سے تائب ہوکر آپ کے پاس چلے آئے اور آپ ہی کی طرح ایک خدا کی عبادت کرنے لگے۔

یہ کام اتنی خاموشی سے انجام پا رہا تھا کہ آبادی کے بااثر اور بااختیار لوگوں کو اس کی خبر نہ ہوسکی اور اگر کسی کو یہ بات معلوم بھی ہوگئی تو وہ انہیں اپنی توجہ کا مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قوم کے یہ سیدھے سادے اور سادہ لوح کچھ دن حضرت صالحؑ کے ساتھ رہ کر پھر اپنی قوم میں واپس آجائیں گے۔

لیکن کاہن اور حکمرانوں کو انکے خاص کارندوں نے بتایا کہ حضرت صالحؑ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں اور ان کا جن لوگوں پر اثر قائم ہوگیا ہے' وہ اتنے راسخ العقیدہ اور اپنے ایمان کے مضبوط لوگ ہیں کہ دنیاوی خوش حالی اور معاشرتی غیرت وتوقیر ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

کاہنوں کو تشویش ہوئی کہ حضرت صالحؑ تو کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈال رہے ہیں اور کسی ایسے عقیدے کی طرف راغب کررہے ہیں جس سے کوئی کسی سے نہ خوف کھاتا ہے اور نہ مال وزر کی ہوس

رکھتا ہے۔

بیت الحکومت کے حاکم اور ہیکل کے کاہن سر جوڑ کر بیٹھے اور حضرت صالحؑ اور ان کی جدوجہد کے خلاف کوششیں شروع کر دیں۔

ان کا ایک وفد حضرت صالحؑ کو تلاش کرتا ہوا ان کے گھر پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ حضرت صالحؑ اپنی کوششوں میں مشغول کہیں تبلیغ دین فرما رہے ہوں گے۔

آپؑ فرما رہے تھے "لوگو! تم سے پہلے اسی سرزمین پر قوم عاد آباد تھی اور انہیں بت پرستی کے ساتھ ساتھ اونچی اونچی شاندار عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا۔ جب ان سے کسی نے پوچھا کہ تم یہ بڑی بڑی عمارتیں کیوں بنا رہے ہو تو وہ جواب دیتے تھے کہ انسان ایک فانی شے کو کہتے ہیں ہم اپنی چند روزہ زندگی میں بڑی بڑی عمارتیں اس لیے کھڑی کر رہے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد جب دوسری قومیں ان عمارتوں کو دیکھیں تو انہیں ہماری یاد آجائے اور ہم اس طرح مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔"

حضرت صالحؑ ان گمراہ نمائشی جوابوں کو بیان کر کے اپنی قوم سے پوچھتے "لوگو! بتاؤ کہ وہ بڑی بڑی عمارتیں اب کہاں ہیں جو ہم ان عمارتوں کے حوالے سے ان کے تعمیر کرنے والوں کو یاد رکھیں؟"

آپؑ کی یہ باتیں کاہن اور حاکم کے وفد والے بھی سنتے رہے اور آپس میں ان میں کچھ اختلاف بھی ہوا۔ کچھ کا خیال تھا کہ حضرت صالحؑ کی باتیں سچی ہیں لیکن اکثر نے یہ سب باور کرا دیا کہ حضرت صالحؑ ایک نیا مذہب پھیلا رہے ہیں اس لیے انہیں کامیابی سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔

جب حضرت صالحؑ کی تقریر ختم ہوئی تو وفد کے ارکان نے حضرت صالحؑ کو گھیر لیا اور پوچھا "یہ آپ لوگوں کو کس کے کہنے پر اُکسا رہے ہیں؟"

حضرت صالحؑ نے فرمایا "خدا نے مجھے جس کام کے لیے تم لوگوں میں بھیجا ہے میں اسے پورا کر رہا ہوں۔"

آپؑ نے توبہ استغفار کرتے ہوئے کہا "تم لوگ بتوں کو معبود کہہ رہے ہو حالانکہ ان بتوں کو خود تم نے بنایا ہے۔"

وفد کے جملہ ارکان نے باری باری آپؑ سے بہت سے سوالات کیے اور ان سب کا خیال تھا کہ حضرت صالحؑ گھبرا جائیں گے مگر حضرت صالحؑ پر یہ لوگ اثر انداز نہیں ہو سکے۔ آپ نے ان سب کو اسی طرح سمجھایا جس طرح تھوڑی دیر پہلے اپنی قوم کو سمجھا رہے تھے۔

ان سب نے پوچھا "جناب! آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کسی نے آپ کے دین کو اگر اختیار بھی کر لیا تو اسے بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا اور آپ سے آخر کنارہ کشی کر لے گا۔"

حضرت صالحؑ نے اپنے بارے میں پوچھا "تم لوگ میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا "آپ نوح (علیہ السلام) کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ہمیں آپ کے نسب نامے میں کوئی شک نہیں ہاں یہ ضرور لگتا ہے کہ آپ کے دماغ میں کچھ خلل واقع ہو گیا ہے۔"

حضرت صالحؑ نے کہا "خلل میرے دل و دماغ میں نہیں بلکہ میری قوم کے دلوں اور دماغوں میں پایا جاتا ہے۔ خدا نے مجھے یہاں بھیجا ہی اس غرض سے ہے کہ تمہارے دل و دماغ سے گمراہی دور کی جائے۔"

وفد والوں نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت صالحؑ پر ان کی کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تو انہوں نے حضرت صالحؑ کو دعوت دی کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں اس سے بیت الحکومت اور ہیکل کو آگاہ کریں۔

حضرت صالحؑ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا "میں دونوں ایوانوں میں نہیں جاؤں گا کیونکہ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ میری دعوت کا ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کریں گے اور مجھ سے تائب ہونے کی امید کی جائے گی اور جب میں ان کی بات نہیں مانوں گا تو وہ سختی سے کام لیں گے اگرچہ مجھ پر ان کی کوئی سختی بھی اثر نہیں کرے گی۔"

وفد کے ارکان واپس چلے گئے تب حضرت صالحؑ کے ساتھیوں نے تشویش ظاہر کی "جناب! ان کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد بیت الحکومت کے آدمی ہماری تلاش میں روانہ ہوں گے اور ہم سب زبردستی بیت الحکومت پہنچا دیے جائیں گے۔ اس وقت ہم کیا کریں گے؟"

حضرت صالحؑ نے پوچھا "تو کیا خیال ہے۔ کیا ہم دین حق سے منہ موڑ لیں؟"

خدا کو ماننے والوں نے جواں مردی سے جواب دیا "نہیں جناب! ہم سب آپؑ کی پیروی میں اپنی جانیں دے دیں گے مگر کفر میں کسی حال میں بھی جانا گوارا نہیں کریں گے۔"

○☆○

حکومت کے کارندوں نے حضرت صالحؑ کا پیچھا نہیں چھوڑا اور یہ لوگ بضد رہے کہ حضرت صالحؑ یہ سب کچھ جو قوم کے لیے کرتے رہتے ہیں اس سے بیت الحکومت اور ہیکل کو بھی آگاہ کر دیں تو بہتر ہے۔

حضرت صالحؑ نے آخر وعدہ کر لیا "اچھا تم لوگ کاہن اور حاکم کو بتا دو کہ میں ان سے بھی ملوں گا اور انہیں بھی دین کی دعوت دوں گا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک کمزور دل ارادت مند نے آپؑ کو حاکم اور کاہن کے پاس جانے سے منع کیا کیونکہ اس شخص کا خیال تھا کہ اگر حضرت صالحؑ بیت الحکومت اور ہیکل کے قابو میں آگئے تو انہیں ان کے کام سے جبراً روک دیا جائے گا۔

آپ نے اپنے ایمان لانے والے ساتھیوں کو یقین دلایا کہ حاکم اور کاہن اپنے مقصد میں کامیاب

نہیں ہوں گے اور خدا نے چاہا تو انہیں راہِ راست پر لے آؤں گا۔

آپ ایک انتہائی مخلص ساتھی نے کہا "آپؑ جو کچھ فرماتے ہیں، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن آپؑ یہ بھی تو دیکھیے اگر آپؑ کو گرفتار کر لیا گیا اور آپؑ کو دین حق کی اشاعت سے زبردستی روک دیا گیا تو اس وقت آپؑ کیا کریں گے؟"

حضرت صالحؑ نے کہا "مجھے یہ سب نہیں سوچنا چاہیے کیونکہ مجھے جس کام کے لیے خدا نے پیدا کیا ہے مجھے وہ کام ہر حال میں جاری رکھنا ہے۔ اب اگر میں حاکم اور کاہن سے نہیں ملوں گا تو خدا مجھ سے پوچھے گا کہ میں نے غربا، اور نادار لوگوں میں تبلیغ و اشاعت کے لیے تمہیں بھیجا ہی تھا مگر بڑے لوگ جو حاکم اور کاہن کہلاتے ہیں انہیں دین کی تبلیغ سے کیوں دور رکھا گیا۔"

یہاں یہ باتیں جاری تھیں کہ خاندانی بزرگ نے حضرت صالحؑ کو آگاہ کیا "اب تم اپنے نئے دین کی تبلیغ بند کر دو ورنہ تمہارے ساتھ ہمیں بھی پریشانیاں اٹھانا پڑیں گی۔"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "بزرگوار! میں یہ جو کچھ کر رہا ہوں خدا کے بھروسے اور مدد سے کر رہا ہوں اس لیے کسی کو مجھے اس کام سے روکنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا ٹھکانا بھی بدل دوں گا۔"

آپؑ نے اپنی قوم کے خاص اجتماع میں ایک نئی بات کہہ دی اور اس نئی بات سے ان کے کان ابھی تک نا آشنا تھے۔

حضرت صالحؑ نے لوگوں کو بتایا "اے لوگو! یاد رکھو کہ یہاں جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا تمہیں مرنے کے بعد حساب دینا ہوگا۔ ایمان والوں کے لیے میں جنت کی بشارت دیتا ہوں اور گمراہوں کو جہنم سے ڈراتا ہوں۔ خدا نے دوزخ اور جنت ایسے ہی لوگوں کے لیے پیدا فرمائی ہے۔"

لوگوں نے آپؑ کی یہ تقریر سن کر ہنسنا شروع کر دیا "لیجیے جناب، یہ مرنے کے بعد کسی نئی زندگی کی خوش خبری یا بد خبری دے رہے ہیں۔ یعنی ہمیں مرنے کے بعد کسی ا[illegible]یا میں جزا و سزا کے طور جنت و دوزخ دی جائے گی۔"

قوم نے ان سے پوچھا "اے صالح! یہ تم کس قسم کی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ مرنے کے بعد دوسری نئی زندگی، یوم الحساب، جزا و سزا، جنت و دوزخ یہ سب کیا ہے؟ ہم نے پہلے ان چیزوں کا ذکر کسی سے نہیں سنا۔"

حضرت صالحؑ نے پوچھا "کیا تم لوگ حیات بعد الموت کے قائل نہیں ہو؟"

جواب ملا "بھائی ایک بار مر گئے تو دفن کرنے کے بعد ہماری ہڈیوں کا بھی پتا نہیں چلے گا۔ گوشت کیڑے مکوڑوں کے پیٹوں میں چلا جائے گا پھر ہم کس طرح دوبارہ زندہ اٹھائے جائیں گے؟"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "لوگو! یہ اپنی اپنی سمجھ کا قصور ہے ورنہ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ جب

تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ڈالے گئے تو اس سے پہلے تم کہاں تھے؟"

اس سوال نے سب ہی کو لاجواب کر دیا اور حضرت صالحؑ نے کہا "خدا نیست سے ہست میں پہنچا دیتا ہے جو تمہیں ایک بار پیدا کرتا ہے، وہی تمہیں دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔"

کاہن نے حضرت صالحؑ کو منع کیا "ایسی گمراہی کی باتیں مت کرو کیونکہ تم ہمیں گمراہ کہہ رہے ہو جبکہ ہم نے اپنے باپ دادا کے دین کو ترک نہیں کیا اور اس پر ہم سب عمل پیرا ہیں۔ تم ایک اچھے خاندان کے بہت نیک فرد ہو۔ ہمارا خیال تھا کہ تم سے قوم کا نام روشن ہوگا لیکن تم نے خود گمراہی اختیار کر لی اور ہمیں گمراہ کہتے ہو۔"

حضرت صالحؑ نے پوچھا "آخر تم مجھے گمراہ کیوں سمجھتے ہو۔ ایسی مجھ سے کون سی باتیں سرزد ہوئیں جن سے تمہیں میری گمراہی کا گمان ہوا؟"

کاہن نے کہا "اے صالح! تم خود سوچو کہ تم ہم ہی میں سے ہو اور ہم سے کہتے ہو کہ ہم تمہاری پیروی کریں۔ اس طرح تو تم خود گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے ہو۔"

حضرت صالحؑ کے ایک پیروکار نے کہا "تم لوگ اگر صالحؑ کے دین حق سے منکر ہو تو ہمیں ایک نہ ایک دن اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ ہم لوگ تو صالح کے دین میں داخل ہو گئے اور ہمیں اب بے حد سکون محسوس ہو رہا ہے۔"

کاہن نے حیرت سے کہا "اے شخص! تیرا دماغی توازن تو درست [illegible] صالح تو تمہارا ہی جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اس طرح کا کھانا یہ بھی کھاتا اور جو پانی تم پیتے ہو اسی قسم کا پانی یہ بھی پیتا ہے اور اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو تم گھاٹے میں پڑ گئے۔"

حاکم نے کہا "ہم نے تو اسے عام آدمیوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ میں تو اسے خدا کا فرستادہ نہیں مانتا"۔

حضرت صالحؑ نے ان سب کو نرمی سے سمجھایا "لوگو! میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ تم خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس کا تم سے کوئی بدلہ بھی نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ رب العالمین کے ذمے ہے۔"

پیروکاروں نے کاہن کو بتایا "جناب! یہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کی باتیں بہت زیادہ کرتے ہیں۔ آپ نے بھی سن لیا۔ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھیں گے اور ہمارا حساب کتاب ہوگا۔ اچھے اعمال کی جزا میں جنت ملے گی اور برے اعمال کی سزا میں جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔"

کاہن ہنسنے لگا اور کہا "کیا یہ تم سے کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جائے گے استخوان کے ساتھ کچھ باقی نہ رہے گا۔ تم پھر زمین سے نکالے جاؤ گے۔ لوگو! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ شخص تم سے جو وعدہ کر رہا ہے، اس کا پورا ہونا بہت دور کی بات ہے پھر سیدھی سچی بات تو یہ ہے کہ یہ زندگی جو ملی

ہوئی ہے' اس کے بعد کوئی زندگی نہیں ملے گی۔ بس اسی زندگی میں ہم پیدا ہوتے ہیں' مرجاتے ہیں اور پھر کبھی زندہ نہیں ہوں گے۔ توبہ توبہ یہ شخص تو بہت زیادہ خدا پر افتراء کررہا ہے۔ خدا کا نام لے کر جھوٹ بول رہا ہے اور ہم اس کی بات نہیں مانیں گے۔"

حضرت صالحؑ کاہن کی باتوں سے ذرا بھی دلبرداشتہ نہیں ہوئے۔ کہنے لگے "اے لوگو! تمہیں یہاں جو چیزیں عطا کی گئی۔ ان میں تم بے خوف نہیں چھوڑے گئے۔ تمہیں اپنے باغ' چشمے' کھیتوں اور کھجوروں کی جو نعمتیں دی گئی ہیں اور تم جس کے ذریعے ہاتھوں کی مدد سے پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو تو خدا کا شکر ادا کرو اور ناشکری کی حالت میں خدا سے ڈرو۔ میں تمہیں اپنے اتباع کی دعوت دیتا ہوں۔"

اس وقت تو بات ختم ہوگئی لیکن اس تنبیہہ کے ساتھ کہ حضرت صالحؑ اپنے دین کی تبلیغ نہ کریں اور قوم کو باپ دادا کے مذہب پر قائم رہنے دیں۔

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "یہ نہیں ہوسکتا۔ میں دینِ حق کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھوں گا اور یہ کام اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم لوگ گمراہی سے باز نہیں آجاؤ گے۔"

حضرت صالحؑ نے اپنا کام جاری رکھا اور قوم کے کچھ لوگوں کے سوا سب ہی ان کی مخالفت کرتے رہے۔

کاہن کی اجارہ داری خطرے میں پڑگئی اور حاکم پریشان تھا کہ اگر حضرت صالحؑ کامیاب ہوگئے تو قوم حاکم کا حکم نہیں مانے گی۔ کاہن اور حاکم نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس مجلس میں قوم کے دولت مندوں' ہنرمندوں اور محنت کشوں کو بھی جمع کیا گیا کیونکہ حضرت صالحؑ سب ہی کے لیے دردِ سر ہو رہے تھے۔

جب یہ جمع ہوگئے تو کاہن نے حضرت صالحؑ کے اعمال کا ذکر کیا اور کہا "اس شخص نے پوری قوم کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے اور ایسی باتیں کررہا ہے جو پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی تھیں۔"

حاکم نے بھی لوگوں کو بتایا "کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے اور تم اس زندگی میں جو کچھ کررہے ہو' اس کا حساب کتاب ہوگا۔ لوگو! ذرا سوچو غور کرو اور بتاؤ۔ یہ حساب کتاب کس طرح ہوگا۔ میں نے زندگی بھر جو بھی اچھا برا کام کیا' خود یاد نہیں۔ تم خود اپنا اپنا جائزہ لو اور بتاؤ کہ تم نے اپنی زندگی میں کتنے اچھے اور کتنے برے کام کیے۔"

مجلس مشاورت کا ایک شخص بھی یہ بتانے کے لیے کھڑا نہیں ہوا کہ اسے اپنی زندگی کا سب کچھ یاد ہے۔

کاہن نے کہا "واقعی میں نے تو کبھی اس پر غور بھی نہیں کیا کہ حساب کتاب کے لیے اچھے برے

اعمال کا دفتر اپنے پاس ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی پتا نہیں کہ اگر ہم اپنے اچھے برے اعمال کا کوئی دفتر رکھتے ہیں بھی تو کتنی مدت تک وہ سلامت رہتا۔ قیامت کا کچھ پتا نہیں کہ کب آئے گی۔ جس روز حساب کا صالح ذکر کرتا ہے اگر وہ ہزاروں سال بعد آیا تو ہماری ہڈیاں تک سڑگل چکی ہوں گی پھر خدا ہم انسانوں کو آخر کس طرح جزا و سزا دے گا۔"

عالیشان عمارتوں کے مالک نے کہا "صالح خود کو پیغمبر کہتا ہے اور میں نے اپنے بزرگوں سے پیغمبر کے بارے میں سنا ہے کہ ان میں کوئی خاص قوت ضرور ہوتی ہے اور یہ قوم کو قائل کرنے کے لیے کچھ معجزے بھی دکھادیتے ہیں کیوں نہ ہم ان سے بھی کوئی معجزہ طلب کریں۔ اگر یہ پیغمبر ہیں تو ہمیں اپنا کوئی معجزہ بھی دکھائیں گے۔"

سب ہی نے اس تجویز سے اتفاق کیا مگر کاہن اس سے متفق نہیں ہوا' کہنے لگا "اگر صالح نے چالاکی سے کوئی شعبدہ دکھایا اور اسے عقلوں نے معجزہ مان لیا تو کیا ہم اس وقت صالح کا دین اختیار کرلیں گے؟"

حاکم نے کاہن کو اطمینان دلایا "صالح کوئی معجزہ نہیں دکھاسکتا اور اگر اس نے چالاکی سے شعبدہ دکھایا تو اسے معجزہ کہا تو ہم اسی وقت اسے شعبدے اور معجزے کا فرق بتادیں گے۔"

دولت مندوں نے کہا "ہم سب کی اپنے دیوی دیوتاؤں کے طفیل آسودگی اور آرام کی زندگی بسر ہو رہی ہے۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ صالح کے دین کو اختیار کرلیں اور دیوی دیوتاؤں کو ناراض کرکے اپنی آسودگی سے محروم ہوجائیں۔"

حاکم کو بس یہی فکر تھی کہ صالح کے ماننے والوں میں اضافہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اسے عوام کی مزاج کا اندازہ تھا کہ یہ لوگ اگر اپنے آس پاس اکثریت کو اسی طرف مائل اور متوجہ دیکھتے ہیں تو خود بھی اسی طرف مائل و متوجہ ہوجاتے ہیں۔

کاہن نے اعلان کیا "تو صاحبان! میں صالح کو قوم کے بہت بڑے ہجوم کے سامنے طلب کرتا ہوں اور قوم کے کچھ لوگوں کو اس پر آمادہ کرلیا جائے گا کہ وہ صالح سے کوئی معجزہ طلب کریں۔ ہمیں امید ہے کہ صالح سب کے سامنے معجزہ پیش نہ کرکے شرمندہ ہوجائیں گے۔"

حاکم نے کہا "یہ کام ہیکل کی عمارت میں ہونا چاہیے اور لوگوں کو صالح کی آمد سے پہلے ہی اپنا منصوبہ بتادینا ہوگا۔"

حضرت صالحؑ اپنے کام میں شب و روز مشغول تھے اور انہیں اپنی محنت کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے تھے۔

اسی دوران میں کاہن اور حاکم کی طرف سے حضرت صالحؑ کو پیغام موصول ہوا کہ وہ اپنے دین

داروں کے ساتھ ہیکل کی عمارت میں پہنچیں' وہاں ان کے استقبال کے لیے قوم کے بہت سے لوگ موجود ہوں گے۔ ان سب کے سامنے اگر وہ اپنی پیغمبری ثابت کر دیں گے تو قوم کے سارے لوگ ان کا دین اختیار کر لیں گے۔

اس پیغام سے حضرت صالحؑ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ جو لوگ حضرت صالحؑ کو اس لیے پیغمبر ماننے کو تیار نہ تھے کہ حضرت صالحؑ انہی کی طرح کھاتے پیتے ہیں' سوتے جاگتے ہیں' بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں حالانکہ قوم کے لوگ پیغمبروں کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسے غیر معمولی ہونا چاہیے تاکہ وہ دور ہی سے انسان کے بجائے پیغمبر نظر آئے۔

آپؑ کے حامیوں نے حاکم اور کاہن کی اس منظور کردہ مجلس میں شرکت سے منع کیا۔ کیونکہ ان سب کو یہ ڈر تھا کہ حضرت صالحؑ کے طاقت ور ارادت مند بھی کاہن اور حاکم کے سامنے کمزور ثابت ہوں گے۔

لیکن حضرت صالحؑ نے کہا "میں کوئی ایسا موقع ضائع نہیں کروں گا جس میں میری کامیابی کا ذرا سا بھی یقین موجود ہو۔"

موعودہ اور مذکورہ دن دوپہر کے وقت ہیکل کی عمارت میں لوگ پہنچنے لگے۔ بڑی رونق اور میلے جیسا سماں تھا۔

اس وقت حضرت صالحؑ کے ساتھ کل چالیس آدمی تھے۔ حضرت صالحؑ نے ہیکل میں داخل ہونے کے بعد پورے ماحول پر گہری نظر ڈالی۔

حاکم نے انہیں آگے بڑھنے کی جگہ دی اور کاہن نے لوگوں سے درخواست کی کہ اس خاص موقع پر عوام اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام لے لے کر نعرے لگائیں تاکہ حضرت صالحؑ اپنے دل میں دہشت محسوس کریں۔

حسبِ ہدایت ہر طرف سے نعرے بلند ہونے لگے اور ہیکل کی عمارت نعروں سے گونج گئی۔

حاکم نے حضرت صالحؑ اور ان کے حامیوں کے چہروں پر طمانیت اور سکون محسوس کیا۔

کچھ دیر بعد کاہن نے حضرت صالحؑ سے درخواست کی کہ وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے دین کی تبلیغ کریں۔

حضرت صالحؑ نے پہلے تو پرانی سرکش قوم کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ جب ان میں ان کی اصلاح کے لیے انہی میں سے پیغمبر بھیجے گئے تو قوم نے ان کا مذاق اڑایا۔ ان پر خوب خوب ہنسے' ان پر طنز کیے' انہیں اذیتیں پہنچائیں' ان سے معجزے طلب کیے اور جب ان کے سامنے معجزے دکھائے گئے تب بھی غافل قوم نے ان کی کوئی بات نہیں مانی اور انہیں خدائی عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت صالحؑ نے کہا "اے لوگو! اسی سرزمین میں صدیوں پہلے قوم عاد رہا کرتی تھی اور وہ بھی تمہاری طرح سرکش و بے باک تھے۔ ان کے پیغمبر ہود (علیہ السلام) نے میری ہی طرح اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگر قوم نے ان کی ایک نہ مانی اور نڈر و بے باک ہو کر ہودؑ سے کہا "یہ جو تم کسی عذاب کی باتیں کرتے رہتے ہو تو ہمیں بتاؤ تم جس عذاب کی بات کرتے رہتے ہو' وہ کب آئے گا"
لوگوں کا خیال تھا کہ ہودؑ کی باتیں ہی باتیں ہیں اور قوم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا لیکن خدا نے ہودؑ کی قوم پر عذاب بھیجا اور وہ سب حرف غلط کی طرح نیست و نابود ہو گئے۔ بس ان کا ذکر قوموں کی زبانوں پر رہ گیا۔"

کاہن نے حضرت صالحؑ کو منع کیا "حضرت ہودؑ کے حوالے سے کوئی بات نہ کرو۔ صرف اپنی بات کرو اور بتاؤ کہ تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو۔"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "اپنے دیوی دیوتاؤں کو گھروں اور عبادت گاہوں سے نکال کر پھینک دو اور ایک خدا کی عبادت شروع کرو کیونکہ یہ دیوی دیوتا بھی تمہارے اپنے ہاتھوں کے تیار کیے ہوئے ہیں۔ یہ خود کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے تو تمہیں ان سے کوئی فائدہ یا نقصان کیا پہنچے گا۔"

کاہن نے حضرت صالحؑ سے پوچھا "اچھا اب تم میری ایک بات کا جواب دو۔"

حضرت صالحؑ نے کہا "کیا' سوال کریں میں جواب دوں گا۔"

کاہن نے کہا "یہ جو ہمارے چاروں طرف بہت سی قومیں آباد ہیں اور ان کا ایک بادشاہ بھی ہے اس بادشاہ نے اپنے شہروں اور علاقوں کے نظم و نسق کے لیے حاکم مقرر کر دیے ہیں اور ہر حاکم اپنے شہر کا انتظام کرتا ہے۔ جس سے امن و امان قائم رہتا ہے اور شہری سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب اگر ان سب حاکموں کو ہٹا دیا جائے اور خود بادشاہ اپنے ہاتھ میں انتظام سلطنت لے لے تو بتاؤ کہ شہروں کا کیا حال ہو جائے گا؟"

حضرت صالحؑ نے پوچھا "اے کاہن' تم اس طرح کیا کہنا چاہتے ہو اور کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔"

کاہن نے کہا "یہ دیوی دیوتا بھی اپنے اپنے علاقوں کے مالک و مختار ہوتے ہیں۔ اگر انہیں ہم ہٹا دیں تو ہمارا سب کچھ چوپٹ ہو جائے گا۔"

حضرت صالحؑ نے کہا "واہ واہ! تم خدا کا مقابلہ انسانوں اور بے زبانوں سے کرتے ہو۔ وہ قادر مطلق ہے اور اس کے احکام سے سب ہی پابند و مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ اس کے لیے کسی دیوی دیوتا کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر انسانوں کو عقل سلیم مل جائے اور دلوں پر گمراہی کی مہر نہ لگی ہو تو وہ خدا کو سمجھ سکتے

اور اس پر ایمان لاسکتے ہیں۔ مجھے یا دوسرے پیغمبروں کو یہ سب بتانے کے لیے بھیجا جاتا رہا ہے۔ ہماری یہ سیدھی سی بات تم سب کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم عام انسانوں کی طرح کسی سے اپنے کام کا کوئی معاوضہ بھی نہیں چاہتے۔ اللہ نے ہمارے سپرد جو کام کیا ہے وہ انجام دیے جارہے ہیں اور یاد رکھو اگر ہم نے گمراہی نہ چھوڑی اور اپنی جہالت پر اڑے رہے تو قوم عاد کی طرح تم بھی برباد کردیے جاؤ گے۔"

حاکم نے کاہن سے کہا "ان سے ہم یہ ساری باتیں پہلے بھی سن چکے ہیں اور اب طبیعت ان سے عاجز آگئی ہے۔ اس لیے تم ان سے مختصر اور طے شدہ بات کرو۔ بس اسی سے ان کے کھرے اور کھوٹے ہونے کا پتا چل جائے گا۔"

کاہن نے حضرت صالحؑ سے پوچھا "تو آپ پیغمبر ہیں اور خدا نے آپ کو ہماری اصلاح، ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے؟"

حضرت صالحؑ نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ یہ معمولی سے بات تمہاری سمجھ میں آگئی۔ اب تم سب ایمان لاکر خدا کے فرماں بردار بندے بن جاؤ اور بتوں کو گھروں اور ہیکلوں سے نکال کر بے کار چیزوں کے ڈھیر پر پھینک آؤ۔"

کاہن نے کہا "واہ جناب! یہ کس طرح سمجھ لیا کہ ہم نے اپنے آبائی دین سے توبہ کرلی ہے۔ ہم ابھی تک اپنے آباؤ اجداد کے دین پر قائم ہیں اور جب تک ہمیں تمہارے نبی ہونے کا پورا یقین نہ آجائے گا ہم تمہیں اور تمہارے خدا کو ہرگز نہیں مانیں گے۔"

حضرت صالحؑ نے پوچھا "تب پھر ہمیں بتاؤ کہ ہم کیا کریں کہ تم دین حق کو اختیار کرلو؟"

کاہن نے حاکم کی طرف دیکھا۔

حاکم نے کہا "تو جناب صالح! آپ ہمیں اپنی پیغمبری کا کوئی معجزہ دکھادیں۔ ہم اس معجزے کو دیکھ کر آپ پر ایمان لے آئیں گے۔"

کاہن نے بھی حاکم کی تائید کی "جناب! یہ صرف ہم دونوں کی خواہش نہیں ہے بلکہ پوری قوم کا بھی مطالبہ ہے کہ آپ ہم سب کو اپنی پیغمبری کی دلیل میں کوئی معجزہ دکھادیں۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔"

ہجوم نے بھی "معجزہ معجزہ" کی رٹ لگائی اور ہر طرف سے حضرت صالحؑ سے معجزہ دکھانے کی صدا بلند ہوئی۔

حضرت صالحؑ نے پوچھا "تم میری ذات سے کیسے معجزے کی توقع رکھتے ہو اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں اگر خدا سے دعا کروں گا تو ہمارے مطالبے کے مطابق کوئی معجزہ صادر فرمائے تو خدا مجھے

مایوس نہیں کرے گا لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم سب معجزہ دیکھنے کے بعد بھی میری پیغمبری پر ایمان نہیں لاؤ گے۔"

جو لوگ حضرت صالحؑ کی شدت سے مخالفت کررہے تھے، ان میں نو آدمیوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان نو آدمیوں میں سات قبیلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے اور دو کاہن اور حاکم ان میں شریک ہوگئے۔ یہ ساتوں سردارانِ قبیلہ دولت مند لوگ تھے۔

یہ سب حضرت صالحؑ کے معاملے میں پیش پیش تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضرت صالحؑ نے کامیابی حاصل کرلی تو ان کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔

ایک طرف تو حضرت صالحؑ سے کسی معجزے کا مطالبہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف حضرت صالحؑ کے نو مخالف افراد حضرت صالحؑ کو مجنوں اور مخبوط الحواس ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے ان کا کہنا تھا کہ حضرت صالحؑ کوئی معجزہ کیا دکھائیں گے کیونکہ یہ..... کتنے ہی شریف النسب کیوں نہ ہوں، ہم سردارانِ قوم ہر اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ صالح کے آس پاس جو لوگ جمع ہوگئے ہیں، ان میں ایک بھی آسودہ حال اور دولت مند آدمی نہیں ہے۔"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "نیکی اور برائی کو تم لوگ آسودگی، خوش حالی اور دولت مندی سے ناپتے ہو لیکن جب تم ایک خدا کو چھوڑ کر اپنے ہی تیار کیے ہوئے دیوی دیوتاؤں کو معبود مان کر ان کی عبادت کرتے ہو تو مجھے تمہاری عقل اور شعور پر توجہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

ایک سردارِ قبیلہ غصے میں کھڑا ہوگیا اور کہا "اے صالح! حقیقت یہ ہے کہ تو نے اپنی فکر کا توازن کھو دیا ہے اور تجھ میں معقولیت نام کو بھی نہیں رہی۔ ہمارا خیال ہے کہ کسی بدروح نے تجھ پر قبضہ کرلیا ہے یا پھر کسی نے تجھ پر جادو کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تو بے تکی باتیں کرتا ہے ورنہ تو بھی ہم جیسا ایک آدمی ہے۔ حسب نسب میں تو ہم سے بڑھ کر نہیں ہے اور نہ ہی جاہ و منصب میں تو ہم میں سے کسی پر فوقیت رکھتا ہے۔ ہم تجھے جانتے ہیں کہ ہم میں کئی ایسے اشخاص موجود ہیں کہ اگر وہ پیغمبر یا رسول ہونے کا دعویٰ کردیتے تو ان پر پیغمبری زیب دیتی۔ ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ تو نے محض جاہ طلبی کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔" ان میں جندع بن عمرو نامی سردار بھی تھا اور وہ ابھی تک خاموش سب کی باتیں سن رہا تھا اور جب اس نے یہ دیکھا کہ بات بڑھتی جارہی ہے اور سردارانِ قوم، حاکم، کاہن حضرت صالحؑ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور حضرت صالحؑ ان سب سے متنفر اور بیزار نظر آتے ہیں تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا "آپ لوگ بلاوجہ وقت ضائع کررہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے صالح سے یہ بات طے پائی

تھی کہ اگر صالحؑ اپنی پیغمبری کی دلیل میں ہم سب کو کوئی معجزہ دکھا دیں تو ہم سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔"

کاہن نے حضرت صالحؑ سے پوچھا "کیا تم اپنی پیغمبری کی دلیل میں کوئی معجزہ دکھا سکتے ہو؟"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جس قادر مطلق نے مجھے پیغمبری بخشی ہے' وہ مجھے مایوس اور نامراد نہیں کرے گا مجھے بتاؤ کہ تم کیسا معجزہ چاہتے ہو؟"

نو شریر آپس میں صلاح مشورے کرنے لگے کہ حضرت صالحؑ سے کس قسم کا معجزہ طلب کیا جائے۔

کاہن نے کہا "یہ معجزہ اتنا مافوق الفطرت ہو کہ عقل اسے تسلیم ہی نہ کرے اور صالح کو دن میں تارے نظر آ جائیں۔"

حاکم نے مشورہ دیا "جندع بن عمرو نے معجزہ کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ ذمے داری بھی جندع پر ہی ڈالو کہ صالح کو بتائیں کہ معجزہ کیسا ہونا چاہیے؟" حضرت صالحؑ شریروں کو مشورہ کرتے دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ قوم کے شریروں نے ان کا اور ان کی پیغمبری کا گھیراؤ کر لیا ہے اور کچھ پتا نہیں کہ وہ ہم سے کس قسم کے معجزے طلب کریں۔ اب اگر میں انہیں کوئی معجزہ نہ دکھا سکا تو اب تک جن لوگوں نے میرا ساتھ دیا ہے' وہ بھی مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے۔

جندع بن عمرو نے حضرت صالحؑ سے پوچھا "کیا ہم بتائیں کہ ہم معجزہ میں کیا چاہتے ہیں؟"

جب ان سے یہ سوال کیا گیا تو اسی وقت حضرت جبرائیلؑ نے انہیں مطلع کیا کہ "اے صالح! خدا عالم الغیب ہے اور اسے معلوم ہے کہ منکرین خدا اور منکرین رسالت آپ سے کس قسم کا معجزہ چاہیں گے خدا نے اس کا بندوبست کر دیا ہے۔ آپ ان سے وعدہ کر لیجیے کہ وہ جیسا معجزہ چاہیں گے انہیں دکھا دیا جائے گا۔"

حضرت صالحؑ نے سب ہی سے پوچھا "تم لوگ بتاؤ کہ مجھ سے کیسا معجزہ چاہتے ہو؟"

جندع بن عمرو نے کہا "صالح! تم پریشان ہو جاؤ گے اور شاید معجزہ نہ دکھا سکنے کی صورت میں اپنی پیغمبری سے بھی توبہ کر لو گے۔"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "تم لوگ میری تو فکر ہی نہ کرو۔ اللہ اپنے ماننے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔"

جندع بن عمرو نے کہا "صالح! یہ جو پہاڑی چٹان نظر آ رہی ہے۔ تم اس چٹان میں سے ایک اونٹنی پیدا کر دو یہ اونٹنی حاملہ ہونا چاہیے جو نمودار ہوتے ہی بچہ دے دے اور اونٹنی اتنی شاندار اور منفرد ہونا چاہیے کہ پہلے کبھی ایسی اونٹنی نہ دیکھی ہو اور اسے جو دیکھے بے اختیار کہہ اٹھے کہ یہ اونٹنی واقع صالح کا

ایک معجزہ ہے۔"

حضرت صالحؑ نے خاموشی سے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے دعا کی "اے خدا تو واقف ہے کہ ان شریروں نے کیسے عجیب اور غریب مافوق الفطرف معجزے کی خواہش کی ہے"

اسی دعا کے دوران حضرت جبرائیلؑ نے حضرت صالحؑ سے کہا "آپ ان سب کو مزکورہ چٹان کے پاس لے جائیں اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں' اسے نمودار ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔"

حضرت صالحؑ نے ان سب سے کہا "میرا رب ہر شے پر قادر ہے اور جس معجزے کا تم نے مطالبہ کیا ہے' وہ اللہ نے چاہا تو ضرور پورا ہو گا۔ اب تم سب میرے ساتھ اس چٹان تک چلو۔"

لوگ حضرت صالحؑ کی باتوں کو ان کی فکری دیوانگی سمجھ رہے تھے کیونکہ انہوں نے جس مطالبے کا اظہار کیا تھا' اس کا پورا ہونا ناممکن تھا۔ چٹان پھٹے اس میں سے ایسے محیرالعقول معجزے ظاہر ہونا ناممکن تھا...... یہ سب حضرت صالحؑ کے ساتھ اس چٹان کے پاس گئے جس میں سے اونٹنی کو برآمد ہونا تھا۔

حضرت صالحؑ نے چٹان کے سامنے کھڑے ہو کر چٹان کو حکم دیا "اے چٹان تجھے خدا نے جو حکم دیا ہے' اب اس کی تعمیل کر دے اور تیرے بطن میں جو شے چھپا دی گئی ہے اسے باہر نکال دے۔"

آپؑ کا فرمان ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے ایک گرانڈیل اونٹنی برآمد ہوئی۔ یہ اونٹنی دنیا کی تمام اونٹنیوں سے بڑی اور طاقتور تھی لوگ اسے دیکھ کر خوف محسوس کرنے لگے۔

نو شریر انسانوں نے اونٹنی کی جسامت دیکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے پیٹ کو بطور خاص دیکھا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اونٹنی حاملہ ہے۔

اب بھی سب کا یہی خیال تھا کہ حضرت صالحؑ جادو جانتے ہیں اور یہ معجزہ نہیں جادو ہے۔

اچانک اونٹنی کے بطن سے بچہ بھی پیدا ہو گیا اور اس طاقتور بچے نے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا۔

جندع بن عمرو اور اس کے دو ساتھی اسے حضرت صالحؑ کا جادو نہیں معجزہ ہی سمجھ رہے تھے اور انہوں نے سیکڑوں آدمیوں کے سامنے اقرار کیا "صالح پیغمبر ہیں اور انہوں نے ہمارے مطالبے پر ہمیں جو کچھ دکھا دیا یہ جادو نہیں معجزہ ہے اور ہم ان کی پیغمبری اور خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے۔"

نو شریر لوگوں کے ساتھ ان کی بیویاں بھی تھیں اور سالوں پہلے ان عورتوں کے بارے میں حضرت صالحؑ نے یہ کہا تھا "ان عورتوں سے ایک ہی شب نو بیٹے بیک وقت پیدا ہوں گے اور ان عورتوں کے

لیے اس وقت مناسب یہی ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کو ہلاک کر دیں کیونکہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں سے ایک ایسا بیٹا بھی ہے جو تم سب کی تباہی اور بربادی کا سبب بن جائے گا۔"

لیکن جب ان عورتوں نے حضرت صالحؑ سے یہ پوچھا تھا کہ "آپؑ ذرا ہمیں یہ بتائیں کہ کس عورت کا بیٹا ہم سب کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے گا" حضرت صالحؑ نے کہا تھا "اب میں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ نافرمان اور ناہنجار کس کا بیٹا ہوگا۔"

عورتیں ذرا عقیدے کی مضبوط تھیں اور ان پر ایسی باتوں کا اثر ہوا تھا' انہیں حضرت صالحؑ کی بزرگی کا اعتراف بھی تھا اور وہ انہیں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر بھی سمجھنے لگی تھیں لیکن اپنے شوہروں سے مجبور تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ حیرت انگیز طور پر جب ان عورتوں کے بطن سے ایک ہی شب بیک وقت نو بیٹے پیدا ہوئے تو آٹھ عورتوں نے اپنے بچوں کو ہلاک کر دیا اور ایک عورت نے اپنی بے پناہ ممتا کی وجہ سے بچے کو نہیں مارا۔

اب اس کا قدار نامی بیٹا جوان ہو چکا تھا اور اس ہجوم میں وہ بھی موجود تھا اس قدار کے باپ کا نام سالف تھا۔

وہ نو عورتیں غصے میں حضرت صالحؑ کے پاس آئیں اور کہا "اے صالحؑ! پہلے ہم تمہیں بہت اچھا سمجھتے تھے مگر جب ہم نے اپنے آٹھ بیٹوں کو ہلاک کر دیا اور سالف کی بیوی نے اپنے بچے کو نہیں مارا کیونکہ سالف کے اس بیٹے کے سوا کوئی اور بیٹا نہ تھا وہ بیٹا قدار' جوان ہو چکا ہے اور اس وقت بھی اس ہجوم میں موجود ہے اور ابھی تک قوم پر کوئی تباہی اور بربادی بھی نہیں آئی اے کاش ہم نے بھی اپنے بیٹے ہلاک نہ کیے ہوتے۔"

حضرت صالحؑ نے کہا "اے عورتو! میں نے جو کچھ کہا تھا وہ درست ہے اور قدار سے کوئی ایسا کام سرزد ہوگا کہ تم سب تباہ و برباد کر دیے جاؤ۔"

کاہن نے کہا "میں تمہارا کاہن ہوں لیکن مجھے کسی دیوی دیوتا نے یہ نہیں بتایا کہ قدار کی وجہ سے ہم سب کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔"

حضرت صالحؑ نے کہا "اب ان باتوں کو نظر انداز کر کے صرف اس پر توجہ دی جائے جس کا میں اونٹنی کے وجود میں آنے کے بعد حکم دے رہا ہوں۔"

ساتوں قبیلوں کے نو شریر لوگوں نے سرگوشی میں کچھ باتیں کیں پھر حضرت صالحؑ سے پوچھا "ہاں تو جناب! اس عجیب و غریب اونٹنی کے بارے میں تم مزید کیا کہو گے۔"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "اس علاقے میں پانی کی کمی ہے اور ہم سب کے پاس جانور بہت زیادہ ہیں۔ خدا اس اونٹنی اور اس کے بچے کے لیے ایک چشمہ نمودار کرے گا اس چشمے سے ایک دن اونٹنی پانی پیئے گی اور دوسرے دن تمہارے جانور اپنی پیاس بجھائیں گے۔ یہ باریاں خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں اور ان میں تمہاری طرف سے زیادتی نہیں ہونا چاہیے۔"

حاکم شہر نے پوچھا "اور اگر اس میں کبھی تبدیلی کر دی گئی اور ہمارے جانور بھی اس اونٹنی کے ساتھ پانی پینے کے لیے چشمے پر پہنچ گئے تو تمہارا خدا کیا کرے گا۔"

حضرت صالحؑ نے کہا "کیا کرے گا' میں تمہیں قبل از وقت کیا بتاؤں لیکن تمہاری تباہی اور بربادی یقینی ہو جائے گی۔"

ایک دولت مند سردار نے ان سب سے کہا "یہ شخص تو بہکی بہکی باتیں کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ پتا نہیں یہ ہمیں ہر وقت کیوں ڈراتا رہتا ہے۔"

حضرت صالحؑ نے جواب دیا "اے برادرانِ قوم! یہ تم مجھ پر دیوانگی کا بہتان کیوں باندھ رہے ہو حالانکہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل ہوں اور اس نے مجھے اپنے یہاں سے نبوت کی نعمت بخشی تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری کون مدد کرے گا۔ تم لوگ تو کفر کی باتوں سے میرا نقصان کرتے ہو۔"

کاہن نے اپنی قوم کی طرف سے کہا "تم یہ کہتے ہو کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے یہاں تک کہ ہڈیوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا تو ہم ہزاروں سال بعد زمین سے نکالے جائیں گے اور ہمارا حساب کتاب ہوگا۔ میں اپنی قوم کی طرف سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ایسی باتیں کرنا چھوڑ دو۔"

حضرت صالحؑ نے مختصر جواب دیا "تم نے ہم سے معجزہ کی دلیل مانگی اور تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل آگئی ہے۔ یہ خدا کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے دلیل ہے اور خدا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سب کو آگاہ کروں کہ پانی کی باری جو مقرر کر دی گئی ہے تو باری والے کو اپنی باری پر آنا چاہیے۔ اس کو کوئی تکلیف نہ دینا' نہیں تو تم کو سخت عذاب آپکڑے گا۔" ساتوں قبیلوں کے نو شریر لوگوں کو جندع بن عمرو اور حضرت صالحؑ پر ایمان لانے والے لوگوں پر غصہ آ رہا تھا ان کی وجہ سے بہت سے غریب مگر سمجھ دار لوگ حضرت صالحؑ کی طرف راغب ہو رہے تھے چنانچہ اب یہ شریر لوگ حضرت صالحؑ کے بجائے ان کے ماننے والوں سے الجھنے لگے اور انہوں نے چالاکی سے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان سب سے کہا "تم لوگ ہمیں دیکھو پہچانو اور بتاؤ کہ ہمارے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

جندع بن عمرو نے کہا "تم سب سردارانِ قبیلہ ہو اور تم میں حاکم اور کاہن بھی موجود ہیں' حاکم

حکومت کرتا ہے اور کاہن تمہارے دینی معاملات میں تمہاری مدد اور رہنمائی کرتا ہے بس ہم تمہارے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں۔"

حاکم نے سردارانِ قبیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہم سب میں سب سے زیادہ عقل مند لوگ ہیں اور یہ ہم سب کے نظم و نسق کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔"

جندع بن عمرو نے پوچھا "تم لوگ اپنے سوال اور ہمارے جواب سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

ایک سردار انتہائی رعونت سے آگے بڑھا اور حضرت صالحؑ کے ماننے والوں سے متکبرانہ مخاطب ہوا "کیا ہم اپنی دولت اور علم و دانش کے باوجود جو بات آج تک نہیں سمجھ سکے وہ تم جیسے ذلیل انسانوں کی سمجھ میں آگئی اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ صالح ہادی برحق اور مرسل من اللہ ہیں۔"

حضرت صالحؑ کے ایک ماننے والے نے جواب دیا "معلوم ہونا کیا معنی ہمیں تو پورا یقین ہے کہ صالحؑ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں اور تم لوگ جو انکار کر رہے ہو، وہ تمہارے شک اور بدگمانی کے نتیجے میں ہے جب کہ ہمارا اقرار اثبات یقین و بصیرت کی آواز ہے۔"

حضرت صالحؑ کے غریب ماننے والے جب اس طرح بے باکی سے جواب دے رہے تھے تو یہ مال دار لوگ دولت کے غرور میں چیخ اٹھے "تم جیسے ذلیل اور خستہ حال لوگوں کے ایمان اور اقرار سے کیا ہوتا ہے۔ ہم لوگ تو قبیلوں کے سردار اور قوم کی عزت ہیں اس لیے ہم صالح کی پیغمبری تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔"

حضرت صالحؑ نے ان سب کی عقلوں پر افسوس کیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو پہلے مجھ سے معجزہ طلب کر رہے تھے اور جب انہیں ان کی مرضی کے مطابق معجزہ دکھا دیا گیا تو یہ پھر بھی انکار کر رہے ہیں۔ حضرت صالحؑ نے کہا "مجھے اپنا کام جاری رکھنے دو۔ اگر تم آج ایمان نہیں لاتے تو کل تم میری نبوت کے قائل ہو جاؤ گے۔"

حاکم نے کہا "اے صالح! تم نادار اور غریبوں کو ورغلاتے رہو کیونکہ ان کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں انہیں تمہارا سہارا مل گیا ہے تو وہ یہاں تم سے باتیں کر کے سکون حاصل کر لیتے ہیں۔"

○☆○

یہ اونٹنی دیکھنے میں اتنی خطرناک لگتی تھی کہ جب وہ جنگل میں چرنے جاتی تھی تو جنگل کے جانور خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے تھے۔

یہ اونٹنی خود ہی اپنی باری پر چشمے پر جاتی تھی اور اس کا بہت سا پانی پی جاتی تھی۔

جب دوسرے مویشیوں کی دوسرے دن باری آتی تھی تو وہ اپنے جانوروں کو بہت زیادہ پیاسا پاتے تھے اور انہیں بہت جلد باریوں سے اختلاف ہو گیا اور یہ سب اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی دن موقع پا

کے اس اونٹنی کو ختم کر دیا جائے۔ جب حضرت صالحؑ کو بھی محسوس ہونے لگا کہ اونٹنی کے ساتھ ان کا رویہ معاندانہ ہے تو آپؑ نے ان سب کو اکٹھا کر کے انہیں پھر وہی تلقین کی "لوگو! میری طرف دیکھو، میری بات غور سے سنو اور اس پر ایمانداری سے عمل کرو۔ مجھے شبہ ہے کہ تم لوگ اونٹنی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہو جس دن تم لوگوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کیا، اس کے تیسرے دن تم پر ایک ایسا عذاب نازل ہو گا کہ تم میں سے کوئی بھی اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گا۔"

سردارانِ قبیلہ، کاہن اور حاکم صرف اس لیے حضرت صالحؑ سے جھگڑا نہیں چاہتے تھے کہ وہ ایک معزز خاندان کے فرد تھے اور اگر انہیں یا ان کی اونٹنی کو نقصان پہنچایا گیا تو ان کا قبیلہ جنگ و جدل پر آمادہ ہو جائے گا۔

ان سرداروں میں سے ایک ایسا سردار بھی تھا جو دوسرے سردار کی بیٹی پر عاشق تھا اور کسی بھی طرح اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا۔ اس سردار کا نام ممیا تھا۔

عاشق سردار کا نام مصدع بن مہرج تھا۔

کاہن اور حاکم نے یہ بعد مشورہ فیصلہ کیا کہ اگر حضرت صالحؑ اور اونٹنی کو نقصان پہنچانا ہے تو اس کام کے لیے عورتوں کو آگے بڑھایا جائے۔

ممیا اپنی بیٹی کی شادی مصدع بن مہرج سے نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن حاکم اور کاہن نے بنت ممیا کو خاموشی سے بلوا کے کہا "تم جانتی ہو کہ صالح مضبوط ہوتا جا رہا ہے اور بہت سے لوگ اس پر ایمان لا چکے ہیں اور بہت سے ایمان لانے والے ہیں اگر صالح اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں اور تمہارے باپ کو کوئی نہیں پوچھے گا۔"

بنت ممیا نے پوچھا "تب پھر آپ مجھے بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ صالح اپنی حد میں رہے اور قوم ان پر توجہ دینا چھوڑ دے اور اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

اسے مشورہ دیا گیا کہ دیکھو یہ کام عورتوں کے ذریعے مردوں سے لیا جا سکتا ہے۔

بنت ممیا کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آخر یہ شخص کہنا کیا چاہ رہا ہے۔

بنت ممیا کو مشورہ دیا "تو خوب جانتی ہے کہ مصدع بن مہرج تجھ پر بری طرح عاشق ہے تو اسے یقین دلا دے کہ اگر مصدع بن مہرج تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو پہلے صالح کی اونٹنی کو ہلاک کر دے۔ اس کے بعد اگر موقع ملے تو صالح کو بھی قتل کر دیا جائے۔"

شہر میں عنیزہ بنت غنیم نامی ایک چالاک اور عیارت عورت بھی رہتی تھی۔ اس کی کئی نوجوان بیٹیاں اپنے حسن میں جواب نہیں رکھتی تھیں۔ سالف کا بیٹا قدار ان لڑکیوں کی طرف بہت مائل تھا اور چاہتا تھا کہ کسی ایک سے اس کی شادی کر دی جائے۔ مفسدین شہر نے عنیزہ کو مشورہ دیا کہ قدار بڑی

ہمت والا جوان ہے اور مصدع بن مہرج، قدار کا گہرا دوست ہے۔ وہ بھی ایک سردار کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کے سامنے لڑکی کے باپ نے شرط رکھی ہے کہ اگر مصدع، حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو ہلاک کردے تو وہ اپنی بیٹی کی شادی مصدع سے کردے گا۔ اب تم بھی اس کے سامنے شرط رکھ دو کہ میری جس بیٹی سے چاہو شادی کرلو مگر پہلے صالح کی اونٹنی کا کام تمام کرنا ہوگا۔"

شہر کے جن نو اشرار کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے ان میں مصدع بن مہرج اور قدار بن سالف کو شامل کیا گیا ہے۔

یہ دونوں آپس میں دوست تھے۔ انہوں نے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ساتوں شریروں سے بھی مشورہ کیا تو ان سب نے یہی مشورہ دیا کہ یہ بہترین وقت ہے کہ اب اونٹنی کا کام تمام کردیا جائے۔ قرآن پاک میں اس مشورے اور سازش کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"یہ نو اشرار کہنے لگے کہ خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ یہ تو اس کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں کہ وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔" (سورہ نمل ۴۹-۵۰)

کہتے ہیں کہ جب یہ دونوں اونٹنی کو قتل کرنے کی نیت سے ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھے تو ان کے ساتھ سات شری بھی موجود تھے۔

یہ وقت اونٹنی کے پانی پینے کا تھا۔ اونٹنی پانی پیتی رہی اور دونوں نے اتنی دیر میں منصوبہ بنالیا کہ اسے کس طرح ہلاک کیا جائے۔

مصدع نے تیر کمان سنبھالا اور جیسے ہی اونٹنی پانی پی کر پلٹی مصدع بن مہرج نے اونٹنی کی پنڈلی پر تیر مارا اور یہ تیر اس کی ہڈی کو توڑ کر دوسری طرف نکل گیا۔ اونٹنی گر گئی اور تڑپنے لگی۔

اب قدار بن سالف کی باری تھی اس نے آگے بڑھ کر تلوار سے اونٹنی کے اگلے دونوں پاؤں کاٹ دیئے۔ اس کے بعد دونوں نے اپنے نیزوں سے اس کے سینے کو چھید ڈالا۔ اونٹنی کچھ دیر بعد مرگئی۔

حضرت صالحؑ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؑ نے ان لوگوں سے کہا "اے قوم میں نے تمہیں جس کام سے منع کیا تھا وہ تم کر گزرے اب دیکھو تم پر اللہ کس قسم کا عذاب نازل کرتا ہے۔"

اب تو مفسدین اونٹنی کی ہلاکت کے بعد بہت دل گیر ہوگئے تھے۔ حضرت صالحؑ سے کہنے لگے "اے صالح! تم تو کہتے تھے کہ اگر اونٹنی کو کسی نے نقصان پہنچایا تو قوم پر عذاب نازل ہوگا تو بتاؤ کہ اب وہ عذاب ہم پر کب نازل ہوگا۔ صالح جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے، اگر تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو تو اسے ہم پر لے آؤ۔"

حضرت صالحؑ نے فرمایا "اے قوم تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو۔ تم خدا سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ وہ تم پر رحم کھائے۔"

قوم نے ان کا نرم اور لطف رافت کا یہ جواب سنا تو کہا "تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لیے شگون بد ہو۔"

حضرت صالحؑ نے فرمایا "تمہاری بدشگونی خدا کی طرف سے ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے۔"

مفسدین نے یہ سمجھا کہ حضرت صالحؑ لاجواب ہوچکے ہیں تو آپس میں یہ طے کیا کہ اب ہم سب کل رات مل کر ان کے مکان پر ٹوٹ پڑیں گے اور گھر والوں میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں اور پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہوا تو کہہ دیں کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کیونکہ ہم موقع ہلاکت پر موجود نہیں تھے۔

جس روز اونٹنی کو ہلاک کیا گیا تھا۔ حضرت صالحؑ نے اس کے تیسرے دن عذاب کے نازل ہونے کی خبر دی تھی اور آپ خود اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ جاتے جاتے وہ یہ کہہ رہے تھے "اے قوم کس لیے تم اپنی بربادی کے آرزومند ہو رہے ہو۔ بربادی کے لیے عجلت کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کیوں نہیں مانگتے۔ ہوسکتا ہے کہ توبہ کرلینے سے وہ بجائے عذاب کے تم پر اپنی رحمت نازل کردے۔"

تیسرے دن یہ عذاب اس صورت میں نازل ہوا کہ نیچے سے تو سخت زلزلہ آیا اور اوپر سے ایک انتہائی ہولناک چیخ سنائی دی۔ اس چیخ میں زہرہ گداز کڑک بھی شامل ہوگئی جس سے ان سب کے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص ابوزغال زندہ بچ گیا تھا کیونکہ اس وقت وہ حرم میں تھا۔ حرم سے نکلنے کے بعد وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ اس کی قبر طائف میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ قبر دکھائی تھی اور فرمایا تھا "اسے دیکھو خوف کرو اور روتے رہو۔"

عربوں کے تجارتی قافلے حجاز سے شام جاتے تھے وہ ان کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے۔

مسند امام احمد بن حنبل، مسند حاکم اور صحیح بخاری وغیرہ کی روایتوں کے مطابق تبوک جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا گزر جب حضرت صالحؑ کی قوم ثمود کی ویران بستی پر ہوا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی پیدائش اور چلنے پھرنے کی جگہ دکھائی اور وہ جس چشمے سے پانی پیتی تھی اسے بھی دکھایا اور آپؐ نے فرمایا کہ اونٹنی والے چشمے سے پانی کے سوا دوسرے کسی کنوئیں کا پانی استعمال نہ کرنا اور جب تک اس بستی سے گزر نہ جاؤ استغفار کرتے رہو۔

بعض صحابیوں نے دوسرے کنوؤں کے پانی سے جس قدر آٹا گوندھ لیا تھا وہ آپؐ نے پھنکوا دیا۔

حضرت ابن آبن عاصمؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! ہم یہ آٹا پھینکنے کے بجائے اونٹوں کو کیوں نہ کھلا دیں؟"

آپؐ نے اجازت دے دی مگر کسی آدمی کو نہیں کھانے دیا۔

○☆○

ایک بے مثال صابر و شاکر بندے۔ اُنہیں غیر معمولی عقل بھی عطا ہوئی تھی۔ عقل جو بھیس بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی حالات اور وقت کے مطابق روپ دھار لیتی ہے۔ حضرت ایوبؑ کے سامنے بے بس ہوگئی۔

ایک ایسا نام جس سے ساڑھے تین ہزار سالوں سے انسان واقف ہے۔ مگر اس کے حالات سے واقف نہیں۔ قرآن پاک میں اس کا اجمالاً ذکر ہے۔ اس کا مظلوم احوال، سفر نامۂ ایوبؑ شعر و ادب کا قدیم ترین عربی شاہکار ہے۔ یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ گوئٹے کے فائوسٹ کا بنیادی تخیل اسی سفر نامے سے اخذ کیا گیا ہے۔

ایک خاص انسان خواص و عوام کی آگہی کے لئے ہم سب کے سامنے سوال و جواب کے شہ پارے، ایمانی استقامت کے شاندار مناظر، دلچسپ واقعات کے پُر اثر کچوکے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

(1600ق م)

صبرِ ایوبؑ مثالی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا نے متفقہ طور پر یہ مان لیا ہے کہ صبر کی حدیں حضرت ایوبؑ پر ختم ہوتی ہیں' جہاں حضرت ایوبؑ کا نام لیا گیا وہیں ذہن فوراً صبر و شکر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن پھر وہی بات کہ حضرت ایوبؑ کا تعلق کہاں سے تھا' وہ کون تھے؟ انہیں آزمائش میں کیوں ڈالا گیا؟ یہ انتہائی مصیبتوں میں بھی کس طرح اللہ کے انتہائی صابر و شاکر بندے رہے اور انہیں کس کس طرح ورغلانے یا بہکانے کی کوششیں کی گئیں مگر یہ پھر بھی کس طرح اللہ کی مشیت کے قائل رہے اور کسی حال میں بھی اللہ سے شکایت نہیں کی یعنی نہ تو اللہ کی شکایت کسی انسان سے کی اور نہ اپنے دکھوں کی شکایت اللہ سے کی۔ حضرت ایوبؑ کے حالات بھی ایسے ہیں کہ ان کی آج کی انتہائی مادی زندگی میں تشہیر کی جائے۔

عرب میں ایک جگہ تھی عوض۔ یہ علاقہ عرب میں اس طرح واقع تھا کہ اس کی شمالی سرحد بابل سے مل جاتی تھی اور جنوبی سرحد سبا تک چلی جاتی تھی۔ آج کل خلیج عمان کے ساحل پر جو عرب علاقہ ہے' یہیں کہیں عوض واقع تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کے ایک فرزند کا نام ارم تھا۔ ارم کے چار بیٹے تھے اور ان بیٹوں میں سے ایک کا بیٹا عوض تھا۔ یہ مذکورہ عوض اسی بیٹے کے نام پر آباد ہوا تھا۔

جب حضرت ابراہیمؑ کی نسل نے ادھر ادھر آباد ہونا شروع کیا تو حضرت ایوبؑ بھی عوض چلے آئے کیونکہ ان کا تعلق بھی حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھا۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ حضرت یوسفؑ کے بھتیجے تھے۔

حضرت یعقوبؑ کے ایک بیٹے کا نام اشکار تھا اور یہ اشکار حضرت یوسفؑ کی ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے۔ اشکار کے چار بیٹے تھے۔ تولع' فوہ' ایوب اور شمرون۔ گویا اس طرح یہ حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھتیجے تھے۔

عوض میں آباد ہو جانے کے بعد حضرت ایوبؑ نے بڑی ترقی کی۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق حضرت ایوبؑ اپنے زمانے کے نہایت دولت مند انسان تھے۔ سات ہزار بھیڑیں' تین ہزار اونٹ' ایک ہزار بیل اور پانچ سو باربرداری کے گدھے ان کی ملکیت تھے۔

اولاد میں تین بیٹیاں اور سات بیٹے خدا نے انہیں دے رکھے تھے۔ نوکر چاکر بھی بہت زیادہ تھے۔

اللہ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا تھا ان میں سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ نہایت راست باز انسان تھے۔ دین داری کا یہ عالم تھا کہ وہ جانوروں کی قربانیاں دیتے رہا کرتے تھے کہ شاید ان کی کسی بیٹے سے کوئی ایسی خطا سرزد ہو گئی ہو جس میں تکفیر کا پہلو موجود ہو۔

عہد نامہ قدیم کے مطابق شیطان حضرت ایوبؑ سے بے حد حسد کرتا تھا مگر انہیں ورغلانے میں ہمیشہ ناکام رہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن شیطان خدا کے روبرو حاضر ہوا تو خدا نے اس سے پوچھا "تو کہاں سے آیا ہے؟"

شیطان نے خداوند کو جواب دیا "زمین پر ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا اور خاصی سیر کرنے بعد یہاں آیا ہوں۔"

خداوند نے شیطان سے پوچھا "کیا تو نے میرے بندے ایوب کو بھی دیکھا' اس کے حال پر بھی کچھ غور کیا؟"

شیطان نے جواب دیا "ہاں میں نے اسے دیکھا بھی اور اس پر غور بھی کیا مگر میں اس کے بارے میں قطعی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

خداوند نے کہا "آج روئے زمین پر اس جیسا کامل اور راست باز کوئی دوسرا انسان نہیں' وہ مجھ سے ڈرتا ہے اور بدی سے نفرت کرتا ہے۔"

شیطان نے کہا "خداوند! تو نے اسے نوازا بھی تو بہت زیادہ ہے اور اس کے گھر کے چاروں طرف برکتوں کی باڑھ کھڑی کر رکھی ہے۔ تو نے اس کے ہاتھ میں برکت بخشی ہے کہ وہ جو خواہش کرتا ہے' پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے گلے بڑھ گئے ہیں۔ اب اگر اس سے نعمتیں چھین لی جائیں تب پھر دنیا دیکھے گی کو وہ کتنا راست باز اور صابر و شاکر بندہ ہے۔ اس کی پرہیزگاری اور خدا ترسی بے غرض نہیں ہے۔"

خدا نے شیطان کو اختیار دیا اور کہا "جو کچھ میرے بندے ایوب کے پاس ہے' اسے میں نے تیرے اختیار میں دے دیا مگر اس کی سوچ پر تجھے کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔"

شیطان حضرت ایوبؑ کی آزمائش کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا۔

حضرت ایوبؑ کے سات بیٹوں کا یہ دستور تھا کہ ہر ایک بیٹا ایک دن سب کی دعوت کرتا تھا اور چھ بھائی اس کے ساتھ مل کے کھاتے پیتے تھے۔ ان سات دنوں کی ضیافتوں میں ان کی تینوں بہنیں بھی

شریک ہو جاتی تھیں۔

ایسی ہی ایک ضیافت میں یہ سب یکجا ہوئے اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ نوکر چاکر اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کوئی ہل چلا رہا تھا' کوئی بار برداری میں مشغول تھا کہ اچانک کھیتوں میں ان پر حملہ ہو گیا۔ نوکر چاکر مارے گئے اور جانور حملہ آور چھین کر لے گئے۔ ایک نوکر زندہ بچ گیا' اس نے حملہ آوروں کے لباس اور چہرے مہرے سے انہیں پہچان لیا کہ یہ جنوب میں واقع سبا سے آئے تھے۔

حملہ آوروں نے اتنی چالاکی اور ہوشیاری سے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی تھی کہ نوکروں میں سے ایک کے سوا کوئی بھی نہیں بچا اور سارے جانوروں کو وہ اپنے ساتھ لے گئے۔

زندہ بچ جانے والا نوکر ہانپتا کانپتا اور بے حد خوف زدہ حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا اور سامنے کھڑے ہو کر رونے لگا۔ حضرت ایوبؑ نے پوچھا "کیا ہوا! تو کیوں رو رہا ہے؟"

نوکر نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "مالک! کچھ نہیں بچا' وہ سب کچھ اپنے ساتھ لے گئے اور میرے ساتھی قتل کر دیے گئے۔"

حضرت ایوبؑ کے دل پر اس بری خبر کا اثر ہوا' پوچھا "وہ کون تھے اور انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

نوکر نے جواب دیا "میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ لٹیرے ملک سبا سے آئے تھے جو میرے ساتھیوں کو قتل کر کے سارے مویشی اپنے ساتھ لے گئے۔"

حضرت ایوبؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا "خدایا' یہ سب کچھ تیرا دیا ہوا تھا' میں تو اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ آیا تھا اور برہنہ ہی چلا جاؤں تو مجھے تجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

بقیہ نوکر چاکر کہیں دوسری جگہ بھیڑوں پر متعین تھے۔ انہوں نے آسمان سے آگ اترتے دیکھی۔ سب ہی نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی مگر ایک کے سوا سارے نوکر چاکر اور بھیڑیں آگ کی زد میں آ گئیں اور چشم زدن میں سب کچھ جل گیا۔ نہ نوکر بچے اور نہ سات ہزار بھیڑیں۔

زندہ بچ جانے والے اس دوسرے نوکر نے بھی رو رو کر اپنی روداد سنائی اور کہا "آگ کا یہ عذاب آسمان سے نازل ہوا تھا اور اس لیے آپ اللہ سے کہیں کہ آپ تو ایک راست باز انسان ہیں پھر یہ آپ کی املاک پر آسمان سے آگ کا عذاب کیوں نازل کیا گیا؟"

حضرت ایوبؑ نے اس زندہ بچ جانے والے نوکر کو منع کیا "تکفیر نہ کر۔ جب اللہ نے مجھے سات ہزار بھیڑیں دی تھیں تو اس وقت تم نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ سے پوچھوں کہ وہ مجھ پر اتنا مہربان کیوں ہے۔ اسی نے ازراہ کرم اور مہربانی سے سات ہزار بھیڑیں بخشی تھیں' اسی نے واپس لے لیں پھر گلہ شکوہ کس بات کا۔"

ابھی ان دو خبروں نے حضرت ایوبؑ کو بظاہر پریشان کیا تھا کہ تین ہزار اونٹوں کے گلّے پر بابلیوں نے

حملہ کر دیا۔ یہ تین الگ الگ بابلیوں کے غول تھے۔ یہاں بھی سارے نوکر چاکر قتل کر دیے گئے اور یہاں بھی تین ہزار اونٹ تینوں بابلی غول لے گئے۔ نوکر چاکر مارے گئے۔ ایک نوکر یہ بری خبر سنانے کے لیے زندہ بچ گیا اور بدحواس گھبرایا ہوا حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا اور کہا "اے میرے آقا! ہم کہیں کے بھی نہیں رہے۔"

حضرت ایوبؑ نے پوچھا "تیرے ساتھ کیا سانحہ پیش آیا' تو بے خوف بیان کر دے؟ خدا نے چاہا تو میں شکر کرنے والا ہی رہوں گا اور صبر کا دامن میرے ہاتھ سے نہیں چھوٹے گا۔"

نوکر نے ساری روداد غم بیان کر دی ور کہا "ان ظالموں نے اپنی دانست میں ہم سب کو قتل کروایا تھا مگر میری زندگی تھی کہ میں بچ گیا سارے اونٹ بابلی لٹیرے اپنے ساتھ لے گئے۔"

حضرت ایوبؑ نے پھر کلمہ صبر و شکر ادا کیا اور نوکر سے کہا "میں برہنہ دنیا میں آیا تھا اور برہنہ ہی اس دنیا سے اٹھ جاؤں تو اس میں حیرت بات کیا ہو گی اور میں کس زبان سے خدا سے شکوہ کروں گا۔"

یہاں گھر سے دور یہ ساری مصیبتیں ٹوٹ رہی تھیں اور حضرت ایوبؑ کی اولاد ضیافت کے مزے اڑا رہی تھی۔ کھانے پینے میں وہ سب مشغول تھے کہ وہ اس اٹھنے والی آندھی کو نہ دیکھ سکے' جو بیابان سے ان کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔

ہواؤں کے طوفانی جھکڑوں کی آوازیں اس وقت ان کے کانوں میں پڑیں جب یہ طوفانی تھپیڑے ان کے مکان کی دیواریں اور چھتیں اڑانے لگے۔

ایک چالاک نوکر بھاگ نکلا اور اس کے نکل جانے کے فوراً بعد ہی دیواریں گرنا شروع ہو گئیں اور چھتیں بیٹھ گئیں۔ چھت کے نیچے جو بھی تھا' ہلاک ہو گیا۔

یہ زندہ بچ جانے والا نوکر حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا اور جو کچھ اس نے دیکھا تھا یا جو کچھ اس کی سمجھ میں آیا تھا' اس سے اس نے اپنے آقا حضرت ایوبؑ کو خبردار کر دیا "میرے آقا! خدا ایسا غم کسی کو بھی نہ دے۔ آپ کی جملہ اولاد آپ سے چھین لی گئی اس لیے سب کے غم میں آپ جتنے بھی آنسو بہائیں' کم ہیں۔"

حضرت ایوبؑ نے اس بار بھی خدا کا شکر ادا کیا اور کہا "یہ اولاد بھی اسی کی دی ہوئی تھی۔ دی تو سالوں میں تھی اور واپس پلک جھپکتے لے لی۔ جس طرح وہ اولاد دینے میں صاحب اختیار تھا اسی طرح واپس لینے میں بھی وہ صاحب اختیار ہے پھر میں اپنے مصائب کی شکایت کیوں اور کس سے کروں؟"

نوکر نے عرض کیا "مالک! یہ تو آپ کے ساتھ زیادتی ہو گئی۔ اپنے خدا سے کہیں کہ وہ آپ کو مزید آزمائش میں نہ ڈالے۔"

حضرت ایوبؑ نے اپنے ملازم کو منع کیا "دیکھ آئندہ تو خدا کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں

کرے گا کہ خدائی کارخانے میں کسی کو دم مارنے کا اختیار نہیں دیا گیا' جا اپنا کام کر۔"

اس کے بعد حضرت ایوبؑ نے اٹھ کر اپنا پیراہن چاک کیا اور سر کے بال کٹوا دیے پھر زمین پر گر کے سجدہ کیا اور کہا "خداوند! سب جانتے ہیں کہ میں اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا نکلا تھا اور ننگا ہی واپس جاؤں گا۔ تو نے جو کچھ مجھے دیا تھا وہ واپس لے لیا' تیرا نام مبارک ہے۔"

بیوی کو یہ ساری خبریں بہت بعد میں ملیں۔ انہوں نے حضرت ایوبؑ سے کہا "تم تو بڑے پاک اور راست باز تھے مگر تمہارے خداوند نے تم سے یہ کیسا سلوک کیا۔ کیا تم اب بھی خداوند کے شکر گزار رہو گے؟"

حضرت ایوبؑ نے بیوی کو منع کیا کہ وہ خداوند کی شان میں تکفیر نہ کرے۔

بیوی نے روتے ہوئے جھگڑنے کے انداز میں کہا "تم تو اپنے رب کے بڑے شکر گزار بندے تھے۔ اس نے تمہاری شکر گزاری کا یہ صلہ دیا کہ مویشیوں' نوکروں اور اولاد سے محروم کر دیا۔ اب تمہارے پاس خداوند کی شکر گزاری کے لیے کچھ بھی نہیں رہا۔ تم سے اچھے تو وہ لوگ ہیں جو تمہارے خداوند کے بجائے دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔"

حضرت ایوبؑ نے دل شکستہ لہجے میں کہا "بیوی! تو اپنی ذات پر ظلم کر رہی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس تکفیر کا تجھ پر عذاب نازل ہو۔ ایسے میری طرف دیکھ کہ میں اب بھی صحت مند ہوں اور اس صحت مندی پر شکر گزار ہوں۔"

شیطان حضرت ایوبؑ کی راست بازی اور شکر گزاری پر بہت مغموم تھا۔ وہ اب بھی یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ حضرت ایوبؑ روئے زمین کے سب سے زیادہ راست باز اور اللہ کے شکر گزار بندے ہیں۔ بیوی سے جو باتیں ہوئیں وہ بھی شیطان نے سنیں مگر وہ اب بھی یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ حضرت ایوبؑ ہر حال میں اللہ کے شکر گزار بندے رہیں گے۔

شیطان دنیا بھر کی سیر کرنے کے بعد خدا کے روبرو پہنچا تو خداوند نے اس سے پوچھا "تو کہاں سے آ رہا ہے؟"

شیطان نے جواب دیا "خداوند! میں زمین پر ادھر ادھر گھومتا پھرتا رہا' اب یہاں آ گیا ہوں۔"

خداوند نے شیطان سے پھر وہی سوال کیا "تو نے میرے بندے ایوب کے حال پر بھی کچھ غور کیا کیونکہ زمین پر اس جیسا کامل اور راست باز دوسرا کوئی آدمی نہیں۔ وہ مجھ سے ڈرتا ہے اور بدی سے دور رہتا ہے حالانکہ اس کا مال و اسباب ضائع کر دیا گیا۔ اولاد بھی ہلاک کر دی گئی۔ اس کے نوکر چاکر بھی یا تو قتل ہوئے یا کسی اور طرح ہلاک ہوئے' مویشی چھن گئے۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس حال میں بھی میرا شکر گزار ہے اور اپنی راستی پر قائم ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اس کی بیوی ہمت ہار گئی اور صبرو

شکر کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا مگر وہ ایوب کو جادہ استقامت سے نہ ہٹا سکی۔ وہ اب بھی میرا شکر گزار ہے۔"

شیطان نے کہا "اے خداوند! اس کے صبرو شکر کے مراحل اس وقت تک طے نہ ہوں گے جب تک وہ صحت مند ہے۔ اگر اس کی کھال اور گوشت' ہڈی کو چھوڑ دے تب میں دیکھوں گا کہ وہ کس طرح تیرا شکر ادا کرتا ہے' آدمی اپنا سارا مال اپنی جان پر قربان کر دیتا ہے۔"

خداوند نے کہا "میں نے پہلے ایوب کے مال و اولاد پر تجھے اختیار دیا تھا اب تو ایوب کی صحت برباد کرنا چاہتا ہے' جا میں نے تجھے اختیار دیا ایوب کی صحت کو برباد کر دے مگر یہ خیال رہے کہ میں نے ایوب کی صحت تیرے اختیار میں دے دی مگر اس کی جان تیرے اختیار میں نہیں دی ہے۔"

شیطان وہاں سے چلا آیا اور حضرت ایوبؑ کے پاس آ گیا۔ ان کو ایک ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا کہ ان کے سارے جسم پر آبلے نمودار ہو گئے۔

حضرت ایوبؑ کے پاس اس بیماری کا کوئی علاج نہ تھا۔ تلوے سے لے کر سر تک پھوڑے نمودار ہو گئے تھے۔

بیوی نے جو یہ حال دیکھا تو پوچھا "تم کس خدا کے شکر گزار ہو' وہی نا جس نے تم کو اس مہلک مرض میں مبتلا کر دیا۔ کیا تم اب بھی اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہو گے؟"

حضرت ایوبؑ نے جواب دیا "بیوی! تو بیماری کی بات کرتی ہے۔ جب میں صحت مند تھا تو خدا کی عطا کی ہوئی تندرستی تھی اب مجھے بیماری کا دکھ دیا گیا ہے تو جب تک جان ہے میں اپنے رب کا شکر گزار رہوں گا۔"

بیوی کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا "کمال ہے کہ اب بھی تمہارا خدا پر ایمان اور بھروسا ہے۔ میں کہتی ہوں اس مصیبت کے جینے سے تو خدا کی ناشکری کر کے مر جانا بہتر ہے۔"

حضرت ایوبؑ نے بے حد دکھ سے کہا "تو کیسی بے وقوف عورت ہے۔ جو مجھے گمراہ کرنا چاہتی ہے۔ جب خدا کی طرف سے ہم پر نعمتیں اور برکتیں آئیں تو ان کو ہم نے خوشی خوشی لے لیا اب اگر ہم پر مصیبت ڈالی گئی ہے تو ہم اسے صبرو شکر سے کیوں نہ جھیلیں۔"

بیماری نے اتنی خوفناک شکل اختیار کر لی کہ حضرت ایوبؑ نے اپنے آگے راکھ کا ڈھیر لگا لیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے اور ایک ٹھیکرے سے جسم کو کھجانا شروع کر دیا۔

صحت اتنی برباد ہوئی کہ روز کا دیکھنے والا بھی انہیں دیکھتا تو نہ پہچان پاتا۔

جو لوگ حضرت ایوبؑ سے واقف تھے وہ انہیں دیکھ دیکھ کر آپس میں کہتے تھے کہ یہ تو اللہ کا بڑا راست باز بندہ تھا پھر اس پر مصیبت کیوں نازل ہوئی۔ انہیں یہ دیکھ دیکھ کر اور حیرت ہوئی تھی کہ اس

اس حال میں بھی حضرت ایوبؑ کی زبان سے حمد و شکر کے سوا کوئی کلمہ ادا نہ ہوتا تھا۔

عزیز رشتے دار اور ملنے جلنے والے کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے مگر بیوی اس حال میں بھی حضرت ایوبؑ کی رفیق تھیں۔ حالانکہ انہوں نے بیوی کو جھڑک دیا تھا۔ بالآخر بیوی کو بھی لوگوں نے ورغلایا اور انہوں نے بھی حضرت ایوبؑ سے دوری اختیار کرلی۔

کہیں دور حضرت ایوبؑ کے تین دوست رہتے تھے۔ ان تینوں کے نام تھے الی فزتیمانی' بلدوسوخی اور ضوفر نعماتی۔ انہیں کسی نے بتایا کہ ان کے دوست حضرت ایوبؑ پر ایسی مصیبت آئی ہے کہ انہیں جو دیکھتا ہے' اسے افسوس ہوتا ہے۔ اولاد' نوکر چاکر' مویشی ہلاک ہو گئے' املاک برباد ہو گئی اور ایک خطرناک بیماری نے ان کی صحت برباد کر دی۔ لوگ کہتے ہیں کہ عزیزوں اور رشتے داروں کے ساتھ ہی ان کی بیوی نے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ وہ تینوں اپنے دوست کے پاس جائیں اور اس کی خبر لیں۔"

تینوں دوست حضرت ایوبؑ کی غمگساری' عیادت اور تعزیت کے لیے اپنے شہروں سے چل پڑے۔ حضرت ایوبؑ کے شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھا "ہمارا دوست ایوب کہاں ہے؟ سنا ہے وہ مصیبت میں ہے۔"

لوگوں نے تینوں کو حضرت ایوبؑ کے سامنے مگر دور لے جا کر علیحدگی اختیار کی اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ جو راکھ کے ڈھیر پر بیٹھا ٹھیکرے سے جسم کو کھجا رہا ہے وہی ایوب ہے۔"

تینوں دوستوں نے دور ہی سے حضرت ایوبؑ کو دیکھا اور انہیں پہچان نہ سکے۔ تینوں کو بڑا دکھ پہنچا۔ وہ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ ہر ایک نے اپنا پیراہن چاک کر ڈالا اور سر کے اوپر دھول ڈالی۔ اس کے بعد تینوں حضرت ایوبؑ کے پاس گئے اور خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے تینوں گونگے ہوں۔"

اسی حال میں سات دن اور سات راتیں گزر گئیں۔ آخر حضرت ایوبؑ نے سکوت توڑا اور کہا "دوستو! نابود ہو وہ دن جس دن میں پیدا ہوا تھا۔ وہ رات بھی جس میں کہا گیا تھا کہ دیکھو بیٹا پیدا ہوا۔

"وہ دن تاریک ہو جائے اور خدا اس کا لحاظ نہ کرے اور نہ اس پر روشنی پڑے۔ اس پر بدلی چھاؤں رہے' اندھیرے اور موت کا سایہ اس پر قابض ہو جائے۔

"وہ رات بانجھ ہو جائے۔ اس میں خوشی کی کوئی صدا نہ آئے۔ اس کی شام کے تارے تاریک ہو جائیں۔

"میں نے پیٹ سے نکلتے ہی جان کیوں نہ دے دی۔ دکھیارے کو روشنی اور تلخ جان کو زندگی کیوں ملتی ہے؟ جو موت کی راہ دیکھتے ہیں پر وہ نہیں آتی۔ حالانکہ چھپے خزانوں سے زیادہ وہ نیند کے جویا ہوتے ہیں۔ وہ نہایت شادمان اور خوش اس وقت ہوتے ہیں جب قبر کو پا لیتے ہیں۔ مجھے دیکھو میرے کھانے کی

جگہ میری آہیں ہیں۔ میرا کراہنا آبلوں کے پانی کی طرح جاری ہے۔ دوستو! جس بات سے میں ڈرتا ہوں' وہی مجھ پر آتی ہے اور جس بات کا مجھے خوف ہوتا ہے وہی مجھ پر گزرتی ہے کیونکہ مجھے نہ چین ہے نہ آرام' نہ مجھے کل پڑتی ہے بلکہ مصیبت ہی آتی ہے۔"

حضرت ایوبؑ کے تینوں دوست یہ سب سنتے رہے۔ آخر تیمانی سے نہ رہا گیا اور اس نے کہا "ایوب! اگر کوئی تجھ سے بات چیت کرنے کی کوشش کرے تو کیا تو رنجیدہ ہو گا؟ میں بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایوب! دیکھ تو نے بہتوں کو سکھایا۔ کمزور ہاتھوں کو مضبوط کیا۔ تیری باتوں نے گرتے ہوئے لوگوں کو سنبھالا اور تو نے لڑکھڑاتے گھٹنوں کو پائیدار کیا۔ پر اب تو تجھی پر آ پڑی ہے اور تو بے دل ہوا جاتا ہے۔

"اس نے تجھے چھوا اور تو گھبرا اٹھا۔ کیا تیری خدا ترسی ہی تیرا اعتماد نہیں ہے؟ کیا تیری راہوں کی راستی تیری امید نہیں ہے۔ ذرا یاد کر کہیں کبھی کوئی معصوم تیرے ہاتھوں ہلاک تو نہیں ہوا۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ راست باز بھی کاٹ ڈالے گئے ہوں۔ میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ جو گناہ کو جوتتے ہیں اور دکھ بوتے ہیں' وہی اس کو کاٹتے ہیں۔ ببر شیر کی گرج اور اس کی دہاڑ جو خونخوار ہوتا ہے تو اس کے اپنے دانت اور بچوں کے دانت یہ سب توڑے جاتے ہیں۔

"دوست! ایک بات چپکے سے میرے پاس پہنچائی گئی اور پھر میں نے ایک آواز سنی۔ کسی نے مجھ سے پوچھا "کیا فانی انسان خدا سے زیادہ عادل ہو گا' کیا آدمی اپنے خالق سے زیادہ پاک ٹھہرے گا؟ سوچ ان کی حقیقت ہی کیا جو مٹی کے مکانوں میں رہتے ہیں۔ میں نے بے وقوف کو جڑ پکڑتے دیکھا ہے۔"

حضرت ایوبؑ نے ایسا محسوس کیا کہ ان کا دوست ان سے کہہ رہا ہے کہ جب انہوں نے کوئی بدی نہیں کی تو ان پر یہ عذاب کیوں نازل ہوا۔ دنیا میں تو یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو بویا جاتا ہے اسی کی فصل تیار ہو جاتی ہے' انہیں یاد آئے نہ آئے مگر اسے یہی لگتا ہے کہ انہیں کسی گناہ کی پاداش میں یہ سزا دی گئی ہے۔

حضرت ایوبؑ کو اس کا دکھ تھا کہ ان کا دوست ان پر اعتبار نہیں کر رہا ہے' کہنے لگے "دوست! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں نے اپنے علم اور یادداشت میں ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی پاداش میں مجھے یہ سزا دی گئی ہو۔ یہ سب وقت کی باتیں ہیں' میں ہر حال میں خوش ہوں۔ جب خدا مجھ پر مہربان تھا تو میں اندھیرے میں اس کے نور کے ذریعے چلتا تھا۔ جب خدا کی خوشنودی میرے ڈیرے پر تھی تو میرے پاؤں مکھن سے دھلتے تھے اور چٹان میرے لیے تیل کی ندیاں بہاتی تھی۔ جب میں شہر کے پھاٹک پر جاتا یا اپنے لیے چوک میں بیٹھک تیار کرتا تھا نوجوان مجھے دیکھتے ہی چھپ جاتے تھے۔ عمر رسیدہ لوگ میرے احترام میں اٹھ کھڑے ہو جاتے تھے۔ امرا بولنا بند کر دیتے تھے۔ ان دونوں جو کان میری کوئی بات سن لیتا

تھا تو مجھے مبارک باد دیتا تھا کیونکہ بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ میں غریب کو جب وہ فریاد کرتا تھا' چھڑاتا تھا۔ جس یتیم کا کوئی نہ ہوتا تھا' اس کا میں مددگار بن جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہلاک ہونے والا مجھے دعائیں دیتا تھا۔ میں بیوہ کو اتنا خوش کر دیتا کہ وہ ہنسنے لگتی اور کبھی گانے بھی لگتی۔ میں نے ہمیشہ صداقت کو پہنا ہے اور کون نہیں جانتا کہ میرا انصاف گویا جبہ اور عمامہ تھا۔

"کون ہے جو نہیں جانتا کہ میں اندھوں کی آنکھیں تھا اور کسے نہیں معلوم کہ میں لنگڑوں کے لیے پاؤں تھا۔ میں محتاج کا باپ تھا اور میں اجنبی کے معاملے میں بھی تحقیق کرتا تھا۔ اگر اجنبی کسی طاقتور ظالم کا شکار ہوتا تھا تو میں ظالم کے جبڑے توڑ ڈالتا تھا اور اس کے دانتوں سے شکار چھڑا لیتا تھا۔"

مگر حضرت ایوب ؑ کے دوست اپنی عقل کے گمان میں یہی الزام لگاتے رہے کہ ان پر جو کچھ بیتی ہے یا بیت رہی ہے وہ کسی گناہ کا خمیازہ ہے۔ چنانچہ ان کے دوست بلدوسوخی نے حضرت ایوب ؑ سے کہا "کیا خدا بے انصافی کرتا ہے' کیا قادر مطلق عدل کا خون کرتا ہے؟"

"پتا نہیں تو میرے ان سوالوں کا کیا جواب دے مگر تو اگر پاک دل اور راست باز ہوتا تو اللہ تیرے لیے ضرور بیدار ہو جاتا اور تیری راست بازی کے مسکن کو تر و تازہ کر دیتا۔"

"ایوب تو تو بہت سمجھ دار انسان ہے' کسی گناہ کے بغیر تیری یہ حالت کیونکر ہو گئی؟ کیا ناگر موتھا بغیر کیچڑ کے اُگ سکتا ہے؟ کیا سرکنڈا پانی کے بغیر بڑھ سکتا ہے؟ مگر وہ کیچڑ اور پانی سے محروم ہو جائیں اور سرسبز و شاداب بھی رہیں' ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ انہیں کاٹا بھی نہ جائے تو بھی وہ اور پودوں سے پہلے سوکھ جاتے ہیں۔"

اے ایوب! ایسا ہی حال ان کا ہوتا ہے جو خدا کو بھول جاتے ہیں اور جب آدمی کے دل میں خدا نہ ہو تو اس کی امید ٹوٹ جاتی ہے۔ دل سے اعتماد رخصت ہو جاتا ہے۔ اگر دل میں کچھ ایمان ہو بھی تو وہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہوتا ہے۔"

حضرت ایوب ؑ نے یہ ساری باتیں بہت دکھ سے سنیں اور افسردہ لہجے میں کہا "دوست! تو نے جو کچھ کہا' وہ سب درست ہے مگر مجھے یہ بتا کہ انسان خدا کے نزدیک کس طرح راست باز ٹھہرتا ہے۔ اگر انسان عقل سے کام لے اور اللہ اسے بحث کرنے کی اجازت بھی دے دے تو یہ انسان ضعیف البیان اللہ کی ہزار باتوں میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دے سکے گا پھر میری کیا حقیقت ہے کہ میں اللہ سے اپنے مصائب کا سبب معلوم کروں اور جب اس کی طرف سے مجھے کوئی سبب بتایا جائے گا تو اس کو رد کرنے کے لیے چھانٹ چھانٹ کر دلیلیں نکالوں۔"

"دوست' میں خود کو حق پر سمجھنے کے باوجود اللہ سے شکوہ نہیں کر سکتا۔ اپنے بارے میں میں جانتا ہوں کہ کامل ہوں۔ پر میں اپنے کو کامل نہیں سمجھتا۔ زندگی بہت حقیر شے ہے اور اس کا مجھے یقین ہے مگر

دنیا پر غور کر کہ مجھ پر جو بیتی وہ تکلیف دہ ہے مگر دوسرے جو ناقص ہیں' بہت زیادہ خوش ہیں' تو میرا رب کامل اور شریر دونوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔"

تینوں دوستوں ان سے بحث کر رہے تھے۔ حضرت ایوب ؑ کے جوابات نہایت معقول اور مدلل تھے' تینوں کو ان کا قائل ہو جانا چاہئے تھا مگر وہ بحث کرتے رہے۔ تیسرے دوست ضوفر نعماتی نے کہا "ایوب' تو کہتا ہے کہ تیری تعلیم پاک ہے اور تو بے گناہ ہے مگر میں کس طرح مان لوں کہ تو بے گناہ ہے۔ کاش خدا خود بولے اور تیرے خلاف اپنے لبوں کو کھولے۔ تجھے اپنی حکمت کے اسرار دکھا دے۔ جان لے کہ تیری بدکاری جس لائق ہے' خدا نے اس سے کم ہی تجھ پر عذاب ڈالا ہے۔"

حضرت ایوب ؑ نے اپنے دوست کو سمجھا "ناقص العقل انسان مشیت الٰہی کے اسرار و علم نہیں سمجھ سکتا کیونکہ انسان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ انتہائی قلیل اور محدود ہے جبکہ مشیت الٰہی کے اسرار و حکم لامحدود ہیں' انسانی فہم اور ادراک سے بالاتر۔

"خدا میں سمجھ اور قوت ہے۔ اس کے پاس مصلحت اور دانائی ہے۔ اگر وہ ڈھا دیتا ہے تو پھر وہ بنتا نہیں۔ اگر وہ انسان کے دل و دماغ پر قفل لگا دیتا ہے تو پھر وہ کھلتا نہیں۔ جب وہ مینہ کو روک دیتا ہے تو پانی سوکھ جاتا ہے لیکن جب وہ باد و باراں کا لشکر بھیجتا ہے تو زمین کو الٹ دیتا ہے۔ اللہ میں جو قوت ہے اسی قوت نے طوفان باد و باراں کو طاقت اور تاثیر بخش دی ہے۔"

"دوست! فریب کھانے والا اور فریب دینے والا دونوں اس کے ہیں۔ وہ ایمان دار مشیروں کو لٹوا کر اسیری میں لے جاتا ہے اور عدالت کرنے والوں کو بے وقوف بنا دیتا ہے۔ بادشاہی اختیارات سلب کر لیتا ہے اور شاہی بندھنوں کو کھول ڈالتا ہے اور یہ اللہ ہی ہے جو بادشاہوں کی کمر پر پٹکا باندھتا ہے۔ وہی کاہنوں کو تباہ کر کے قید خانے میں لے جاتا ہے اور بڑے بڑے زبردستوں کو پچھاڑ دیتا ہے۔ جنہیں اپنی قوت گویائی پر بھروسا ہوتا ہے وہ اس قوت گویائی سے اسے محروم کر دیتا ہے۔ وہ صاحب اختیار امرا پر حقارتوں کی بارش کر دیتا ہے اور زور آوروں سے ان کے اختیارات لے لیے جاتے ہیں۔ وہ نامعلوم اتھاہ اندھیروں سے راز کی باتیں آشکار کر دیتا ہے۔ وہ قوموں کو بہت زیادہ ترقی دے کر ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ اللہ ہی ہے جو قوموں کو پہلے پھیلاتا ہے اور پھر انہیں سمیٹ لیتا ہے۔ بہت سے قوموں کے سرداروں سے ان کی عقلیں چھین لی جاتی ہیں۔ انہیں اندھیرے بیابان میں بھٹکنے کے لیے پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہاں انہیں راستہ نہیں ملتا اور روشنی کے بغیر تاریکی میں ٹٹولتے پھرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ ان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ شرابیوں کی طرح نشے کے بغیر ہی لڑکھڑاتے ہوئے چلتے ہیں۔

"اے میرے دوستو! میری آنکھ نے یہ سب کچھ دیکھا ہے اور میرے کانوں نے یہ سنا اور میری عقل نے سمجھ بھی لیا ہے۔"

تیمانی نے یہ ساری باتیں سنیں اور حیرت سے کہا "بہت خوب! ایسا لگتا ہے کہ تو نے خدا کی پوشیدہ مصلحتوں کو جان لیا ہے اور تجھے عقل مندی کے ٹھیکے دار ہونے کا یقین ہے۔ تو کن انسانوں کی بات کر رہا ہے۔ انسان ہے ہی کیا کہ وہ پاک ہو۔ وہ جو عورت سے پیدا ہوا اس کا کیا اعتبار کہ صادق ہو۔ یہ تو فرشتوں پر بھی اعتبار نہیں کرتا بلکہ آسمان بھی اس کی نظر میں پاک نہیں ہے۔ عام انسانوں سے قطع نظر اس کی بات کر جو گھناؤنا اور بہت برا ہے۔ یہ آدمی تو بدی کو پانی کی طرح پی جاتا ہے۔ شریر آدمی اپنے شر کی وجہ سے ساری عمر درد سے کراہتا ہے مگر اپنی شرارتیں نہیں چھوڑتا۔ اس کے مظالم کے ماہ و سال جو اسے دیئے گئے ہیں ان کے دل میں ڈراؤنے خدشات بن کر گونجتے رہتے ہیں' ان کے کانوں میں ضمیر کی ملامت داخلے کی راہ نہیں پاتی اور انہیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کی اقبال مندی پر غارت گر وقت اس طرح آپڑے گا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔ دولت مند مفلس ہو جائے گا اور ایسے ظالموں کی پیداوار زمین کی طرف بالکل رجوع نہ ہو گی اور اگر ایسے دانے زمین کی تہ میں پہنچ بھی گئے تو وہ ہمیشہ اندھیروں میں رہیں گے۔ اگر پودے نمودار ہو جائیں گے تو شعلے اس کی شاخوں کو جلا دیں گے کیونکہ وہ خدا کی عنایات اور لطف و کرم سے محروم کر دیا گیا ہے۔"

دوستوں کی باتیں حضرت ایوبؑ کو مسلسل دکھ پہنچا رہی تھیں۔ ایک تو مال و دولت اور مویشیوں کی بربادی' اولاد کی ہلاکت' نوکروں چاکروں کا قتل عام یہ دکھ کچھ کم تھے کہ صحت بھی چھین لی گئی۔ ایک دل و دماغ ابھی محفوظ تھے تو انہیں بھی دوستوں کی باتوں نے چھلنی کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا "دوستو! اگر تم پر یہ مصیبتیں ٹوٹتیں اور تم اس مہلک مرض میں مبتلا ہوتے تو میں اپنی زبان سے تم میں حوصلہ پیدا کرتا' تمہیں تقویت دیتا اور میرے لبوں سے نکلنے والے الفاظ تمہاری غمگساری کرتے اور تسلی دیتے۔"

"مجھے دیکھو' میں نے اپنی کھال پر ٹاٹ کو سی لیا ہے اور اپنا سر خاک پر رکھ دیا ہے۔ میرا منہ روتے روتے سوج گیا ہے۔ میری پلکوں پر موت کا سایہ ہے۔ اگرچہ میرے ہاتھوں میں ظلم نہیں ہے اور میری بدعا بے یار ہے۔ اب بھی دیکھو کہ میرا گواہ آسمان پر ہے اور میرا ضامن عالم بالا پر ہے۔ جب میرے دوست میری حقارت کرتے ہیں تو میری آنکھیں خدا کے حضور آنسو بہاتی ہیں۔ اس نے مجھے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا ہے۔ میں ایسا ہو گیا ہوں کہ لوگ میرے منہ پر تھوکیں۔"

تینوں دوست حضرت ایوبؑ کی کوئی بات' کوئی دلیل ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ اچانک کسی طرف سے ایک نوجوان آیا اور ان کے درمیان بیٹھ گیا۔

وہ لوگ چپ ہو گئے۔

ایک نے پوچھا "تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟"

نوجوان نے جواب دیا "میں براکیل بوزی کا بیٹا الیہو ہوں۔ تم لوگوں کی عاقلانہ باتیں سن کر چلا آیا۔

میں ایوب کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

بلدد سوخی نے کہا "اگر تو ایوب سے واقف ہے اور تو نے ہماری باتیں بھی سنی ہیں تو اب تو ہم بزرگوں کو باتیں کرنے دے اور خود خاموشی سے بیٹھا سنتا رہ۔"

اب بلدد سوخی نے حضرت ایوبؑ سے کہا تو آسمان کو اپنا گواہ بنا رہا ہے اور کہتا ہے کہ عالم بالا پر تیرا ضامن بیٹھا ہے' اتنی بڑی بڑی باتیں نہ کر۔ تیرے وجود اور عدم سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر تو نہ رہا تو کیا زمین اجڑ جائے گی یا چٹان اپنی جگہ سے ہٹ جائے گی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ خدا عادل ہے۔ وہ شریر کا چراغ گل کر دے گا اور شریر کی آگ کا شعبہ بے نور ہو جائے گا۔ اس بدبخت کے ڈیرے میں روشنی تاریکی میں بدل جائے گی۔"

حضرت ایوبؑ نے کہا "تو میرے مقابلے میں اپنی بڑائی کرتا ہے' میرے ننگ کا مذاق اڑاتا ہے اور نہیں جانتا کہ مجھے خدا نے پست کیا ہے۔ اس نے میرے بھائیوں کو مجھ سے دور کر دیا' میرے شناسا مجھ سے بے گانہ ہو گئے ہیں' میرے رشتے دار مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میرے دوست مجھے بھول گئے۔ اب میں سب کی نظر میں ایک پردیسی ہوں۔ چھوٹے بچے بھی مجھے حقیر جانتے ہیں۔ جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھ پر آوازیں کستے ہیں۔ میرا سانس میری بیوی کے لیے مکروہ ہے۔ ان سب کے باوجود میں یہ جانتا ہوں کہ میرا مخلصی دینے والا زندہ ہے اور آخر کار وہ زمین پر کھڑا ہو گا۔ یہ کھال جو برباد ہو چکی ہے تو میں اس کے ہوتے ہوئے اپنے جسم کے ساتھ خدا کو دیکھوں گا اور جیسے میں دیکھوں گا' کوئی بے گانہ آنکھ اسے نہیں دیکھ سکے گی۔"

الی فزتیمانی نے اس طرح نصیحت کی جیسے وہ خود تو بہت بڑا خدا پرست ہے اور حضرت ایوبؑ کو خدا پرست نہیں سمجھتا' کہنے لگا "اے ایوب! اس سے ملا رہ تو سلامت رہے گا اور اسی سے تیرا بھلا ہو گا۔ میں تجھ سے خوشامدانہ کہتا ہوں کہ شریعت کو اسی کی زبانی قبول کر اور اس کی باتوں کو اپنے دل میں رکھ لے۔ اگر تو قادر مطلق کی طرف پھر جائے گا تو بحال کیا جائے گا۔"

حضرت ایوبؑ نے کہا "عجیب بات ہے کہ میری کوئی بات تم تینوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ جو دلوں کا حال جانتا ہے' اسے معلوم ہے کہ میں نے کون سا راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ میرے پاؤں اس کے قدموں سے لگے ہوئے ہیں۔ میں بھٹی میں ڈالا گیا ہوں' جب وہ چاہے گا تو میں سونے کے مانند نکل آؤں گا۔"

"میں نے اسی کا راستہ اختیار کر رکھا ہے اور کبھی برگشتہ نہیں ہوا۔ اس نے جو حکم دیا' میں نے اس کی تعمیل کی۔ ایک مضبوط خیال کی طرح وہ میرے دل میں موجود ہے اور اسے میں کسی حال میں دل سے نہیں نکال سکتا۔ وہ جو جی چاہے کرے' میں دم نہیں مار سکتا کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے جو کچھ

میرے لیے مقرر کردیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ ساری باتیں اسی کے اختیار میں ہیں اسی لیے میں اس کو اپنے سامنے موجود محسوس کرکے گھبرا جاتا ہوں اور میری فکر و سوچ میں بھی اس کا ڈر سما جاتا ہے۔"

آخر بلدد سوخی نے افسوس کرتے ہوئے کہا "ایوب یہی میں کہتا ہوں کہ کوئی انسان کس طرح خدا کے سامنے سچا ٹھہرے گا یا وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے' کیونکر پاک ہو سکتا ہے؟"

حضرت ایوبؑ کو اب بے حد دکھ تھا کہ ان کے دوست ان کی باتوں پر یقین نہیں کرتے' کہنے لگے "دوستو! میں نے جو کچھ کہا' اس پر اپنے دستخط کرنے کو تیار ہوں۔ اب قادر مطلق ہی جواب دے سکتا ہے کہ اس میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ۔ اے کاش' جو میری مخالفت کرتے ہیں' ان کی کوئی تحریر ہوتی تو میں اسے اپنے کندھے پر لیے پھرتا۔ اس تحریر کو اپنے عمامے کی طرح باندھتا۔ لوگو! اگر زمین میرے خلاف دہائی دیتی ہو کہ یہ برا آدمی ہے جو مجھ پر چلتا ہے تو مجھے برا سمجھو لیکن زمین جانتی ہے کہ میں نے جو پھل کھائے اس کی قیمت ادا کی۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو خدایا! گیہوں کے بدلے اونٹ کٹارے اور جو کے بدلے کڑوے دانے اگیں۔"

تینوں دوست خاموش ہوگئے کیونکہ انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ انہیں قائل کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ حضرت ایوبؑ خود انہیں قائل کرنا چاہتے تھے۔

اچانک نوجوان الیہو نے چاروں کو مخاطب کیا "حضرات! میں جوان ہوں اور تم سب عمر رسیدہ اسی لیے میں خاموش رہا اور اپنی رائے دینے کی جرات نہ کرسکا۔ میں یہی سوچتا رہا کہ عمر رسیدہ لوگ بولتے ہیں اور ان سے میں حکمت سیکھتا رہوں لیکن صاحبان' ہر انسان میں روح ہے' یہ غلط ہے کہ بڑے آدمی ہی عقلمند ہوتے ہیں اور عمر رسیدہ لوگ ہی انصاف کو سمجھتے ہیں۔ میں جوان ہوں' خدا نے مجھے بھی عقل دی ہے اور میں بھی انصاف کو سمجھتا ہوں چنانچہ میں بھی کچھ کہوں گا' میری سنو۔ میں بھی اپنی رائے دوں گا اس پر غور کرو۔"

"یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا بغیر مصلحت کوئی کام کرے۔ یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ قادر مطلق بے انصافی کرے گا۔ وہ انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ جو جس راہ پر چلے گا' اسے اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔ بزرگو! خدا برائی نہیں کرے گا اور قادر مطلق سے بے انصافی نہیں ہوگی۔"

اس کے بعد یہ نوجوان حضرت ایوبؑ سے مخاطب ہوا۔ "ایوب! خبردار' تیرا قہر تجھ سے تکفیر نہ کروائے یعنی تو خدا کو برا بھلا کہنا نہ شروع کردے۔ تیرے پاس فدیے کی فراوانی تجھے گمراہ نہ کرے۔ تیرا رونا یا تیری قوت اور توانائی اس بات کی ضامن ہو سکتی ہے کہ تو ان کی موجودگی میں دکھ سے بچا رہے گا۔ اس رات کی خواہش نہ کر جس میں قومیں اپنے مسکنوں سے اٹھائی جاتی ہیں۔"

اب اس نوجوان نے خدا کی عظمت اور جلال کا ذکر شروع کردیا۔ "وہ خدا ہے جو گھٹا پر پانی کو لادتا

ہے اور اپنے بجلی والے بادلوں کو دور تک پھیلاتا ہے۔ اسی کی ہدایت سے وہ ادھر ادھر دوڑے پھرتے ہیں تاکہ انہیں جو حکم دیا جائے' اسی کو وہ دنیا کے آباد حصے پر انجام دیں۔ اگر تنبیہہ کا حکم دیا گیا تو وہ بربادی لاتے ہیں ورنہ زمینوں کو سیراب کرتے ہیں۔ یہ اس کی رحمت ہوتی ہے جسے وہ اپنی مخلوق کے لیے بھیجتا ہے۔"

"اے ایوب! تو میری باتیں غور سے سنتا رہ۔ چپ چاپ رہ اور خدا کے حیرت انگیز کاموں پر غور کرتا رہ۔ ہم قادر مطلق کو نہیں پاسکتے' وہ قدرت اور عدل میں شاندار ہے۔ وہ انصاف کی فراوانی میں ظلم نہیں کرے گا۔ وہ داناؤں کی پروا نہیں کرتا اسی لیے دانا اس سے ڈرتے ہیں۔"

تینوں دوست حضرت ایوبؑ کو چھوڑ کے چلے گئے۔

حضرت ایوبؑ کی کئی بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک نام رحیمہ تھا۔ یہ وہی بیوی تھیں جنھوں نے کہا تھا کہ وہ کس خدا کی بات کرتے ہیں اس خدا کی جس نے انہیں برباد کردیا' اولادیں چھین لیں' نوکر چاکر ہلاک ہوئے' جانور دوسروں کے قبضے میں چلے گئے اب بھی وقت ہے کہ وہ خدا کا پیچھا چھوڑ دیں۔

اور حضرت ایوبؑ نے بیوی کو منع کیا تھا کہ وہ کفری باتیں نہ کرے اور یہ بھی قسم کھائی تھی کہ ٹھیک ہونے پر انہیں سو لکڑیوں ماریں گے۔

جب سب نے ساتھ چھوڑ دیا تو کچھ دنوں کے لیے بیوی نے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی تھی مگر پھر نیک شوہر کی محبت رحیمہ کو واپس لے آئی۔

حضرت ایوبؑ کے پھوڑوں سے ہر وقت پانی رستا رہتا تھا اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ پڑوسی ان سے عاجز آگئے تھے۔ آخر یہ پڑوسی انکے پاس آئے اور کہا "اے ایوب! تمہارے زخموں کی بدبو نے ہم سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ خدانخواستہ ہماری بیماری ہم سب کو نہ لگ جائے اس لیے اب تم یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔"

ان سب نے حضرت ایوبؑ کو اپنے قریے سے نکال دیا۔

بیوی نے حضرت ایوبؑ کو ٹاٹ میں لپیٹا اور دوسرے گاؤں چلی گئیں۔

پھر اس گاؤں کے لوگوں نے بھی انہیں نکال دیا اور یہ تیسرے گاؤں میں چند دن رہے پھر وہاں سے بھی نکالے گئے۔ اس کے بعد یہ طے پایا کہ اب کسی آبادی میں رہنا فضول ہے۔ بیوی سے انہوں نے کہا "تم مجھے آبادی سے دور کسی درخت کے سائے تلے لے چلو۔"

گاؤں کے دو نوجوان ابھی تک حضرت ایوبؑ کا ساتھ دے رہے تھے مگر میدان میں ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر دونوں نوجوان بھی غائب ہوگئے۔

اب ان دونوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ زندہ رہنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ حضرت ایوبؑ

اس لائق نہ تھے کہ کچھ کرتے۔ بیوی نے ہمت کی اور اہل ثروت گھرانوں میں محنت مشقت شروع کردی۔ اس کے صلے میں انہیں جو کچھ ملتا اس سے شوہر کا پیٹ بھرتیں اور خود کھاتیں۔ مدتوں یہ سلسلہ جاری رہا۔

شیطان حیران تھا کہ حضرت ایوبؑ کو دکھ جھیلتے ہوئے سات سال گزر گئے مگر ان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اللہ نے حضرت ایوبؑ کا سب کچھ شیطان کے اختیار میں دے دیا تھا مگر جان اپنے اختیار میں رکھی تھی۔ وہ اللہ سے یہی کہتا رہا کہ وہ حضرت ایوبؑ کو بہت جلد ورغلا لے گا لیکن اسے اللہ کی طرف سے یہی جواب ملتا "ایوب میرا صابر و شاکر بندہ ہے۔ وہ تیرے قابو میں نہیں آئے گا۔"

سات سال بہت ہوتے ہیں۔ شیطان اب بھی ہمت نہیں ہارا تھا۔ اسے امید تھی کہ اللہ کے جس نیک بندے پر سات سال میں اس کا بس نہیں چلا وہ کسی بھی لمحے پھسل سکتا تھا۔ آخر ایک دن اس نے حضرت ایوبؑ پر دو اطراف سے حملہ کیا۔

ایک روز صبح سے شام تک تگ و دو کرنے کے بعد بھی رحیمہ کو کوئی کام نہیں ملا۔ انہیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ رات کو حضرت ایوبؑ کو کھانا نہیں ملے گا تو ان کا برا حال ہو جائے گا۔ وہ یہ سوچ رہی تھیں اور ان گھرانوں کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں سے انہیں کھانا مل سکتا تھا لیکن یہ سارے گھر ایسے تھے جو خدا کے منکر تھے۔

بدرجہ مجبور ایک منکر خدا مال دار عورت کے پاس تشریف لے گئیں۔

وہ عورت رحیمہ سے واقف تھی کیونکہ حضرت ایوبؑ کا دور دور تک بڑا چرچا رہ چکا تھا۔ اب جو انہیں اس حال میں دیکھا تو وہ طنزاً لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ اگر حضرت ایوبؑ کا خدا سچا تھا تو اس نے اپنے صابر و شاکر بندے کا یہ کیا حال کر دیا؟"

رحیمہ اسی سے سوال کرنے پہنچ گئیں۔ پہلے تو اپنا تعارف کروایا اس کے بعد کہا "میں ہر روز مشقت کر کے شام کو اپنے شوہر کے لیے کھانا لے جاتی تھی مگر آج محروم ہوں۔ براہ کرم اگر آج کا انتظام تیری طرف سے ہو جائے تو میں کل صبح تیرے گھر میں آ کے کام کر جاؤں گی۔"

عورت نے جواب دیا "بی بی! اصل بات تو یہ ہے کہ مجھے گھر کا کام تو کروانا ہی نہیں ہے۔ ایک دوسری عورت آ کے کر جاتی ہے اس لیے مجبوری ہے۔"

رحیمہ بہت آبدیدہ ہو گئیں اور اٹھتے ہوئے کہا "بی بی! میں بہت غرض مند تھی۔ اگر تو معذرت کر رہی ہے تو ٹھیک ہے میں کوئی اور در دیکھتی ہوں۔"

عورت نے جواب دیا "کوئی اور در دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں' میرے پاس ایک تجویز ہے۔ اگر تو مان گئی تو تجھے بھی کھانا مل جائے گا۔" مال دار عورت نے حضرت ایوبؑ کی بیوی سے کہا "مجھے تمہارے

بال بہت پسند ہیں۔ اگر تم انہیں کاٹ کر مجھے دے دو تو تمہارے لیے کھانا حاضر ہے۔"

حضرت ایوبؑ کی بیوی نے منت سماجت کی "اس شرط کو دل سے نکال دے۔ ایوب کو میرے بال پسند ہیں' اسے بہت تکلیف پہنچے گی۔"

مالدار عورت نے بے رخی اختیار کی اور منہ پھیرتے ہوئے کہا "تو پھر مجبوری ہے' تم جا سکتی ہو۔"

رحیمہ کچھ دیر سوچتی رہیں۔ اس کے بعد اپنے بال پیش کر دیے "ٹھیک ہے' میرے بال لے لے اور ان کے بدلے مجھے کھانا دے دے۔"

ادھر یہ معاملہ طے پایا' دوسری طرف شیطان نے ایک عمر رسیدہ بزرگ کی شکل اختیار کی اور حضرت ایوبؑ کو بری خبر سنائی "ایوب' کچھ خبر ہے کہ آج تیری بیوی کے ساتھ کیا سانحہ پیش آیا؟"

حضرت ایوبؑ نے لاعلمی ظاہر کی "سات سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا کہ میں اس مہلک بیماری میں مبتلا ہوں۔ چلنا پھرنا تو دور رہا' اٹھنا بیٹھنا بھی محال ہے۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔"

شیطان نے کہا "ابھی کچھ دیر بعد تمہاری بیوی آنے والی ہے۔ اس نے ایک گھر میں چوری کی اور گھر کی مالکہ نے چوری پکڑ لی۔ اس نے سر کے بال کاٹ کے تمہاری بیوی کو چھوڑ دیا۔ وہ آ رہی ہے' تم خود دیکھ لینا۔"

ادھر سے فارغ ہونے کے بعد شیطان نے راستے میں رحیمہ سے ملاقات کی۔ ان کے کٹے ہوئے بال دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہوا؟"

رحیمہ نے جواب دیا "بڑے میاں! اگر تم یہیں کہیں کے رہنے والے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایوب کی بیوی ہوں۔ سات سال پہلے میرے شوہر سے زیادہ کوئی مالدار نہیں تھا۔ ہزاروں جانور تھے' نوکر چاکر تھے' اولاد تھی' زیر کاشت زمینیں تھیں۔ شوہر صحت مند اور شریف تھا پھر پتا نہیں' خدا ہم سے کیوں روٹھ گیا۔ مویشی مر گئے یا انہیں لٹیرے لوٹ کر لے گئے۔ نوکر چاکر قتل ہوئے۔ اولاد پر گھر کی چھت گر گئی اور وہ سب مر گئے۔ ایوب کی صحت بھی جاتی رہی اور اب وہ آبلوں کے مرض میں مبتلا ہے۔ ان سے بدبودار پانی خارج ہوتا رہتا ہے۔ عزیزوں اور رشتے داروں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا' پڑوسیوں نے شور کیا اور آبادی سے نکال دیا پھر جس جگہ ہم دونوں رہے وہاں سے بھی نکالے گئے اب تیسری جگہ چلے گئے اور وہاں سے بھی نکال دیے گئے۔ بدرجہ مجبوری ہم دونوں نے آبادی سے باہر ایک درخت کے نیچے سکونت اختیار کی ہے۔ اب ہم دونوں وہیں رہتے ہیں میں دن بھر محنت مشقت کرتی ہوں اور شام کو محنت کے صلے میں جو کھانا ملتا ہے اس سے ہم دونوں پیٹ بھرتے ہیں۔"

شیطان نے افسوس کرتے ہوئے کہا "لیکن تمہارا شوہر تو کامل اور راست باز تھا' دوسروں کے کام آتا تھا اور خدا کے نام پر قربانیاں دیا کرتا تھا اور شاید اسی لیے خدا نے تمہارے شوہر کو اولاد' مال و دولت'

مویشی، زمینیں اور نوکر چاکر دے رکھے تھے پھر اس سے کون سا گناہ سرزد ہوا کہ اس سے سب کچھ چھین لیا گیا۔"

بیوی نے کہا "میرا شوہر تو اس حال میں بھی اللہ کا سب سے زیادہ شاکر و صابر بندہ ہے۔ میں نے ایک بار اس سے کہا تھا کہ جس خدا نے تمہارے صبر و شکر کا خیال نہیں کیا، تم بھی اسے چھوڑ دو تو وہ ناراض ہو گیا اور قسم کھائی کے صحت یابی کے بعد مجھے سو لکڑیاں مارے گا۔"

شیطان سے رحیمہ کا رونا جیسے دیکھا نہ گیا، کہنے لگا "دنیا جانتی ہے کہ ہر مرض کا علاج خدا نے پیدا کیا ہے مگر انسانوں کو ابھی تک اتنا علم نہیں ملا کہ وہ اپنے ہر مرض کا اعلاج کر لے۔ اگر تم پسند کرو تو میں ایک ایسا نسخہ بتاؤں کہ تمہارا شوہر ایوب فوراً صحت یاب ہو جائے۔"

رحیمہ نے مایوسی سے کہا "ابھی تک کوئی ایسا نسخہ ملا نہیں جسے استعمال کرتی اور ایوب کو صحت مل جاتی۔ اگر تمہارے پاس ایسا کوئی نسخہ ہے تو ضرور بتاؤ۔"

شیطان نے کہا "تمہارا شوہر انکار کرے گا مگر تم کوشش کر کے اپنے شوہر کو میری بتائی ہوئی دوا کھلا پلا دو تو وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔"

رحیمہ نے کہا "تم مجھے نسخہ بتاؤ۔ صورت شکل سے تم بہت نیک، پارسا اور تجربے کار معلوم ہوتے ہو۔ ضرور وہ نسخہ مفید اور کار آمد ہوگا اور میں اسے ضرور آزماؤں گی۔"

شیطان نے رحیمہ کو راضی دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اپنا کام بن گیا اور اس بار حضرت ایوبؑ اس کے چنگل میں ضرور پھنسیں گے۔

رحیمہ نے شیطان کو خاموش دیکھا تو شبہ گزرا کہ کہیں بوڑھے کی نیت تو نہیں بدل گئی کہ نسخہ بتائے بغیر ہی چلا جائے۔

انہوں نے بے اختیار کہا "تم مجھے وہ نسخہ دے دو تاکہ میں اسے اپنے شوہر پر آزماؤں۔"

شیطان نے کہا "ان بدبودار آبلوں کا علاج سور کا گوشت اور شراب ہے۔ پہلے ایوب کو سور کا گوشت کھلاؤ، اس کے بعد شراب پلاؤ۔ سات دن تک یہ عمل جاری رکھو۔ وہ ان دونوں کے استعمال اور اثرات سے بالکل صحت یاب ہو جائے گا۔"

رحیمہ خوش خوش اپنے ٹھکانے پر پہنچیں۔ حضرت ایوبؑ کی پہلی نظر بالوں پر گئی، پوچھا "یہ بالوں کو کیا ہوا؟"

رحیمہ نے شوہر کو کھانا کھلانا چاہا تو حضرت ایوبؑ نے کہا "پہلے یہ بتاؤ تمہارے بال کیا ہوئے؟"
مجبور ہو کر رحیمہ نے ساری بات سچ سچ بتا دی۔ رحیمہ کا دل لرز رہا تھا اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ سب کچھ سچ سچ بتا کے وہ شوہر کو رحم طلب نظروں سے دیکھنے لگیں۔

حضرت ایوبؑ نے رحیمہ سے کہا "تم جھوٹ بول رہی ہو تم نے کسی کے گھر میں چوری کی تھی اور اس چوری کے جرم میں تمہارے بال کاٹ دیے گئے۔"

رحیمہ نے حضرت ایوبؑ کو نہایت حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ "میں تمہاری بیوی ہوں پھر کیا میں چوری کر سکتی ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ ایوب! تم تو اللہ کے نیک بندے ہو۔ اپنے اللہ سے معلوم کرو کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں یا سچی ہوں۔"

حضرت ایوب پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اس سے پہلے وہ کبھی اتنا نہیں روئے تھے، کہنے لگے "مجھے یہ بری خبر ایک بزرگ نے سنائی تھی جو اپنی صورت شکل اور وضع قطع سے بہت پارسا لگتا تھا۔"

رحیمہ کو اسی وقت ان کی بیماری کا نسخہ یاد آ گیا، بولیں "تم کھانا کھاؤ۔ مجھے تمہاری بیماری کا ایک تیر بہدف نسخہ مل گیا ہے۔ اسے سات دن استعمال کرو گے تو صحت یاب ہو جاؤ گے۔"

حضرت ایوبؑ نے نسخہ پوچھا تو بیوی نے کہا "وہ ایسا نسخہ ہی کہ تم انکار کرو گے لیکن میرے خیال میں تم کو انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تم اس نسخے کے دونوں اجزا علاج کے لیے استعمال کرو گے۔"

حضرت ایوبؑ نے کہا "مجھے نسخے کے دونوں اجزا بتا تو سہی۔"

رحیمہ نے رک رک کر کہا "ایک ہفتے مسلسل سور کا گوشت کھائیں اور شراب پی لیں۔ یہ مرض ان دونوں کے استعمال سے دور ہو جائے گا۔"

حضرت ایوبؑ نے کہا "رحیمہ! یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں صحت یابی کے لیے سور کا گوشت کھاؤں اور شراب پیوں! یہ کس طرح ممکن ہے۔ پہلے تو تمہارے کٹے ہوئے بالوں نے مجھے دکھ پہنچایا تھا اور اس خبر سے صدمہ پہنچا تھا کہ یہ بال چوری کرنے کے جرم میں کاٹے گئے ہیں۔ اب تم سور کا گوشت کھلانے اور شراب پلانے پر مصر ہو یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو تم کو سزا کے طور پر سو لکڑیاں ماروں گا۔ آج میں اپنی اس قسم کی تجدید کرتا ہوں کی صحت یاب ہو جانے کے بعد تم کو سو لکڑیاں ضرور ماروں گا۔"

رحیمہ نے کہا "جس بزرگ نے مجھے تمہاری بیماری کا یہ نسخہ بتایا ہے وہ اپنی وضع قطع اور صورت و شکل سے انتہائی پارسا معلوم ہوتا تھا۔"

حضرت ایوبؑ نے اس بزرگ کا حلیہ پوچھا تو یہ حلیہ اسی بزرگ کا نکلا، جس نے حضرت ایوبؑ کو یہ خبر دی تھی کہ ان کی بیوی نے چوری کی اور اس جرم میں ان کے بال کاٹ دیے گئے۔ انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا "حیف صد حیف کہ ابھی تک شیطان نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ ہم دونوں کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے شیطان کے مقابلے میں پناہ کا طلب گار ہوں۔ میں نے بہت مشکل حالات میں اپنے ایمان کو بچائے رکھا ہے مگر شیطان بدستور میرا پیچھا کر رہا ہے۔ جب تک تیری

مدد شامل حال نہ ہوگی‘ میں کس طرح محفوظ رہوں گا۔"

شیطان کا یہ وار بھی خالی گیا مگر وہ ہمت نہ ہارا اور اللہ سے یہی کہتا رہا "میں تیرے بندے ایوب کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ وہ ایک نہ ایک دن اپنے کسی عمل سے یا اپنی زبان سے تیری تکفیر ضرور کرے گا۔"

اللہ کی طرف سے شیطان کو بدستور اجازت دی گئی "تجھے اختیار ہے۔ وہی اختیار جو تجھے سات سال پہلے دیا گیا تھا مگر ایوب کی جان پر تجھے کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ اپنی کوششیں کرتا رہ۔"

آبلوں سے پانی رستا رہا پھر ان آبلوں میں کیڑے بھی پڑ گئے اور ان کی اذیتوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ یہ کیڑے ان کو کاٹتے رہتے جس سے ان کی نیند بھی جاتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ یہ دکھ اٹھارہ سال تک جھیلتے رہے۔"

ان کے پاس کوئی اور دل بہلانے کا مشغلہ تو تھا نہیں۔ یہ اپنے زخموں کے کیڑے دیکھتے رہتے تھے۔ انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کیڑوں کی غذا ان کے زخموں میں ہے۔

اس رحم دل انسان کو کچھ سکون ملا کہ ان کے وجود سے کچھ جاندار فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ان کے زخموں کے گوشت پر زندہ ہیں۔ اس صبر و شکر کی سوچ کے دوران حضرت ایوبؑ نے دیکھا کہ زخم کا ایک کیڑا پھسل کر زمین پر گر گیا ہے۔ انہیں بہت دکھ پہنچا۔ اسے اٹھا کے دوبارہ زخم پر رکھ لیا اور کہا "جب تیری غذا یہاں موجود ہے تو اسے چھوڑ کے تو کہیں اور کیوں جاتا ہے۔ جب تک یہ زخم ہے‘ یہیں رہ اور اپنی خوراک حاصل کرتا رہ۔"

اب اس کیڑے نے زیادہ شدت سے کاٹنا شروع کر دیا جس سے اتنی تکلیف بڑھ گئی کہ ان کے لیے تقریباً ناقابل برداشت ہوگئی۔ یہ بے چین تلملاتے رہے اور اللہ سے اپنا حال بیان کیا "اے اللہ! مجھے بے حد تکلیف پہنچ رہی ہے۔ مجھ پر رحم فرما کہ تو سب سے بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔"

کچھ دیر بعد حضرت ایوبؑ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا "ایوب! آج تم بہت پریشان نظر آرہے ہو۔ کیا بات ہے؟"

حضرت ایوبؑ نے جواب دیا "اس وقت میں بہت تکلیف میں ہوں۔ ایک کیڑا اتنی شدت سے کاٹ رہا ہے کہ درد میرے لیے ناقابل برداشت ہوگیا ہے۔"

اس شخص نے کہا "ایوب! میں روح الامین یعنی جبرائیل نامی فرشتہ ہوں۔ خدا نے مجھے تمہارے پاس یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ تکلیف جو تمہارے لیے ناقابل برداشت ہو رہی ہے‘ وہ اس کی طرف سے نہیں ہے۔ اس نے تو اس تکلیف پہنچانے والے کیڑے کو تمہارے زخم سے نکال دیا تھا مگر تم نے اپنی رحم دلی اور خدا ترسی کی وجہ سے اس کیڑے کو اٹھا کر دوبارہ اپنے زخم پر رکھ لیا اور اب وہ کیڑا تمہیں

کاٹ رہا ہے‘ بہت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ یہ تو تمہارا اپنا پیدا کردہ درد ہے‘ اسی لیے ناقابل برداشت ہے۔ جو تم نے کیا‘ اس کا دکھ پہنچا‘ اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

حضرت جبرائیلؑ یہ کہہ کر غائب ہوگئے اور حضرت ایوبؑ کیڑے کے کاٹنے کی اذیتوں میں مبتلا رہے۔

اسی دوران تاجروں کا ایک بڑا قافلہ حضرت ایوبؑ کے درخت کے قریب ہی خیمہ زن ہوا۔ تاجروں کے سردار نے ایک بیمار کو درخت کے نیچے تنہا پڑے دیکھا تو اسے ان کے حال کی جستجو ہوئی مگر یہاں آس پاس کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جس سے اس بیمار کے سلسلے میں معلوم کیا جاتا۔"

اتفاق کی بات کہ حضرت ایوبؑ کی بستی کے کچھ لوگ یہ معلوم کرنے آئے کہ ان کا کیا حال ہے۔ یہ لوگ دور سے حضرت ایوبؑ کو دیکھ رہے تھے۔

تاجروں کے سردار قافلہ نے ان لوگوں سے پوچھا "تم لوگ کون ہو اور یہاں اس شخص کو کیوں دیکھ رہے ہو؟"

لوگوں نے جواب دیا "ہم اپنی بستی کے اس بیمار کو کبھی کبھی دور سے دیکھ جاتے ہیں کیونکہ اس کے جسم سے اتنی بدبو آتی ہے کہ وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔"

سردار قافلہ نے پوچھا "مگر یہ شخص ہے کون جس کی عیادت کے لیے تم لوگ آتے تو ہو مگر اس کے پاس نہیں جاتے؟"

بستی کے ایک آدمی نے کہا "تم تاجر لوگ اگر ان راستوں سے گزرتے رہے ہو تو اس بیمار سے ضرور واقف ہوگے۔ یہ اس علاقے کا سب سے زیادہ متمول شخص تھا۔ اس کا نام ایوب ہے۔ اٹھارہ سال پہلے اس کے پاس ہزاروں مویشی تھے اور سیکڑوں نوکر چاکر‘ زمینیں بھی بہت تھیں۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں پھر ایوب پر معلوم نہیں کیوں عذاب نازل ہوا۔ زمینوں پر آگ برسی جس سے فصلیں بھی تباہ ہوگئیں۔ نوکر اور مویشی بھی ہلاک ہوگئے۔ جو ہزاروں مویشی کہیں اور تھے انہیں لٹیرے لوٹ کر لے گئے اور ان پر تعینات نوکر چاکر قتل کر دیے گئے۔ بیٹوں اور بیٹیوں پر مکان کی چھت گر گئی اور ایوب کو اس خطرناک بیماری نے کہیں کا نہ رکھا۔ اس کے جسم پر آبلے پڑ گئے اور آبلوں سے رسنے والا پانی اتنا بدبودار ہے کہ اسے آبادی سے نکال دیا گیا اب یہ سالوں سے اس درخت کے نیچے عذاب جھیل رہا ہے۔"

تاجروں کا سردار حضرت ایوبؑ سے واقف تھا۔ اس نے کہا "لیکن ایوب تو اللہ کا کامل‘ راست باز اور نیک بندہ تھا پھر اس پر اتنی بہت ساری مصیبتیں کیوں نازل ہوئیں؟"

لوگوں نے کہا "اگر ہمت ہے اور بدبو کی اذیت برداشت کر سکو تو ایوب کے پاس جاؤ اور یہ سوالات

اس سے کرو۔ دیکھو وہ کیا جوابات دیتا ہے۔"

تاجروں کے سردار نے کہا "میں ایوب سے ضرور ملوں گا اور اس سے پوچھوں گا کہ اس نے ایسا کون سے گناہ کیا تھا جس کا یہ بھیانک صلہ مل رہا ہے۔"

لوگ مشورہ دے کر چلے گئے تو تاجروں کا یہ سردار منہ پر کپڑا رکھ کر حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا' سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا "ایوب! یہ تمہارا کیا حال ہے؟"

ایک اجنبی سے اپنا نام سن کر حضرت ایوبؑ کو خوشی ہوئی کہ کوئی ان کا جاننے والا نام لے کر مزاج پرسی تو کر رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا "تم مجھے کس طرح جانتے ہو؟ کیا تم کسی کے بھیجے ہوئے یہاں آئے ہو جو مجھ سے میری خیریت پوچھ کر کسی اور کو پہنچاؤ گے؟"

تاجروں کے سردار نے کہا "ایوب! تمہیں کون نہیں جانتا۔ تم اس علاقے کے سب سے زیادہ مالدار اور خوش حال انسان تھے' آج میں تمہیں اس حال میں دیکھ رہا ہوں تو مجھے عبرت ہو رہی ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم پر یہ عذاب کیوں نازل ہوا؟"

حضرت ایوبؑ نے کہا "یہ اللہ کا عذاب نہیں ہے' یہ اذیت اور دکھ مجھے شیطان نے دیا ہے۔"

تاجروں کے سردار نے کہا "ایوب! اگر تم اللہ کے نیک بندے تھے تو تم پر یہ مصیبتیں کیوں نازل ہوئیں۔ تم اقرار کرو یا نہ کرو لیکن تم یقیناً خدا کے گناہگار بندے رہے ہو گے۔ یہ جو تم اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتے اور اب بھی خود کو نیک اور راست باز سمجھ رہے ہو تو یہ بھی ایک قسم کا گناہ ہے۔ اللہ سے توبہ واستغفار کرو کہ وہ تمہیں معاف کر دے۔"

حضرت ایوبؑ زار و قطار رونے لگے اور تاجروں کے سردار سے کہا "تم سچ کہتے ہو مگر مجھ کو نہیں معلوم کہ میں نے کون سے گناہ کیا ہے۔"

تاجروں کا سردار تو چلا گیا اور حضرت ایوبؑ دیر تک روتے رہے۔

اسی عالم میں انہیں ایک آواز سنائی دی "ایوب! مت اندیشہ کرو۔ مت پریشان ہو۔ جس مصیبت اور بلا میں تم گرفتار ہو اس سے مت گھبراؤ۔ تمہیں نہیں معلوم کہ ان مصیبتوں میں تمہارے لیے اللہ کی کتنی رحمت مضمر ہے۔"

حضرت ایوبؑ کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہو گئے۔ یہ سمجھے کہ یہ آواز حضرت جرائیلؑ کی ہے اور شاید کوئی بڑا عذاب مزید نازل ہونے والا ہے۔ انہوں نے گھبرا کے آواز دی "اے جرائیل! تم کہاں ہو؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "میں روح الامین نہیں' میں وہ ہوں جس نے تمہیں اذیتیں پہنچائیں۔ اب میں تمہیں یہ خوش خبری سنانے آیا ہوں کہ اللہ نے تم پر رحم کیا۔ اٹھو اور تم سے جو کہا جائے وہ کرو۔"

حضرت ایوبؑ نے کہا "میں کیوں کر اٹھوں۔ مجھ سے بیٹھا بھی نہیں جاتا۔"

اس وقت روح الامین آئے اور حضرت ایوبؑ سے کہا "اللہ نے حکم دیا ہے کہ آپ اس جگہ زمین پر پاؤں ماریں جہاں اس وقت لیٹے ہوئے ہیں۔ یہاں سے پانی نکلے گا۔ چشمہ ابلے گا۔ آپ اس پانی سے نہائیں اور اسی پانی کو پئیں۔ اللہ نے چاہا تو آرام پائیں گے اور صحت یاب ہو جائیں گے۔"

حضرت ایوبؑ نے بمشکل زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ وہ اس میں نہائے اور اس کا پانی پیا۔"

حضرت ایوبؑ اپنے جسم میں حیرت انگیز تبدیلیاں محسوس کرتے رہے۔ زخموں کے کیڑے غائب ہو چکے تھے اور زخم اس طرح مندمل ہو گئے جس طرح دھوپ میں گیلا کپڑا سوکھتا چلا جاتا ہے۔ جسم میں توانائی بھی پیدا ہوتی چلی گئی۔ کھال میں تناؤ پیدا ہوتا چلا گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کبھی بیمار ہی نہیں پڑے تھے۔

پانی میں اپنا عکس دیکھا تو وہ بہت حیران ہوئے۔ ان کی شکل بالکل بدل گئی تھی۔ اب وہ ایک حسین انسان ہو گئے تھے۔

اس وقت ان کی بیوی رحیمہ موجود نہیں تھیں۔ وہ محنت مشقت کرنے کہیں دور نکل گئی تھیں۔

حضرت ایوبؑ گزرگاہ میں بیٹھ گئے اور اپنی بیوی کا انتظار کرنے لگے۔ شام سے کچھ پہلے بیوی کو آتے دیکھا۔ حضرت جرائیلؑ نے حضرت ایوبؑ کے جسم پر ایک چادر ڈال دی تھی۔ حضرت ایوبؑ کی بیوی ان کے پاس سے گزریں مگر پہچان نہ سکیں۔

درخت کے نیچے جا کر حضرت ایوبؑ کو نہ دیکھا تو بہت پریشان ہوئیں۔ زار و قطار رونا شروع کر دیا' کہنے لگیں "جو جسم اٹھارا سال سے گل سڑ رہا تھا اس میں کسی درندے کے لیے کچھ بھی باقی نہ بچا تھا پھر کیسا منحوس بھوکا درندہ ہو گا جو بیمار ایوب کو کھا گیا۔ اے ایوب! میں تمہیں کہاں تلاش کروں۔ اگر مجھے تمہارے اس انجام کی خبر ہوتی تو میں تمہیں چھوڑ کر نہ جاتی۔"

حضرت ایوبؑ نے قریب جا کر پوچھا "اے عورت! تو کسے تلاش کر رہی ہے۔ کیا تیری کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟"

رحیمہ نے جواب دیا "یہاں اس درخت کے نیچے ایک بیمار رہتا تھا وہ میرا شوہر تھا۔ میں اسے تلاش کر رہی ہوں۔ اگر تمہیں اس کا کچھ حال معلوم ہو تو بتاؤ؟"

حضرت ایوبؑ نے پوچھا "اس مریض کا نام کیا تھا؟ اس کا حلیہ بتا سکو تو بتاؤ۔"

رحیمہ نے انہیں غور سے دیکھا تو حیرت ہوئی کہ یہ شکل اٹھارا سال پہلے والے ایوب جیسی تھی بلکہ اس سے بھی اچھی اور خوب صورت۔

رحیمہ نے جواب دیا "شکل تو بالکل تمہارے جیسے تھی مگر تم کچھ زیادہ خوب صورت ہو۔ اس کا نام ایوب تھا۔ وہ اللہ کا صابر و شاکر بندہ تھا۔ اس کے گوشت و پوست میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ وہ شخص خود سے کروٹ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔"

حضرت ایوبؑ نے کہا "رحیمہ! مجھے غور سے دیکھو۔ میرا نام ایوب ہے۔"

رحیمہ نے انہیں غور سے دیکھا اور کہا "اٹھارہ سال پہلے میرے شوہر ایوب بھی ایسے ہی ہوتے تھے مگر تم زیادہ خوب صورت ہو۔ تم میرے شوہر نہیں ہوسکتے۔ وہ بیمار تھے، تم صحت مند ہو۔"

حضرت ایوبؑ نے چشمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "جب تم اپنے بیمار شوہر کو یہاں چھوڑ کر گئیں تھیں تو کیا اس وقت یہ چشمہ یہاں موجود تھا؟"

رحیمہ نے جواب دیا "چشمہ تو یہاں نہیں تھا، یہ کہاں سے آگیا۔"

حضرت ایوبؑ نے پورا واقعہ سنایا اور کہا "میں اس میں نہایا، اس کا پانی پیا اور صحت یاب ہوگیا پھر میرے جسم پر ایک چادر ڈال دی گئی۔"

رحیمہ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔"

شیطان اپنی اٹھارہ سالہ کوششوں میں ناکامی کے بعد چاہتا تھا کہ اسے اور موقع دیا جائے مگر اب اللہ تعالیٰ کو حضرت ایوبؑ کو مزید آزمائش میں ڈالنا منظور نہیں تھا۔ ایک بگولا نمودار ہوا اور اس میں سے آواز سنائی دی "یہ کون ہے جو نادانی کی باتوں سے مصلحت پر پردہ ڈالتا ہے۔ تو کہاں تھا جب میں نے زمین کی بنیاد ڈالی تھی۔ تو دانش مند ہے تو اس کا جواب دے۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ کس نے زمین کی ناپ ٹھہرائی یا کس نے اس میں سے سوتا جاری کیا۔ کس چیز پر زمین کی بنیاد رکھی گئی اور کس نے پتھروں کے کوہان اٹھائے۔ کیا تو نے اپنی زندگی میں کبھی بھی صبح پر حکومت کی ہے اور فجر کو اس کی اصل جگہ بتائی کہ وہ زمین کے کناروں پر جاکے قبضہ کرلے۔ اگر تو یہ سب جانتا ہے تو بتا کہ نور کے مسکن کا راستہ کہاں ہے؟ تاریکی کا اصل مقام کہاں ہے؟ بتا بارش کا باپ کون ہے؟ اور شبنم کے قطرے کس سے تولد ہوئے؟ یخ کس کے بطن سے نکلی؟ باطن میں حکمت کس نے رکھی ہے اور دل کو دانش کس نے بخشی ہے؟ میں تجھ سے پوچھتا ہوں اور تو مجھے بتا۔ کیا تجھ میں اتنی جرات ہے کہ میرے انصاف کو باطل ٹھہرائے؟ کیا تو مجھے مجرم ٹھہرائے گا تاکہ تو خود کو حق پر ثابت کرے؟"

حضرت ایوبؑ پر کپکپی طاری ہوگئی اور وہ ڈرے کہ کہیں اللہ ان سے پھر ناراض تو نہیں ہوگیا اور انہیں دوبارہ کسی عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے نہایت عاجزی سے جواب دیا "اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ تو سب کچھ کرسکتا ہے اور کسی میں اتنی قدرت نہیں کہ تیرا ارادہ روک دے۔ وہ کون ہے جو نادانی سے مصلحت پر پردہ ڈالتا ہے۔ یہ کس طرف اشارہ ہے، میں نہیں سمجھا مگر میں نے جو نہیں

سمجھا وہی کہہ دیا۔ یعنی ایسی باتیں جو میرے لیے نہایت عجیب تھیں جن کو میں نہیں جانتا تھا۔ میں تیری منت کرتا ہوں سن، میں کچھ کہوں گا۔ میں تجھ سے سوال کروں گا تو مجھے بتا، میں نے تیری خبر کان سے سنی تھی پر اب میری آنکھ تجھے دیکھتی ہے۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہے اور خاک و راکھ میں توبہ کرتا ہوں۔"

اس عاجزی و انکساری کا یہ اثر ہوا کہ حضرت ایوبؑ کو اللہ نے پہلے سے زیادہ نواز دیا۔ حیرت انگیز طور پر مال و زر میں اضافہ ہوا۔ اللہ نے اولادیں بھی دیں۔ مویشی پہلے کے مقابلے میں دگنے ہوگئے، اسی نسبت سے نوکر چاکر بھی بڑھ گئے۔

جن دوستوں نے حضرت ایوبؑ سے بڑی بحث کی تھی اور انہیں دلیلوں سے گناہگار ٹھہرانے کی کوشش کی تھی، ان تینوں میں سے الی فزیتانی کو خدا نے مخاطب کیا "میرا غضب تجھ پر اور تیرے دونوں دوستوں پر بھڑکا ہے کیونکہ تو نے وہ بات نہ کہی جو حق تھی جب کہ میرے بندے ایوب نے حق بات کی۔ پس اب تم تینوں اپنے ساتھ سات بیل اور سات مینڈھے لے کر میرے بندے ایوب کے پاس جاؤ اور اپنے لیے قربانی پیش کرو اور پھر میرا بندہ ایوب تمہارے لیے دعا کرے گا اور اسے میں قبول کروں گا۔"

چنانچہ تینوں دوستوں قربانی کے جانور لے کر حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچے، ان سے معافی چاہی اور کہا "اے ایوب! اللہ ہمیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک تم صدق دل سے ہمیں معاف نہیں کروگے۔"

حضرت ایوبؑ نے ساتھ لائے ہوئے مویشیوں کو دیکھا اور پوچھا "ان کا کیا مصرف ہے؟"

تیمانی نے جواب دیا "ہم تینوں اللہ کے حکم سے تمہارے پاس آئے ہیں اور یہ اللہ ہی کا حکم ہے کہ ان جانوروں کو تمہارے پاس لائیں اور ان کی قربانی پیش کریں۔ اب تم ہم تینوں کو صدق دل سے معاف کردو اور ہماری طرف سے ان جانوروں کی قربانی کرو تاکہ اللہ ہم سے راضی ہوجائے۔"

حضرت ایوبؑ نے اپنے تینوں دوستوں کو معاف کردیا۔"

حضرت ایوبؑ کے ذہن میں ابھی تک وہ قسم تھی جو انہوں نے اپنی بیوی رحیمہ کے سلسلے میں کھائی تھی کہ صحت یاب ہوجانے پر انہیں سو لکڑیاں ماریں گے۔

رحیمہ نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا جبکہ دوسری بیویاں ان کا ساتھ چھوڑ گئیں تھیں۔ یہ احساس بھی شدید تھا۔

حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری کے دوران اٹھارہ سالوں پر نظریں دوڑائیں کہ اس وقت جب تمام عزیز رشتے دار ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور جگری دوستوں نے اپنی تکلیف دہ باتوں سے ان کا بے حد دل دکھایا تھا، آبادی کے لوگوں نے انہیں اپنی بستی سے نکال دیا تھا، کئی دوسری بستیوں کے لوگوں نے انہیں

قبول نہیں کیا تھا تو اس وقت زمین پر صرف رحیمہ تھیں جو ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔ دن بھر محنت مشقت کرنا اور حضرت ایوبؑ کو غذا فراہم کرنا پھر رات بھر تیمارداری کرنا اور زخموں سے نکلنے والی بدبو کو اٹھارہ سال تک جھیل جانا' یہ رحیمہ کے عظیم الشان کارنامے تھے۔ اس نیک دل عورت نے اپنے شوہر کے لیے بال تک کٹوا دیے تھے۔

رحیمہ کی یہ ساری خدمات ہرگز ایسی نہ تھیں کہ ان کا نیک دل' راست باز اور عادل شوہر حضرت ایوبؑ کے دل پر اثر نہ ہوتا لیکن قسم بھی کھائی تھی' اس کا پورا کرنا بھی ضروری تھا۔ اسی کشمکش اور پریشانی میں کئی دن گزر گئے۔

اللہ کو بھی اپنے صابر و شاکر بندے پر رحم آیا اور حضرت جرائیلؑ کو ان کے پاس بھیجا کہ ان کی مشکل آسان کریں۔

حضرت جرائیلؑ حضرت ایوبؑ کے پاس آئے' پوچھا "ایوب! اب تم کیوں پریشان ہو' اللہ نے تمہاری بیماری دور کر دی اور تمہیں ہر طرح سے نواز دیا ہے؟"

حضرت ایوبؑ نے اپنی قسم کا ذکر کیا اور کہا "اس نیک عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے شرم آتی ہے مگر میں قسم سے مجبور ہوں۔"

حضرت جرائیلؑ نے کہا "اللہ بھی یہی چاہتا ہے کہ تم اپنی بیوی کو رنج مت پہنچاؤ۔ تمہاری دوسری بیویاں بیماری میں تمہارا ساتھ چھوڑ گئیں تھیں۔ صرف یہی تھی جو تمہاری تیمارداری بھی کرتی رہی اور تمہارے لیے محنت مشقت بھی کرتی رہی۔ رحیمہ صحیح معانوں میں تمہاری شریک حیات ہے۔"

حضرت ایوبؑ نے کہا "جرائیل! میں اپنی قسم سے مجبور ہوں۔ میں نے حالت بیماری میں قسم کھائی تھی کہ صحت یاب ہونے پر اس کو سو لکڑیاں ماروں گا سو اب وقت آگیا ہے کہ اپنی قسم پوری کروں۔"

حضرت جرائیلؑ نے کہا "ایوب! جھاڑو کی سینکوں کا ایک ایسا مٹھا منگواؤ جس میں سو سینکیں ہوں اور تم ان کی ایک ضرب آہستہ سے اپنی بیوی کو لگا دو' تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔ خدا کا بھی یہی فرمان ہے۔"

(ترجمہ) "اور اپنے ہاتھوں میں سینکوں کا مٹھا پکڑ لیں' اسے مارا اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہوا۔"

حضرت ایوبؑ کو بڑی خوشی ہوئی کہ ان کی قسم کو اللہ نے اتنی آسانی سے پورا کروا دیا۔

اس کے بعد حضرت ایوبؑ کے پاس چودہ ہزار بھیڑیں اور بکریں ہو گئیں۔ چھ ہزار اونٹ' دو ہزار بیل اور ایک ہزار گدھے بھی ان کی ملکیت تھے۔

حضرت ایوبؑ ایک سو چالیس سال زندہ رہے اور انہوں نے اپنی چوتھی پشت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

یہ سارے واقعات سفر ایوبؑ میں موجود ہیں اور انہیں اشعار کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ زبان عربی تھی جس سے عربی زبان کے قدامت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

دنیا کی قدیم ترین تصنیفات تین ہیں جو شعر و ادب سے تعلق رکھتی ہیں۔ (۱) وید (۲) رامائن و مہا بھارت (۳) الیڈ' یونان کے مشہور نابینا شاعر ہومر کی منظوم تصنیف۔

ویدوں میں سوتر کا زمانہ چھ سو قبل مسیح سے دو سو قبل مسیح کا ہے۔

برہمن کا زمانہ آٹھ سو قبل مسیح سے چھ سو قبل مسیح کا ہے۔

منتر اور رگ وید کے آخری باب میں ایک ہزار قبل مسیح اور آٹھ سو قبل مسیح کا دور لکھا گیا ہے۔

چھند کا زمانہ بارہ سو قبل مسیح اور ہزار قبل مسیح کے درمیان کا ہے۔

رگ وید کی سب سے قدیم نظمیں بارہ سو قبل مسیح سے زیادہ پیچھے نہیں جاتیں۔

اب رہ گئی رامائن مہا بھارت کا دور تصنیف تو جدید تحقیقات کے مطابق تو اسے چوتھی صدی قبل مسیح کے اندر ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی باقاعدہ تدوین بہ شکل کتاب حضرت مسیح کی پیدائش کے بعد ابتدائی صدیوں میں ہوئی۔

ہومر کی الیڈ کا زمانہ مشہور یونانی مورخ ہیروڈوٹس کے مطابق زیادہ سے زیادہ نو سو قبل مسیح کا ہے۔

جبکہ حضرت ایوبؑ کا زمانہ پندرہ سو بیس قبل مسیح کا ہے۔ اس طرح شعر و ادب کا قدیم ترین نمونہ یہی سفر ایوب ہے۔

○☆○

حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی، جو ان سے تین سال بڑے تھے۔ ان کو نبوت حضرت موسیٰؑ کی دعا سے عطا ہوئی، نہایت فصیح البیان، موسیٰؑ کے معاون و مددگار، اللہ نے ان کو موسیٰؑ کا وزیر قرار دیا، توریت کی روایت کے مطابق کہانت انہیں اللہ کی طرف سے ملی اور ایسی کہ انہیں کے گھرانے کی ہورہی۔ ان کے حالاتِ زندگی حضرت موسیٰؑ کے حالاتِ زندگی سے ایسے وابستہ اور پیوستہ ہیں کہ انہیں علیحدہ بیان کرنا دشوار مرحلہ تھا مگر حتی المقدور ان کے سوانح الگ کئے گئے تاکہ ان کی شخصیت کو الگ سمجھا جاسکے۔

آپؑ حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں نرم تھے۔ دو بھائی اور دونوں نبی لیکن دونوں میں کتنا فرق تھا یہ اس مضمون سے واضح ہوجائے گا۔ عمر میں موسیٰؑ سے بڑے مگر معاملات میں چھوٹے بھائی کے تابع۔ ایک پیاری شخصیت، جس نے بڑائی کا حق ادا کردیا۔

مضمون کے ماخذ

قصص القرآن	انبیائے قرآن	بلادِ فلسطین و شام	قصص القرآن	ترجمان القرآن	توریت
مولانا عبدالمنان	جمیل احمد	جی. ای اسٹرنج	مولانا حفظ الرحمن	مولانا آزاد	(عہد نامہ عتیق)

حضرت ہارون علیہ السلام

(1523ق-م)

حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ سے تین سال بڑے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی ولادت ۱۵۲۰ قبل مسیح میں ہوئی۔ اس اعتبار سے حضرت ہارونؑ ۱۵۲۳ قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔

حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی جب کہ حضرت ہارونؑ انتہائی فصیح البیان تھے۔

دونوں کی پیدائش مصر میں ہوئی تھی اور یہ زمانہ طاقت ور فرعون رعمسس کا تھا۔

حضرت ہارونؑ کے والد کا نام عمران اور ماں کا نام یوکبد تھا۔

قرآن پاک میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کا ایک ساتھ ذکر آیا ہے اور ان دونوں کو بیک وقت نبی قرار دیا گیا ہے۔ سورہ مریم (۵۳) میں ہے۔ "اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو (یعنی موسیٰ کو) ان کا بھائی ہارون عطا کیا۔"

اسی طرح دوسری جگہ حضرت ہارونؑ کو منصب نبوت میں حضرت موسیٰؑ کا شریک کار، مددگار اور وزیر مقرر کیے جانے کا ذکر ہے۔ سورہ فرقان (۳۵) اللہ کا ارشاد ہے "اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر (یعنی مددگار) بنا کر ان کے ساتھ کیا۔"

حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس جانے کے حکم دیا گیا تو اس حکم میں حضرت ہارونؑ کو بھی ساتھ لے جانے کی تاکید تھی۔ چنانچہ سورہ طٰحہ (۴۲-۴۳) میں ہے "اے موسیٰ تم اپنے بھائی (ہارون) کے ساتھ ہماری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ بے شک وہ سرکش ہو رہا ہے۔"

قیام مصر کے دوران میں اللہ نے جب نماز کا حکم فرمایا تو اس کی وحی بھی دونوں کی طرف بھیجی گئی۔ سورہ یونس (۸۷) میں ہے "اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجد) ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو خوش خبری سنا دو۔"

اور جب حضرت موسیٰؑ کو توریت عطا ہوئی تو اس میں حضرت ہارونؑ کو بھی شریک کیا گیا چنانچہ سورہ انبیا (۴۸) میں ہے "اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو ہدایت اور گمراہی میں فرق کر دینے والی، اور سرتاپا روشنی اور نصیحت کی کتاب عطا کی۔ پرہیزگاروں کے لیے۔"

ان سورتوں کے علاوہ سورہ نسا، سورہ انعام، سورہ اعراف، سورہ مومنون، سورہ شعرا اور سورہ قصص میں بھی ان دونوں بھائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

تحریف شدہ توریت میں حضرت ہارونؑ کو نبی کے بجائے کاہن قرار دیا گیا ہے اور یہ منصب حضرت ہارونؑ کی اولاد کو ان کے بعد بھی حاصل رہا۔ جب کہ قرآن میں حضرت ہارونؑ کو نبی کہا گیا ہے۔ اس معاملے میں قرآن اور توریت کے بیان میں اختلاف ہے لیکن حضرت ہارونؑ کی فصیح البیانی پر دونوں متفق ہیں۔

تحریف شدہ توریت میں ہے کہ خداوند نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا "کیا لاویوں میں سے ہارون تیرا بھائی نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں کی وہ فصیح ہے اور وہ تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا اور تیرا منہ بنے گا۔"

اسی طرح قرآن پاک میں سورہ قصص (۳۴) میں حضرت موسیٰؑ کی زبانی ارشاد ہوا "اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے۔"

حضرت موسیٰؑ نے ابتدا میں فرعون کے محل میں پرورش پائی تھی اور یہ بھی خدا کا عجیب کرشمہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے پیدائش کے تین مہینے تک والدین کی آغوشِ محبت میں پرورش پائی۔ ان کی پیدائش کو چھپایا گیا تھا۔ اس وقت حضرت ہارونؑ بھی عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکے تھے۔

ان کے گھر والے خوف زدہ تھے کہ کہیں حضرت موسیٰؑ کی ولادت کی خبر فرعون یا کسی سرکاری آدمی کو نہ ہو جائے کہ بچے کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ایک عرصے سے یہ پیش گوئی چلی آ رہی تھی کہ بنی اسرائیل کا ایک مرد فرعون کی حکومت کا خاتمہ کر دے گا۔ اس پیش گوئی نے اس لیے بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی کہ اسی دوران میں فرعون نے بھی ایک ایسا خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یہی بتائی گئی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو اس کی حکومت کا خاتمہ کر دے گا۔

اب فرعون نے یہ فرمان جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والی اولادِ نرینہ کو قتل کر دیا جائے اور اس فرمان پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کے تین ماہ بعد تک انہیں گھر میں رکھا گیا لیکن پھر خاندان کا ہر فرد خوف زدہ ہوا کہ اب یہ راز نہیں رہے گا تو بڑوں نے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ حضرت موسیٰؑ کو اللہ کے بھروسے پر صندوق میں ڈال کے دریائے نیل کے حوالے کر دیا جائے۔

فوری طور پر سرکنڈوں کا ایسا تابوت تیار کیا گیا جس میں پانی کو روکنے کے لیے مسالے استعمال کیے گئے تھے۔

سرکنڈوں کے اس تابوت میں حضرت موسیٰؑ کو لٹا کے، دریائے نیل کے اس حصے میں ڈال دیا گیا جو فرعون کے محل کے اندر سے گزرتا تھا۔

حضرت ہارونؑ چھوٹے ہونے کے باوجود یہ سب دیکھتے رہے۔

بتایا یہی جاتا ہے کہ دریائے نیل سے کچھ شاخیں نکالی گئی تھیں، ان میں کی ایک شاخ محل کے ایک حصے سے گزاری گئی تھی۔

حضرت موسیٰؑ کا یہ تابوت بہتا ہوا شاہی محل میں پہنچا تو اس وقت فرعون کی بیوی آسیہ اپنی کنیزوں کے ساتھ دریا کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس نے سرکنڈوں کے تابوت کو نکلوایا اور تابوت کھلوایا تو اس میں چند ماہ کے بچے کو انگوٹھا چوستے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بچہ حسین بھی تھا اور صحت مند بھی اور اسے یہ شبہ بھی نہیں گزرا کہ یہ بچہ کسی بنی اسرائیلی کا ہوگا۔

قرآن پاک میں ہے کہ اللہ نے آسیہ کے دل میں حضرت موسیٰؑ کے لیے جذبۂ محبت پیدا کر دیا تھا۔ اس نے بچے کی شاہی محل میں پرورش کا حکم دے دیا۔ بچے کو فرعون کے سامنے بھی پیش کیا گیا اور اسے بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔

اب بچے کے لیے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش شروع ہوگئی تو کسی نے حضرت موسیٰؑ کی ماں کا ذکر کر دیا اور انہیں دودھ پلانے کے لیے شاہی محل میں رکھ لیا گیا جب کہ حضرت ہارونؑ کے باپ عمران، فرعون کے محل کی حفاظت پر مامور تھے۔

حضرت موسیٰؑ کا اب دونوں جگہوں سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہی محل سے بھی اور اپنے گھر سے بھی۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پھر ایک ساتھ ہو گئے۔ اسی طرح دونوں جوان ہو گئے اور بڑے ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ اس راز سے واقف ہو گئے کہ وہ کس کے بیٹے ہیں اور پیدائش بعد وہ کس طرح شاہی محل پہنچے تھے۔

حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ میں وہی محبت تھی جو دو بھائیوں میں ہو سکتی ہے۔ دونوں بھائی بازاروں میں گھومتے پھرتے عام طور پر یہ مناظر دیکھتے کہ مصر کے اصل باشندے قبطی قوم کے لوگ بنی اسرائیل سے بہت ذلت آمیز سلوک کرتے ہیں۔ ان سے بیگار لی جاتی ہے۔ ان کو صحیح اجرت نہیں دی جاتی اور ان سے کبھی بھی مساوی ربط و تعلق نہیں رکھا جاتا۔

حضرت ہارونؑ کو بھی وہی دکھ تھا جو حضرت موسیٰؑ کو۔ جب دونوں ایک ساتھ بیٹھتے تو بنی اسرائیلیوں

کے ساتھ قبطیوں کی ظلم وزیادتی کا ذکر چھڑ جاتا اور دونوں بھائی اس ظلم وزیادتی سے نجات حاصل کرنے کی بات کرتے' دونوں بھائیوں میں مثالی اتحاد تھا۔ شام کا وقت تھا جب حضرت موسیٰؑ اپنے قبیلے سے نکل کر شہر کے اس حصے میں داخل ہوئے جہاں قبطی رہتے تھے۔ انہوں نے قبطیوں کو بنی اسرائیل پر ظلم کرتے اکثر دیکھا تھا۔ اس روز بھی وہ قبطیوں کی آبادی میں اسی لیے داخل ہوئے تھے کہ دیکھیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

رات ہو گئی تھی۔ گھروں کی دروازے بند ہو چکے تھے اور بستی کے بیشتر لوگ سوئے ہوئے تھے کہ اچانک انہوں نے ایک جگہ کسی کے جھگڑے کی آوازیں سنیں۔

حضرت موسیٰؑ آواز کی جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک قبطی ایک بنی اسرائیلی کو گھسیٹ رہا ہے اور جب بنی اسرائیلی آزادی کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو قبطی اس کی پٹائی شروع کر دیتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے قبطی سے پوچھا "تو کون ہے؟"

تو قبطی کے بجائے بنی اسرائیلی نے جواب دیا "یہ فرعون کا باورچی ہے اور اتنی رات گئے مجھے بیگار میں لے جانا چاہتا ہے۔" حضرت موسیٰؑ نے قبطی سے کہا "اسے چھوڑ دے۔"

قبطی نے حضرت موسیٰؑ کو پہچان لیا اور کہا "اے موسیٰ میں تم کو جانتا ہوں۔ تمہاری پرورش تو شاہی محل میں ہوئی ہے اور تم ہم میں سے ہو اس لیے اس اسرائیلی کی حمایت نہ کرو۔"

حضرت موسیٰؑ نے پھر حکم دیا "میں کہتا ہوں کہ تو اس اسرائیلی سے بیگار نہ لے اور اسے چھوڑ دے۔"

قبطی نے حضرت موسیٰؑ کا کہنا نہ مانا اور کہا "موسیٰ تم ہمارے معاملے میں نہ پڑو' اپنا راستہ لو۔"

اسرائیلی نے کہا "موسیٰ! اسے قبطی ہونے پر ناز ہے اور قبطی ہونے کے ساتھ یہ فرعون کا باورچی بھی ہے۔ تمہارا کہنا نہیں مانے گا۔"

حضرت موسیٰؑ نے آگے بڑھ کر قبطی سے اسرائیلی کو چھڑانا چاہا تو قبطی حضرت موسیٰؑ سے لڑ گیا اور حضرت موسیٰؑ نے قبطی کی کنپٹی پر ایک مکا رسید کیا۔ مکا اتنا شدید اور طاقتور تھا کہ قبطی گر کر تڑپنے لگا اور پھر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے چل بسا۔

حضرت موسیٰؑ نے اسے مردہ حالت میں دیکھا تو انہیں بہت افسوس ہوا۔ حضرت موسیٰؑ دل میں کہہ رہے تھے "بلاشبہ یہ کار شیطان ہے کیونکہ وہی انسان کو ایسی غلط راہ پر لگاتا ہے۔" حضرت موسیٰؑ نے کہا "اے میرے مولیٰ! یہ سب کچھ نادانستگی میں ہوا ہے' میں تجھ سے مغفرت کا خواستگار ہوں۔"

تحریف شدہ توریت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے دانستہ اور بالارادہ قتل کیا تھا اور وہ اس لاش کو لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے اور اسرائیلی انہیں کھڑا دیکھ رہا تھا۔

اسرائیلی نے پوچھا "اے موسیٰ اس قبطی کو تو تم نے مار دیا۔ اب اس کی لاش کو کس طرح چھپاؤ گے؟"

حضرت موسیٰؑ نے ادھر ادھر دیکھا۔ انہیں ریت کا ایک ٹیلا نظر آیا اور حضرت موسیٰؑ نے قبطی کی لاش کو ریت کی تہ میں دبا دیا اور خاموشی سے گھر چلے گئے۔

وہ رات آپ نے بڑی بے چینی سے گزاری اور صبح ہوتے ہی اپنی بستی سے شہر کی طرف گئے اور رات جہاں جھگڑا ہوا تھا' وہاں جا کے جائزہ لیا اور قبطی کے قتل کی خبر کا چرچا شہر میں ہو رہا ہے یا نہیں۔

یہیں حضرت موسیٰؑ نے اسی اسرائیلی کو دوسرے قبطی سے لڑتے جھگڑتے دیکھا۔

جس سے حضرت موسیٰؑ کو احساس ہوا کہ یہ اسرائیلی بذات خود شر پسند اور بدطینت ہے۔ اسے الگ کر دینا چاہیے۔

حضرت موسیٰؑ نے اسرائیلی کو بہت ڈانٹا اور بیچ بچاؤ کے ارادے سے قبطی کو پکڑ کر الگ کر دینا چاہا تو اسرائیلی کو شبہ ہوا کہ اب حضرت موسیٰؑ اس کو مکا رسید کریں گے۔ چیخ کر بولا "موسیٰ کل رات تم نے فرعون کے باورچی قبطی کو مار ڈالا تھا اور اس کی لاش ریت میں دبا دی تھی اور آج تم میری جان لینا چاہتے ہو۔" اسرائیلی کی چیخ و پکار نے سب ہی کو حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ کر دیا اور حضرت موسیٰؑ کو وہاں سے ہٹ جانا پڑا۔

یہ خبر ہر طرف پھیل گئی یہاں تک کہ فرعون کو بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت موسیٰؑ کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے اسی لیے حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو ہلاک کر دیا۔

فرمان صادر ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو گرفتار کر لیا جائے۔

قبطی قوم کے افراد جو سرکاری متوسلین تھے' انہوں نے زور ڈالا کہ موسیٰ کو نہ صرف گرفتار کیا جائے بلکہ فوراً قتل بھی کر دیا جائے۔

ان لوگوں نے فرعون سے باتیں کر کے یہ فرمان حاصل کیا تھا کہ ان میں کے ایک شخص نے حضرت موسیٰؑ کو تلاش کیا اور اس خطرناک فیصلے کی حضرت موسیٰؑ کو خبر دی اور کہا "آپ کی گرفتاری اور قتل کا فرمان جاری ہو چکا ہے۔ آپ فوراً یہ شہر چھوڑ دیں۔"

ان واقعات کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اور وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر سو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے تھے' ایک کا تعلق موسیٰ کی قوم سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تو جو شخص موسیٰ کی قوم میں سے تھا اس نے غیر بنی اسرائیلی کے مقابلے میں موسیٰ سے مدد طلب کی تو انہوں نے اس کو (قبطی کو) مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اب موسیٰ کہنے لگے "یہ کام تو اغوا شیطان سے ہوا۔

بے شک وہ انسان کا دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔(موسیٰ) بولے کہ اے پروردگار میں نے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ تو مجھے بخش دے تو خدا نے ان کو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے' اب میں (آئندہ) کبھی بھی گناہ گاروں کا مددگار نہ بنوں گا۔" (القصص ۱۵ تا ۱۷)

"پھر صبح کے وقت (موسیٰ) شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے تو ناگہاں دیکھا کہ وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے کہا تو تو صریح گمراہی میں ہے اور جب موسیٰ نے ارادہ کہ کی اس شخص کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو موسیٰ کی قوم کا آدمی بول اٹھا کہ جس طرح تم نے کل ایک شخص (قبطی) کو مار ڈالا تھا' اسی طرح چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو۔ تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم و ستم کرتے پھرو اور یہ نہیں چاہتے کہ نیکو کاروں میں ہو۔

ایک شخص شہر کی طرف سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا کہ اے موسیٰ! شہر کے رئیس تمہارے بارے میں مشورے کرتے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں گے' تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

موسیٰ وہاں سے ڈرتے ڈرتے چل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے نجات دلا۔ (قصص ۱۸ تا ۲۱)"

حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو بتایا کہ ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آگیا ہے اور ان کی گرفتاری اور قتل کا فرمان جاری ہو چکا ہے اس لیے میں مصر چھوڑ رہا ہوں میرے پیچھے قوم کا خیال رکھنا۔

مذکورہ بالا واقعے کے بعد حضرت موسیٰؑ تو مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے اور حضرت ہارونؑ مصر میں رہ گئے۔

سالہا سال کے بعد حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ مصر میں جائیں اور اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائیں۔

لیکن حضرت موسیٰؑ کو ماضی کے حوالے سے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں فرعون کے پرانے فرمان پر عمل کر کے گرفتار یا قتل نہ کروا دیا جائے۔

اس دوران میں حضرت موسیٰؑ کو پیغمبری عطا ہو چکی تھی اور اللہ نے کچھ معجزات بھی عطا فرمائے تھے۔ کوہِ طور پر تجلّیِ الٰہی بھی دیکھ چکے تھے اور اللہ سے ہم کلام ہونے کا شرف بھی عطا ہوا تھا۔

عطائے معجزات میں سے عصا اور ید بیضا دو اہم معجزے تھے اور اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ اے موسیٰ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟

حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا تھا "اے اللہ! یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں سہارا لیتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے کئی اور بھی فائدے ہیں۔"

اللہ نے حکم دیا "موسیٰ اسے پھینک دے۔"

حضرت موسیٰؑ نے لاٹھی پھینک دی اور وہ لاٹھی سانپ بن گئی اور زمین پر رینگنے لگی۔

حضرت موسیٰ خوف زدہ ہوئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کے بھی نہ دیکھا۔

اللہ نے موسیٰ سے کہا "اے موسیٰ! خوف زدہ نہ ہو ہمارے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ اِلّا جس نے ظلم کیا پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا۔ تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ مت ڈر آگے آ اور لاٹھی کو پکڑ لے اور خوف نہ کر۔ ہم اس کو بھی اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔"

تحریف شدہ توریت میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے "خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

موسیٰ نے کہا "لاٹھی۔"

پھر خداوند نے کہا "اسے زمین پر ڈال دے۔"

موسیٰ نے اسے زمین پر ڈالا اور وہ سانپ بن گئی اور موسیٰ اس کے سامنے سے بھاگا۔

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا "ہاتھ بڑھا کر اس کی دم پکڑ لے۔"

اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کو پکڑ لیا۔ وہ سانپ اس کے ہاتھ میں لاٹھی بن گیا۔

حضرت موسیٰؑ کو دوسرا معجزہ ہاتھ کا عطا ہوا تھا جب آپ اپنا ہاتھ سینے سے گزار کر بغل تک لے جاتے تھے تو وہ سفید ہو جاتا تھا اور پھر جب دوبارہ اسی طرح بغل تک لے جا کر واپس لاتے تھے تو وہ اصلی صورت میں واپس آجاتا تھا۔

ان دو معجزات کے بعد حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ اب آپ مصر جائیں اور اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائیں۔

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا "کہ مجھ سے ماضی میں ایک قبطی کا قتل ہو گیا تھا اس لیے ڈر ہے کہ میں جیسے ہی وہاں پہنچوں گا' مجھے وہاں فوراً گرفتار کر لیا جائے گا اور فرعون مجھے قتل کروا دے گا۔"

حضرت موسیٰؑ کو بتایا گیا "وہ تمام لوگ جنہیں تو درکار تھا' وہ مر چکے ہیں اس لیے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ان دو معجزاتی نشانیوں کو لے کر مصر جاؤ اور فرعون سے کہو کہ وہ تمہاری قوم کو مصر سے نکلنے اور اپنے آبائی وطن جانے کی اجازت دے دے۔"

حضرت موسیٰؑ نے دعا کی "اے اللہ! میں اتنی اچھی طرح باتیں نہیں کر سکتا' جتنی اچھی طرح باتیں بھائی ہارون کرتے ہیں۔ وہ مجھ سے بہت زیادہ فصیح البیان ہیں اس لیے میرے گھر والوں میں سے ایک میرا وزیر یعنی مددگار مقرر فرما یعنی میرے بھائی ہارون کو میرا۔۔۔ قوت بازو بنا اور میرے کام میں شریک کر تاکہ ہم تیری بہت سی تسبیح کریں اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ بے شک تو ہم کو اچھی طرح دیکھ رہا

ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا "موسیٰ تیری دعا قبول کی گئی۔"

اسی طرح حضرت ہارونؑ کو بھی نبوت عطا ہوئی۔ اس کے بعد ایک طرف حضرت موسیٰؑ کو مصر واپس جانے کا حکم دیا گیا تو دوسری طرف اللہ نے حضرت ہارونؑ کو بتایا کہ موسیٰ مدین سے واپس آ رہے ہیں اس لیے تمہیں ان کے استقبال کے لیے وادی سینا پہنچنا چاہیے۔ چنانچہ دوسری طرف حضرت موسیٰؑ نے مصر کی طرف مراجعت کی اور حضرت ہارونؑ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

یہ دونوں بھائی مدتوں بعد ایک دوسرے سے ملے تھے' دونوں گلے لگ گئے۔

حضرت موسیٰؑ نے انہیں اپنے دونوں معجزوں کا مشاہدہ کروایا اور حضرت ہارونؑ کو بتایا کہ اب تم ہمارے وزیر' معاون و مددگار ہو اور اللہ نے میری دعا سے تمہیں بھی نبوت عطا فرمائی ہے۔ اب ہمیں فرعون کے دربار پہنچ کر مطالبہ کرنا ہے کہ وہ ہماری قوم کو مصر چھوڑ کے اپنے آبائی وطن جانے کی اجازت دے اور اس کو گمراہی سے نکال کے اللہ کی عبادت کرنے کی تلقین کی جائے۔

اس موقع پر حضرت ہارونؑ کو معلوم ہوا کہ وہ بھی نبی ہیں اور انہیں حضرت موسیٰؑ کی آمد کے بارے میں جو پہلے سے بتایا گیا تھا' وہ الہام تھا۔

حضرت ہارونؑ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ جب مصر پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا گھرانا مہمان نوازی کے سلسلے میں بہت مشہور تھا اور یہ دونوں بھائی رات کو اجنبیوں اور مسافروں کی طرح اپنے ہی گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت موسیٰؑ کی ماں نے حضرت موسیٰؑ کا استقبال کیا اور نہیں پہچان سکیں کہ یہ ان کا اپنا بیٹا موسیٰ ہے۔ حضرت ہارونؑ نے بھی نہیں بتایا لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہی اور حضرت موسیٰؑ نے خود ہی ماں کو بتا دیا۔ جب پہچانے گئے تو ماں نے ان کو سینے سے لگا لیا اور بڑی دعائیں دیں۔ آپ کو بھی وہی ڈر تھا جو حضرت موسیٰؑ کو تھا۔

حسب الحکم خداوندی حضرت موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کو لے کر فرعون کے دربار روانہ ہو گئے۔ اب ریمس کا تو انتقال ہو چکا تھا اور تخت پر اس کا بیٹا منفتاح ساٹھ سال کی عمر میں اپنے باپ کے تخت پر فرعون کی حیثیت سے متمکن تھا۔

لوگوں نے حضرت ہارونؑ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو انہیں پہچان لیا اور یہ خبریں فرعون تک پہنچ گئیں۔ فرعون کو بتایا گیا کہ دونوں بھائی اس سے کچھ باتیں کرنے آ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ تو شاہی محل کے ہی پروردہ تھے مگر حضرت ہارونؑ کی فرعون کی نظر میں وہ حیثیت نہیں تھی کہ وہ فرعون سے بات کر سکیں۔ تاہم فرعون نے ان دونوں کو دربار میں آنے دیا کہ دیکھیں' دونوں

بھائی کیا کہتے ہیں!

فرعون کو بتایا گیا کہ دونوں بھائی اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں اور اس کو گمراہی سے نکالنے آئے ہیں۔

فرعون کے دربار میں حضرت ہارونؑ نے ایک شاندار تقریر کی اور دعوت دی کہ وہ کفر کی سرکشی سے باز آ جائے۔ ایک اللہ کی عبادت کرے اور بنی اسرائیل کو ان کے آبائی وطن جانے کی اجازت دے دے۔

فرعون کو اس بات پر غصہ آیا کہ اس قوم کے یہ دو افراد' جو صدیوں سے اس کی غلامی کرتی چلی آ رہی ہے' اس کے پاس برابری کی سطح پر مطالبہ لے کر آئے ہیں۔

فرعون نے دونوں کو بتایا "تم کس خدا کی بات کرتے ہو۔ خدا تو میں خود ہوں اور تم دونوں اپنے جس خدا کی بات کر رہے ہو' وہ مجھ سے واقف ہو تو ہو مگر میں اسے نہیں جانتا۔"

حضرت ہارونؑ کی فصیح و بلیغ تقریر کے بعد حضرت موسیٰؑ نے کہا "اے فرعون! میں جہانوں کے پروردگار کا بھیجا ہوا ایلچی ہوں۔ میرے لیے کسی طرح یہ زیبا نہیں ہے کہ اللہ پر حق اور سچ کے علاوہ کچھ اور کہوں۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل اور نشانی لایا ہوں۔ پس تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے' ہم انہیں ان کے آبائی وطن واپس لے جائیں گے۔"

فرعون نے حضرت ہارونؑ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "تم دونوں میں نبی کون ہے؟"

حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا "ہم دونوں۔"

حضرت ہارونؑ نے کہا "میرے چھوٹے بھائی موسیٰ کو نبوت اور معجزات عطا ہوئے ہیں۔ انہوں نے' بھائی نے میرے لیے بھی دعا کی اور اس طرح مجھے نبوت حاصل ہو گئی۔"

فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا "اے موسیٰ! میں تجھ کو اس لحاظ سے جانتا ہوں کہ تمہاری پرورش ہمارے محل میں ہوئی۔ تمہیں انتہائی ناز و نعم سے پالا گیا ہے اور بچپن کی زندگی شاہی محل میں بسر ہوئی۔ افسوس کہ ہمیں اس وقت یہ نہیں معلوم تھا کہ تمہارا تعلق بنی اسرائیل سے ہے ورنہ جس طرح میرے باپ کے حکم سے تمام بنی اسرائیلی نرینہ اولادیں قتل کر دی جاتی تھیں' اسی طرح تجھ کو بھی قتل کر دیا جاتا۔"

حضرت موسیٰؑ نے کہا "یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ جس قوم کے بچوں کو تمہارے باپ کے حکم سے قتل کیا جا رہا تھا' اللہ نے اسی قوم کے ایک بچے کو شاہی محل میں پہنچا دیا اور تم نے اسے پال پوس کر بڑا کیا۔"

حضرت ہارونؑ نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں تو فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا "موسیٰ تم یہ نہ

سمجھا کہ ہم تمہارے ہاتھوں قتل کیے گئے اپنے باورچی کو بھول گئے۔ تم نے مکا مار کر اسے ہلاک کر دیا تھا اور جب تمہارا پیچھا کیا گیا تو تم اس ملک سے فرار ہو گئے تھے۔ اب تم میں اتنی جرات پیدا ہو گئی ہے کہ تم برابری کی سطح پر ہم سے باتیں کر رہے ہو اور مطالبات پیش کر رہے ہو۔"

حضرت موسیٰؑ نے کہا "تم لوگوں نے شاہی محل میں میری پرورش کی تو یہ بھی اس ظلم کی وجہ سے ہوا کہ بنی اسرائیل کے تمام لڑکے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیے جاتے تھے اسی لیے میرے گھر والوں نے مجھے سرکنڈوں کے تابوت میں رکھ کر دریا میں بہا دیا اور اللہ نے میری پرورش شاہی محل میں کروا دی۔ اگر تم اسے مجھ پر میری قوم پر شاہی احسان سمجھ رہے ہو تو اس احسان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم میری قوم کو غلام بنائے رکھو اور اسے مصر سے اپنے آبائی وطن نہ جانے دو۔"

یہ بحث و مباحثہ اس وقت نا تمام رہا۔ فرعون نے انہیں دوبارہ دربار میں آنے کا وقت دیا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کے توڑ میں اس کے سامنے ساحروں کو لانا چاہتا تھا۔

حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کے عجیب و غریب معجزات دکھا رہے تھے۔ وہ قبطی قوم کو ڈرانے اور دکھانے کے لیے حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کو دریائے نیل کے کنارے لے گئے اور ان قبطیوں کو بتایا کہ اللہ کی نشانی دیکھو اور حضرت ہارونؑ نے لاٹھی کو پانی پر دے مارا تو وہ پانی خون میں تبدیل ہو گیا۔

مصری یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے جب کہ بنی اسرائیلیوں کے اس سے حوصلے بڑھے۔ صدیوں سے غلامی کا بوجھ اٹھائے ہوئے بنی اسرائیلی اس لائق نہیں رہ گئے تھے کہ وہ اپنی آزادی کے لیے حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دیتے مگر اب تو ایک طرف حضرت موسیٰؑ اور دوسری طرف حضرت ہارونؑ فرعون اور قبطی قوم کا مقابلہ کر رہے تھے اور مختلف طریقوں سے اپنی قوم میں ہمت و حوصلہ پیدا کر رہے تھے۔

جب دریائے نیل کا پانی سرخ ہو گیا تو مصریوں پر بہت برا اثر پڑا۔

حضرت ہارونؑ نے اسی طرح ایک دوسرے موقع پر یہ لاٹھی ایک جوہڑ پر ماری ہر طرف مینڈک ابل پڑے اور ان مینڈکوں نے قبطیوں کی زندگی دو بھر کر دی اور یہ معجزات حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی اور حضرت ہارونؑ کے ذریعے وجود میں آ رہے تھے اور انہی دونوں معجزوں نے مصریوں سے اسرائیلیوں سے برابری کی سطح پر تعلقات قائم کروا دیے لیکن اب بھی ایسے قبطی موجود تھے جو حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کو اتنا بڑا آدمی نہیں سمجھتے تھے اور بنی اسرائیل کو غلام قوم سے زیادہ کا درجہ دینے کو تیار نہ تھے' وہ اب بھی ان سے بیگار لے رہے تھے۔ حضرت ہارونؑ انہیں مسلسل سمجھاتے رہتے تھے لیکن فرعون کے رویے کی وجہ سے قبطیوں کے غرور اور رویے میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔

حضرت ہارونؑ مصریوں سے کہتے تھے "تم فرعون کو رب مت کہو اور ایک خدا کی ہماری طرح عبادت

کرو۔ وہ خدا جس نے یہ کائنات بنائی اور تمہارے فرعون کو بھی ایک معمولی آدمی کی طرح ماں کے بطن سے پیدا کیا۔"

قبطیوں کا کہنا تھا "اگر اسرائیلی مصر چھوڑ کر اپنے آبائی وطن چلے گئے تو مصریوں کا کام کون کرے گا۔ وہ حضرت ہارونؑ کو بھی جادوگر ہی سمجھتے تھے جو کبھی تو دریائے نیل کے پانی پر لاٹھی مار کے خون میں بدل دیتا ہے اور کبھی جوہڑ پر لاٹھی مار کے مینڈک پیدا کر دیتا تھا۔

بنی اسرائیلی بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور انہیں امید ہو گئی تھی کہ اب انہیں غلامی سے نجات مل جائے گی اور شاید ان دونوں بھائیوں کے طفیل ان کو اپنے آبائی وطن پہنچنا نصیب ہو جائے اگرچہ یہ وہ بنی اسرائیلی تھے جن میں خوئے غلامی اس حد تک پختہ ہو گئی تھی کہ انہیں مصر چھوڑتے ہوئے دکھ ہو رہا تھا۔"

فرعون کے دربار میں حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کے مکالمات ہوتے رہے۔ ساحروں سے بھی ان کا مقابلہ ہوا۔ جادوگر سانپ پیدا کرتے رہے اور حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی اژدھا بن کر ان سانپوں کو نگلتی رہی۔

اور بالآخر وہ دن بھی آ گیا کہ دونوں بھائیوں کو حکم دیا گیا کہ اب وہ مصر چھوڑ دیں اور اپنے وطن واپس چلے جائیں۔

حضرت ہارونؑ نے قبطیوں کو حیران کرنے کے لیے لاٹھی مار کر جوئیں پیدا کر دیں اور پوری قوم اس بری طرح اس میں مبتلا ہوئی کہ وہ کسی اور طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔

بنی اسرائیل کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کرنے کے لیے عید جیسا اہتمام کریں۔ نئے کپڑے پہنیں' زیورات پہنیں جن کے پاس زیورات نہ ہوں' وہ قبطیوں سے مستعار لے لیں۔

اس دوران میں قبطی جوؤں کی وبا میں مبتلا ہو گئے اور بنی اسرائیلی مصر چھوڑ کر اپنے وطن کی طرف چل دیے۔

جب یہ بحیرہ قلزم کے قریب پہنچے تو فرعون کو کسی نے خبر کر دی کہ حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو اجازت کے بغیر وطن لیے جا رہے ہیں۔ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ یہاں بھی حضرت ہارونؑ پیش پیش تھے۔

قلزم میں لاٹھی ماری گئی' پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور بیچ میں خشکی نظر آئی اور پھر یہ لوگ اس راستے سے اتر کے مدین میں داخل ہو گئے اور فرعون جب بیچ میں آیا تو پانی دونوں طرف سے آ کر مل گیا اور وہ اس میں غرق ہو گیا۔ شاہی لشکر یہیں سے واپس ہو گیا۔

مدین میں پہنچنے کے بعد یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ وہ یہاں سے کہاں جائیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کی یہاں مصروفیات کچھ اور ہو گئیں' وہ کوہِ طور پر آنے جانے لگے اور اپنی نیابت حضرت ہارونؑ کے ذمے کر دیتے۔ اس دوران میں حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا "بھائی! مجھے کوہِ طور پر چالیس روز اعتکاف میں بیٹھنا ہے۔ میری عدم موجودگی میں آپ میرے خلیفہ اور نائب کے فرائض انجام دیں گے۔ احکامِ شریعت نافذ فرماتے رہیں گے' رشد و ہدایت کا فرض آپ کو سونپا گیا۔ میری عدم موجودگی میں بنی اسرائیل کو قابو میں رکھیں اور انہیں گمراہی میں نہ پڑنے دیا جائے۔ انہیں میرے طریقۂ کار پر عمل پیرا رکھنا اور خیال رکھنا کہ ان میں کسی طرح بھی افتراق اور انتشار پیدا نہ ہو۔"

قرآن میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میرے کوہِ طور پر جانے کے بعد تم میری قوم میں میرے خلیفہ ہو گے۔ ان کی اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کے راستے پر نہ چلنا۔" (سورہ اعراف ۱۴۲)

کوہِ طور پر اعتکاف میں چالیس دن بیٹھے رہنے کے دوران میں حضرت یوشعؑ بن نون' حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ان کے قریب تھے۔

قرنوں بلکہ صدیوں مصریوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیلیوں نے مصریوں کی عادتیں غیر ارادی طور پر قبول کر لی تھیں۔ انہیں اب یہاں مزہ نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے مصر میں جو کچھ دیکھا تھا یا انہیں مصر میں جو ماحول میسر تھا' یہاں وادی سینا میں وہاں جیسا کچھ بھی نہ تھا۔ مصر کی شہری زندگی' ان کے میلے ٹھیلے' ان کے تہوار' ان کے دیوی دیوتا' ان کی پوجا پاٹ۔ یہاں کچھ بھی نہ تھا' ان کے کان ان آوازوں کو ترس گئے' ان کی آنکھیں ان مناظر سے محروم ہو گئیں۔ یہاں معاشی تکالیف بھی بہت زیادہ تھیں۔ یہاں مصر جیسا ایک بھی بازار نہ تھا۔ وہاں گاڑیوں پر شراب کے مٹکے جاتے دکھائی دیتے تھے۔ بازاروں میں کھانے کی دکانیں تھیں' جن کی خوشبو ابھی تک ان کی ناکوں میں بسی ہوئی تھی۔ مصری اپنی عبادت گاہوں میں بلیوں اور گائے کے بچھڑوں کے سامنے کھڑے ہو کر اجتماعی عبادت کے گیت گایا کرتے تھے۔ یہ جب تک مصر میں رہے تو ان گیتوں نے ان کو کبھی بھی متاثر نہیں کیا تھا مگر یہاں آنے کے بعد وہ گیت بھی انہیں اچھے لگنے لگے تھے۔

ان کے ساتھ عراق کی سمیری قوم کا ایک فرد سامری بھی تھا۔ عراق میں بھی مصر کی طرح گائے اور بچھڑے کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس نے اسرائیلیوں میں اس ہیجانی کیفیت کو محسوس کیا اور سمجھ گیا کہ اس کے مربی بنی اسرائیلی کیا چاہتے ہیں۔ وہ کئی دن تک سن گن لیتا رہا۔ بنی اسرائیلی اس سے کہتے تھے کہ یہاں کچھ مزہ نہیں آ رہا ہے۔ مصریوں کی زندگی بڑی شاندار تھی۔ ان کی زندگی میں رونق ہی رونق تھی۔ یہاں ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کی جاتی ہے جس سے اجتماعی زندگی میں کوئی دلچسپی اور رنگا رنگی نہیں

پیدا ہوتی۔

سامری نے ان سے پوچھا "تم لوگوں میں سے کسی کو وہ گیت یاد ہے' جو وہ اپنی عبادت گاہوں میں گایا کرتے تھے؟"

کئی آدمیوں نے وہ گیت زبانی سنا دیے اور گا کر ان کی دھن بھی بتا دی۔

کسی نیک آدمی نے حضرت ہارونؑ کو خبر دی کہ ان کی قوم کے لوگ گمراہی کی طرف جا رہے ہیں' ان کی خبر لیں۔

حضرت ہارونؑ ان میں پہنچے اور پوچھا "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

ایک اسرائیلی نے جواب دیا "جناب! ہم سب یہاں آ کے پچھتا رہے ہیں' آپ لوگوں نے ہمیں مصر سے یہاں لا کر اچھا نہیں کیا۔"

حضرت ہارونؑ نے انہیں منع کیا کہ دیکھو موسیٰ نے اپنی نیابت میرے ذمے کی ہے۔ تم لوگ گمراہی پر مائل ہو مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

ان لوگوں نے کہا "تم دونوں بھائیوں نے ہمیں مصر کی پر رونق زندگی سے محروم کر دیا۔ وہاں بڑی بڑی خوشیاں تھیں' ہر طرف زندگی تھی' ہمیں مصری بھی بہت اچھے لگتے تھے۔ ہمیں اپنی خاموش عبادت میں مزہ نہیں آتا کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہمیں بھی مصریوں جیسے معبود مل جائیں اور ہم ان کے سامنے گا گا کے اجتماعی عبادت کریں۔"

حضرت ہارونؑ نے کہا "میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ مصر میں تو تمہیں مصریوں کی غلامی کرنا پڑتی تھی اپنی روزی کے لیے بہت زیادہ محنت و مشقت کرنا پڑتی تھی۔ مصری تم سے بیگار لیتے تھے' تم سے برابری کا سلوک نہیں کرتے تھے۔ وہ گمراہ تھے۔ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ اپنے بادشاہ فرعون کو اپنا رب کہتے تھے حالانکہ تم حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہو جو ایک خدا کی عبادت کرتے تھے پھر تم میں ہم دونوں بھائیوں کو پیدا کیا۔ ہمیں نبوت سے نوازا گیا۔ ہم تمہیں کبھی گمراہی کا رستہ نہیں اختیار کرنے دیں گے۔"

اسرائیلی بے دلی سے حضرت ہارونؑ کی باتیں سنتے رہے' وہ ان کی وفصاحت و بلاغت کے عادی ہو گئے تھے اور ان پر حضرت ہارونؑ کی فصاحت اثر نہیں کر رہی تھی۔

ایک اسرائیلی نے حضرت ہارونؑ سے درخواست کی "آپ ہمیں مصریوں جیسا ایک بت بنوا دیں تاکہ ہم سب اس کے سامنے اجتماعی طور پر گا گا کر عبادت کریں۔"

حضرت ہارونؑ نے غصے میں کہا "تم کیوں گمراہی کی باتیں کرتے ہو۔ میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ بھائی موسیٰ کو آ لینے دو' تم یہ باتیں ان سے کرنا۔"

اسرائیلی گرم ہو گئے' کہنے لگے "ہم موسیٰ کا انتظار نہیں کر سکتے۔ پتا نہیں وہ کب آئیں۔ ہمیں تو یہ شبہ ہے کہ اب وہ نہیں آئیں گے۔ اگر تم بت نہیں بنوا سکتے تو ہم بنوالیں گے۔"

ان لوگوں نے سامری سے پہلے ہی معاملہ کر رکھا تھا اور اس نے مصر سے لائے ہوئے زیورات کو گلا کے ایک بچھڑا تیار کر دیا جس میں سے آوازیں نکلتی تھیں۔

اسرائیلیوں نے کہا "اے ہارون! اگر تم ہمیں کوئی بت بنا کے نہیں دے سکتے تو کیا ہوا' ہم نے یہ کام سامری سے لے لیا۔ اس کا بنایا ہوا گائے کا بچھڑا آوازیں بھی نکالتا ہے اور یہی ہمارا معبود ہے۔"

حضرت ہارونؑ نے غصے میں کہا "میں تمہیں اس بچھڑے کی پرستش نہیں کرنے دوں گا' جسے کسی انسان نے بنایا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لیے گمراہی سے باز آجاؤ۔"

اسرائیلی بھی جوش میں آگئے اور حضرت ہارونؑ کو دھمکی دی "اے ہارون! تم ہمیں اس بچھڑے کی پرستش سے نہیں روک سکتے۔ اس میں تو خدا بولتا ہے۔ یاد رکھو تم اکیلے ہو اور ہم بہت ہیں۔ اگر ہمیں اس کی عبادت سے روکا تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔"

حضرت ہارونؑ نے کہا "مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔ یہ جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اور جس نے بھی تمہیں ورغلایا ہے' تو یہ سمجھ لو کہ اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے ورنہ تمہارا پروردگار تو خدا ہے۔ تم میری پیروی کرو اور میرا کہنا مانو۔"

ان لوگوں نے کہا "چلو' اس پر سمجھوتا کیے لیتے ہیں کہ جب تک موسیٰؑ واپس نہ آجائیں' ہمیں اس بچھڑے کی پوجا کرنے دو۔ جب وہ آجائیں گے تو ان سے بھی ہم یہی باتیں کریں گے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ نہیں مانیں گے' تب پھر دیکھا جائے گا۔"

سامری نے ورغلایا اگر ہارون زیادہ ضد کرے تو انہیں قتل کردو۔

حضرت ہارونؑ نے محسوس کیا کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا کہ قوم میں انتشار و افتراق پیدا نہ ہونے دینا اور حالات بنی اسرائیل کو اسی طرف لیے جا رہے تھے۔

حضرت ہارونؑ بے بس ہو گئے اور اسرائیلیوں نے دھوم دھام سے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انہیں مصریوں کے وہ گیت یاد تھے جو وہ اپنے بتوں کے سامنے کھڑے ہو کر گایا کرتے تھے۔

اب اس بچھڑے کی عبادت نہایت زور و شور سے ہونے لگی اور ان کی آوازیں دور دور تک گونجنے لگیں۔

حضرت ہارونؑ بے بس ہو چکے تھے اور انہیں بے چینی سے حضرت موسیٰؑ کا انتظار تھا۔

حضرت موسیٰؑ کو جتنے دن میں واپس آنا تھا' اس میں کچھ تاخیر بھی ہو گئی تھی' اس تاخیر سے اسرائیلیوں کو خوشی ہوئی کہ شاید اب حضرت موسیٰؑ کبھی واپس نہیں آئیں گے اور وہ مصریوں کی طرح گا

گا کر اجتماعی پوجا پاٹ کرتے رہیں گے۔

اس دوران میں اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو احکام شریعت کی تختیاں لکھوا دی تھیں اور وہ ان تختیوں کو لے کر کوہِ طور سے اترنے ہی والے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کو مطلع کیا گیا کہ آپ کی قوم نے گمراہی اختیار کر لی۔

حضرت موسیٰؑ حضرت یوشعؑ بن نون کے ساتھ طور سے اترے اور اپنی قوم میں پہنچے۔ اس وقت بچھڑے کی پوجا نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی اور گانے کی آوازیں دور دور تک گونج رہی تھیں۔

حضرت یوشعؑ بن نون کو گمان گزرا کہ شاید کہیں جنگ...... ہو رہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا "مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ لشکر گاہ میں لڑائی کا شور ہو رہا ہے۔"

حضرت موسیٰؑ نے کہا "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یہ آواز تو فتح مندوں کا نعرہ نہیں ہو سکتی اور نہ اس آواز میں مغلوبوں کی فریاد پائی جاتی ہے مجھے تو یہ گانے والوں کی آواز معلوم ہوتی ہے۔"

یہ دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سونے کے ایک بچھڑے کے سامنے زور و شور سے گا گا کر عبادت کی جا رہی ہے۔ اس ہجوم میں حضرت ہارونؑ بھی موجود تھے۔

حضرت موسیٰؑ غیظ و جلال میں آگئے۔ انہیں اس بات سے سخت اذیت پہنچی تھی کہ قوم میں گمراہی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ حضرت ہارونؑ بھی ان میں موجود ہیں۔

آپ نے پُر جلال لہجے میں ان سے پوچھا "یہ کیا ڈھونگ رچایا ہے' اور یہ کیا حرکت ہے؟"

اس آواز نے سب ہی کو لرزہ براندام کر دیا اور انہوں نے سامری کی طرف اشارہ کیا کہ اس نے یہ بچھڑا ڈھالا اور کہا "موسیٰ تم تو بھول گئے' تمہارا رب تو یہ ہے چنانچہ ہم اس کی پرستش کرنے لگے۔"

شدتِ غضب سے مغمور ہو کے حضرت موسیٰؑ نے احکام شریعت کی تختیاں ایک طرف ڈال دیں اور حضرت ہارونؑ کی طرف بڑھ کے ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کے کھینچنے لگے۔

قرآن کی سورہ اعراف (۱۵۰) میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اور شدتِ غضب سے موسیٰ نے وہ تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کو پکڑ کے اپنی طرف کھینچنے لگے="

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا "اے ہارون! یہ لوگ اگر شرک اور گمراہی میں مبتلا ہوئے تو یہ اندھے' بہرے' بے عقل اور جاہل تھے کہ بہک گئے مگر تم محرم اسرار حقیقت تھے۔ تم تو علم و عرفان اور یقین و ایمان کی آخری منزلوں پر کھڑے تھے تم کس طرح باطل کے تماشے دیکھتے رہے اور خاموش رہے۔ تم نے یہ کیوں نہ کیا کہ فوراً ان کو روک دیتے جب انہوں نے یہ گمراہی اختیار کی تھی اس وقت میرے پیچھے چلے آتے اور اس کی اطلاع کر دیتے۔ آخر تم نے میرے حکم سے سرتابی کیسے کی؟"

قرآن پاک کی سورہ طٰحہ (۹۲-۹۳) میں اسے یوں بیان کیا گیا۔

"اے ہارون! جب تم نے دیکھا تھا کہ وہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تم کو اس امر سے کس چیز نے روکا تھا کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ یا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔"

قرآن پاک میں ہی ہارون کے جواب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے۔ یہ لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں تو ایسا کام نہ کیجئے کہ لوگ مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے۔"

مزید فرمایا "اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی اور سر کے بالوں کو نہ پکڑیے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ کہیں یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔" (سورہ طٰحہ-۹۴)

جب آپ کا غیظ و غضب دور ہوا تو آپ نے فوراً اپنے اور حضرت ہارونؑ کے لیے دعا فرمائی "اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑا رحمت کرنے والا ہے۔" (سورہ اعراف-۱۵۱)

یہ واقعہ تحریف شدہ توریت کی کتاب خروج میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا' کیا ہو گیا۔

ہارون نے ان سے کہا کہ تمہاری بیویوں' لڑکیوں اور لڑکوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں' انکو اتار کر میرے پاس لے آؤ۔

چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل یہ وہ تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔

یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہو گی اور دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرائیں اور پھر انہوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور کھیل کود میں لگ گئے۔"

مزید آگے اس طرح بیان ہوا "جب موسیٰ نے دیکھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے ہیں کیونکہ ہارون نے ان کو بے لگام چھوڑ کر ان کو ان کے دشمنوں کے درمیان ذلیل کر دیا ہے تو موسیٰ نے لشکر گاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا' جو جو خدا کی طرف ہے' وہ میرے پاس آ جائے۔"

○☆○

جب حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر معتکف ہونے کے بعد الواح شریعت عطا کی گئی تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ حضرت ہارونؑ کو عہد کہانت دے دیا جائے۔ یہ عہد کہانت صرف حضرت ہارونؑ ہی کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ تو حضرت ہارونؑ کی نسل کو بھی عطا ہوا تھا۔

یہ حکم تحریف شدہ توریت کی کتاب خروج کے اٹھائیسویں باب میں اس طرح مذکور ہے "اور تو بنی اسرائیل میں سے ہارون جو تیرا بھائی ہے اور اس کے ساتھ کے بیٹے ندک اور ابیہود اور الیعزر اور اتمر کہانت کے عہدہ پر ہو کے میری خدمت کریں۔

اس عہدہ کہانت کے لیے ان کا ایک مخصوص لباس مقرر کیا گیا "اور تو اپنے بھائی ہارون کی عزت و زینت کے لیے مقدس لباس بنا دینا اور تو ان سب روشن ضمیروں سے جن کو میں نے حکمتِ روح سے بھرا ہے کہہ دے کہ وہ ہارون کے لیے لباس بنائیں تاکہ ہارون مقدس ہو کے میرے لیے کاہن کی خدمت انجام دے اور وہ جو لباس بنائیں گے' یہ ہیں یعنی سینہ بند اور افود اور جبہ اور چار خانے کا کرتا اور عمامہ اور کمر بند۔ وہ تیرے بھائی ہارون اور تیرے بیٹوں کے واسطے یہ پاک لباس بنائیں تاکہ وہ میرے لیے کاہن کی خدمت انجام دیں۔"

اس کی تفصیلات جو کتابوں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں' وہ یہ ہیں۔ زردوز گل کار لباس سونے کے تاروں سے تیار کیا گیا تھا۔ باریک کتان کے یہ کپڑے آسمانی ارغونی اور سرخ رنگ کے تھے۔ انہیں جواہرات سے مزین کیا گیا تھا۔ جبہ آسمانی رنگ کا تھا۔ جس میں گوٹ اور جھالر لگی ہوئی تھی۔ عمامے کے اوپر لگانے کے لیے ایک زریں تاج تھا اس پر الفاظ کندہ تھے "خدا کے لیے مقدس۔"

یہ لباس اس وقت پہنا جاتا تھا جب عبادت کی رسوم ادا کی جاتی تھیں کیونکہ موسیٰ کو حکم دیا گیا تھا "اس جبے کو ہارون خدمت کے وقت پہنا کرے۔"

حضرت ہارونؑ کی موجودگی میں ان کے بیٹے عبادت خانے اور قربان گاہ کی نگرانی اور اس سے متعلق انتظامی امور انجام دیتے تھے جب کہ حضرت ہارونؑ احکام شریعت ادا کرتے تھے اور جملہ رسوم عبادت انجام دیتے تھے۔ جس جگہ رسوم کہانت ادا ہوتی تھیں' وہ مقدس' کہلاتی تھی اور مقدس کے اندر حضرت ہارونؑ اور ان کے بیٹوں کے علاوہ کوئی اور نہیں جا سکتا تھا۔ تمام بنی اسرائیل کی طرف سے قربانی اور نذر کی ادائیگی کی رسم آپ ہی ادا کرتے تھے۔

مقدس میں جو بھی چیزیں تھیں ان کی حفاظت بھی حضرت ہارونؑ کے ذمے تھیں۔

یہ رسم خاص طریقے سے ادا کی جاتی تھی جب حضرت ہارونؑ کو منصب کہانت دیا گیا تو اس سلسلے میں ایک خاص رسم ادا کی گئی۔

اس موقع پر حضرت ہارونؑ اور ان کے بیٹوں کو غسل دیا گیا اور انہیں مخصوص لباس پہنایا گیا ان کے پاس ایک بچھڑا لایا گیا۔ بچھڑے کے سر پر سب سے پہلے حضرت ہارونؑ نے ہاتھ رکھا' ان کے بعد ان کے بیٹوں نے باری باری اپنے ہاتھ رکھے اور پھر بچھڑے کو ذبح کر دیا گیا۔ بچھڑے سے نکلنے والے خون کو قربان گاہ پر چھڑکا گیا اور پھر اسے آگ میں جلا دیا گیا۔ اس رسم کا نام خطا کی قربانی رکھا گیا۔

اور بالکل اسی ترتیب سے مینڈھا لایا گیا اور اس پر بھی لوگوں نے ہاتھ پھیرے اور مینڈھے کو ذبح کر دیا گیا اور اس کے خون کو قربان گاہ پر چھڑک کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیا گیا۔ تحریف شدہ توریت میں اس قربانی کو سوختنی کی قربانی کہا گیا ہے۔

اس دوسری قربانی کے بعد ایک مینڈھا پھر لایا گیا اسی طرح اس کو بھی ذبح کیا گیا لیکن اب اس کا خون حضرت ہارونؑ اور ان کے بیٹوں کے کپڑوں پر چھڑکا گیا۔ آخر میں حضرت ہارونؑ کو ایک ران اور بغیر خمیر کی ایک روٹی دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اسے ہاتھوں میں لے کر ہلائیں اور پھر اسے بھی آگ پر رکھ کر جلا دیا گیا اور مذہبی زبان میں اس قربانی کا نام ہلانے کا ہدیہ رکھا گیا۔

اسی دوران میں حضرت ہارونؑ کے دو بیٹوں سے نامعلوم کیا غلطی ہوئی کہ ندب اور ابیہود کی اچانک موت واقع ہو گئی۔

احبار باب ۱۔۲ دونوں بیٹوں کی موت کے بارے میں بتایا گیا "ندب اور ابیہود جو ہارون کے بیٹے تھے' دونوں نے اپنے بجوردان کو لے کر ان میں آگ بھری اور اس پر اوپری آگ جس کا حکم خداوند نے ان کو نہیں دیا تھا۔ یہ اوپری آگ خداوند کے حضور گزاری پھر خداوند کے حضور سے آگ نکلی اور ان دونوں کو کھا گئی اور وہ خداوند کے حضور مر گئے۔ ان کے مرنے کی اطلاع موسیٰ کو دی گئی۔ موسیٰ نے ان دونوں کی لاشوں کو اٹھا کر خیمہ گاہ سے باہر بھیج دیا اور اس کے بعد حضرت ہارونؑ اور ان کے دونوں بیٹوں کو ہدایت کر دی کہ سوگ نہ منائیں اور نوحہ نہ کریں۔ اب حضرت ہارونؑ کے دو بیٹے رہ گئے تھے۔

اب حضرت ہارونؑ وادی سینا میں خاموش زندگی گزار رہے تھے پھر آپ نے وادی سینا سے نکل کر رفیدیم کا رخ کیا ان کے ساتھ بنی اسرائیل کی جماعت بھی تھی اور یہ وہ جگہ تھی جہاں من وسلویٰ نازل ہوا تھا اور یہیں انہیں اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم دیا گیا۔

حضرت ہارونؑ نے اپنی قوم کو بتایا کہ "اللہ نے حکم دیا ہے کہ اب تم اپنے آبائی ملک شام میں داخل ہو جاؤ اور اگر تمہیں داخل ہونے سے روکا جائے تو ان کے خلاف جہاد کرو۔"

حضرت ہارونؑ جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کی قوم نے انکار کر دیا کہ وہ فی الحال شام نہیں جائیں گے۔ دونوں بھائیوں کے دباؤ ڈالنے کے باوجود بنی اسرائیلی جہاد پر آمادہ نہیں ہوئے تو یہ دونوں بھائی اللہ کے خوف سے لرزہ براندام ہو گئے اور حضرت موسیٰ نے سجدے میں گر کے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

"پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے علاوہ اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔"

اللہ' بنی اسرائیل کی نافرمانی سے اتنا ناراض ہوا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو بتایا گیا کہ اب بنی اسرائیل کی اس نسل کے لوگ چالیس سال تک شام نہیں جا سکیں گے۔ سوائے یوشع بن نون اور کالب کے۔

یہاں سے آپ ملک ادوم کی سرحد پر تشریف لے گئے اور یہاں سے پھر کوہ طور پہنچ گئے۔ کوہ طور' ادوم کی سرحد سے ملا ہوا تھا۔ یہاں حضرت موسیٰؑ کو بتایا گیا کہ حضرت ہارونؑ تو اپنے لوگوں میں جا ملے گا اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہارون اور الیعزر کو اپنے ساتھ لے کر کوہ طور پر آ جا۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ ہارون کا لباس اتار کر ہارون کے بیٹے الیعزر کو پہنا دے کیونکہ ہارون یہیں وفات پائے گا اور اپنے لوگوں سے جا ملے گا۔

حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ اور الیعزر کو بتایا کہ ان دونوں کو خدا کے حکم سے کوہ طور پر چڑھنا ہے تو یہ دونوں بلا عذر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کوہ طور پر گئے۔

کوہ طور پر پہنچنے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا "تم اپنا لباس اتار دو تا کہ میں اسے تمہارے بیٹے الیعزر کو پہنا دوں۔"

حضرت ہارونؑ نے اپنا لباس اتار کے حضرت موسیٰؑ کو دے دیا اور حضرت موسیٰؑ نے یہ لباس اپنے بھتیجے الیعزر کو پہنا دیا پھر یہیں موسیرہ نامی مقام پر حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا اور انہیں اسی جگہ دفن کر دیا گیا۔ اس وقت حضرت ہارونؑ کی عمر ایک سو تیئس سال تھی جب آپ مصر سے روانہ ہوئے تھے تو تیراسی سال کے تھے گویا وفات کے وقت تک مصر کو چھوڑے ہوئے انتالیس سال اور چار مہینے ہو چکے تھے۔

کوہ طور سے اتر کے حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو حضرت ہارونؑ کی وفات کی خبر دی تو بنی اسرائیل نے ان کے غم میں تیس دن ماتم کیا اور حضرت ہارونؑ کی جگہ منصب کہانت الیعزر کے سپرد کیا گیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ معراج کی شب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ہارونؑ سے آپ کی ملاقات ہوئی حدیث کے الفاظ ہیں۔

"میں اوپر پہنچا' وہاں حضرت ہارونؑ کو دیکھا۔ جبرائیل نے کہا یہ ہارون ہے' ان کو سلام کرو۔ میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا "اچھے بھائی' اچھے نبی خوش آمدید۔"

○☆○

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

(1400ق۔م)

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا سلسلۂ نسب سات واسطوں کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے تین بیٹوں میں سے ایک کا نام افرائیم تھا اور حضرت یوشعؑ کا تعلق انہی کی نسل سے تھا گویا یہ بھی خاندانِ نبوت کے ایک فرد تھے اور اللہ نے انہیں بھی نبوت عطا فرمائی تھی۔

لیکن جب تک حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ زندہ رہے، حضرت یوشعؑ کی نبوت کا کام شروع نہیں ہوا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں حضرت یوشعؑ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بہت زیادہ رہے۔ حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ سے ملاقات کرنے مجموعہ البحرین تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی حضرت یوشعؑ ان کے ساتھ تھے۔

اسی طرح توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت یوشعؑ ان کے ساتھ تھے اور جب وہاں سے واپس تشریف لائے تب بھی وہ حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے سرداروں پر مشتمل ایک وفد فلسطین کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو حضرت یوشعؑ بھی اس وفد کے رکن تھے۔ ایک دوسرے رکن کالب بن یفنہؑ بھی تھے۔ یہ کالب بن یفنہؑ بنی اسرائیل کے نہایت برگزیدہ شخص تھے۔ ان کا حضرت یوشعؑ کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔ یہ قبیلہ بنی یہوداہ کے سردار تھے۔
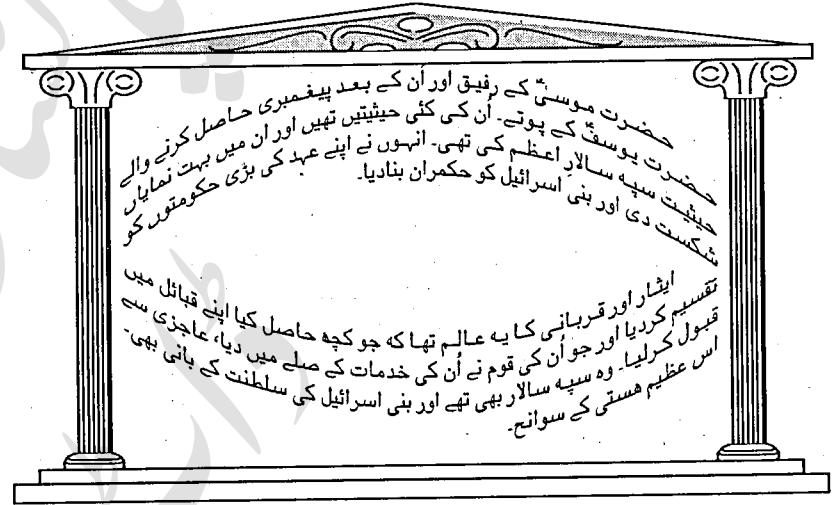
بارہ قبیلوں کے بارہ نمائندے جب فلسطین کا جائزہ لے کر حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو حضرت یوشعؑ اور کالب بن یفنہؒ کے علاوہ دس ارکان نے وہاں کے لوگوں کی طاقت کا تذکرہ بنی اسرائیل کے سامنے شروع کردیا۔ حالانکہ ان دونوں نے وفد کے دس ارکان کو منع کیا تھا کہ فلسطینیوں کی طاقت کا تذکرہ بنی اسرائیل سے نہ کریں لیکن وہ نہیں مانے اور ان دس ارکان کے بیان کا بنی اسرائیل پر یہ اثر ہوا کہ وہ جنگ سے کترانے لگے۔

اسی طرح جب بنی اسرائیل بیابان صین رفیدم نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے اور وہاں بنی اسرائیل کا پہلی بار عمالقہ کے جبار اور طاقت ور لوگوں سے مقابلہ ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے حضرت یوشعؑ کو بنی اسرائیل کا سردار اور سپہ سالار بنا کر روانہ کیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر اپنا عصا ہاتھ میں اٹھا کر کھڑے ہوگئے تھے۔ اس جنگ میں حضرت یوشعؑ نے عمالقہ کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ نے تمام بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے پیش گوئی کردی تھی کہ فلسطین اور بیت المقدس کی فتح حضرت یوشع بن نونؑ کے ہاتھوں ہوگی اور وہی بنی اسرائیل کو لے کر اس ارض موعود میں داخل ہوں گے۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ کی طرف سے مطلع کیا گیا کہ اب آپ کی وفات کا زمانہ قریب ہے اس لیے آپ یوشع بن نونؑ کو نبوت کی بشارت دے دیں۔ کتاب گنتی میں ہے:

خداوند نے موسیٰؑ سے کہا "تو نون کے بیٹے یوشع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے اور اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کرکے ان سب کی آنکھوں کے سامنے اسے وصیت کر اور اپنے رعب و ادب سے اسے بہرہ ور کردے تاکہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرمانبرداری کرے۔ وہ الیعزر کے سامنے کھڑا ہوا کرے جو اس کی جانب سے خداوند کے حضور اوریم کا حکم دریافت کیا کرے گا۔ اسی کے کہنے سے وہ اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے لوگ نکلا کریں اور اسی کے کہنے سے واپس آیا کریں۔" سو موسیٰؑ نے خداوند کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور اس نے یوشعؑ کو لے کر الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کیا اور اس نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے اور جیسا خداوند نے اس کو حکم دیا تھا اسے وصیت کی۔

حضرت موسیٰؑ نے ایک بار حضرت یوشعؑ کو بلا کر بنی اسرائیل کے سامنے کھڑا کیا اور کہا "اے یوشع! تو مضبوط ہو جا اور حوصلہ رکھ کیونکہ تو اس قوم کے ساتھ اس ملک میں جائے گا جس کو خداوند نے اس کے باپ دادا سے قسم کھا کر دینے کو کہا تھا اور تو ان کو اس کا وارث بنائے گا اور خداوند ہی تیرے آگے آگے چلے گا اور تیرے ساتھ رہے گا۔ وہ نہ تو تجھ سے دستبردار ہوگا اور نہ تجھے چھوڑے گا۔ سو تو خوف نہ کر اور بے دل نہ ہو۔"

حضرت موسیٰؑ کو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ وہ ایک بہت بڑا خیمہ لگائیں اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ خیمے کے نیچے جمع ہو جائیں۔

جب خیمہ لگ گیا اور خیمے کے سائبان کے نیچے تمام بنی اسرائیل جمع ہوگئے تو حضرت موسیٰؑ نے حضرت یوشعؑ کو طلب کیا۔ ان کا ہاتھ پکڑا اور اسی طرح خیمۂ اجتماع میں داخل ہوئے۔

کہتے ہیں کہ اسی وقت اللہ کی تجلی ابر کے ستون میں سے ہو کر خیمے میں نمودار ہوئی۔ یہاں اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے خطاب فرمایا اور خطاب کے آخر میں اللہ نے کہا۔ نون کے بیٹے یوشع کو ہدایت کی گئی اور کہا "تو مضبوط ہو جا اور حوصلہ رکھ کہ تو بنی اسرائیل کو اس ملک میں لے جائے گا جس کی قسم میں نے ان سے کھائی تھی اور میں تیرے ساتھ رہوں گا۔"

حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد اب جب کہ حضرت یوشعؑ کو منصب نبوت عطا ہو چکا تھا، اسی دوران بنی اسرائیل کی چالیس سالہ سزا کی مدت بھی پوری ہو چکی تھی اور صحرائے سینائی سے نکلنے کا وقت آ گیا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جو مشیتِ الٰہی سے بنی اسرائیل کے ارض مقدس میں داخلے کے لیے مقرر تھا۔

اب حضرت یوشعؑ کو وحی کے ذریعے حکم دیا گیا۔

"میرا بندہ موسیٰ مر گیا۔ سو تو اٹھ اور ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر یردن کے اس پار جا، جسے میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں۔ جس جس جگہ تیرے پاؤں کا تلوا ٹکے، جیسا میں نے موسیٰ سے کہا تھا میں نے تجھ کو دیا۔ بیابان اور اس لبنان سے لے کر بڑے دریا یعنی دریائے فرات تک حتیوں کا سارا ملک اور مغرب کی طرف بڑے سمندر تک تیری حد ہوگی۔ تیری زندگی بھر کوئی شخص تیرے سامنے کھڑا نہ رہ سکے گا جیسے میں موسیٰ کے ساتھ تھا، ویسے ہی تیرے ساتھ رہوں گا۔ میں نہ تجھ سے دستبردار ہوں گا اور نہ تجھے چھوڑوں گا۔ سو مضبوط ہو جا اور حوصلہ رکھ کیونکہ تو بنی اسرائیل کو اس ملک کا وارث کرائے گا جسے میں نے ان کو دینے کی قسم ان کے باپ دادا سے کھائی۔ تو فقط مضبوط اور نہایت دلیر ہو جا، احتیاط کر اور ساری اس شریعت پر عمل کر جس کا حکم میرے بندے موسیٰ نے دیا تھا۔ اس سے نہ داہنے ہاتھ مڑنا اور نہ بائیں، تاکہ جہاں کہیں تو جائے تجھے خوب کامیابی حاصل ہو۔"

حضرت یوشعؑ نے اپنی قوم کو جہاد کے لیے جمع کیا اور شطیم نامی جگہ پر سبھی نے قیام کیا۔ اب یہاں سے آگے بڑھنا جنگ کرنے کے مترادف تھا۔ یہ جنگ حضرت یوشعؑ پوری حکمت عملی سے لڑنا چاہتے تھے کیونکہ جن قوموں سے ان کا مقابلہ تھا، وہ بہت طاقتور تھیں۔

انہوں نے دو آدمیوں کو جاسوس کی حیثیت سے اریحا بھیجا۔ اریحا ایک فصیلوں والا شہر تھا اور نہایت منظم قوت کا مالک تھا۔ شہری نظم و نسق بہت اعلیٰ تھا اور اریحا شہر میں داخل ہونے والوں پر گہری

نظریں رکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ یوشعؑ کے دونوں جاسوس اندر داخل ہوئے تو شہر کے حکمران کو ان کی آمد کی اطلاع ہوگئی اور اس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا کہ انہیں گرفتار کرلیا جائے۔

سپاہی دونوں کو تلاش کرنے لگے۔

فصیل سے متصل راحب نامی ایک طوائف کا گھر تھا اور یہ طوائف نہایت بردبار اور سمجھدار تھی۔ دونوں جاسوسوں نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ طوائف نے دروازہ کھولا اور ان سے پوچھا "تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

دونوں نے اپنے بارے میں سچ سچ بتا دیا "ہم حضرت یوشع بن نونؑ کے جاسوس ہیں اس لیے ہمیں یقین ہے، اگر پکڑے گئے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ کیا تیرے گھر میں ہمارے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں؟"

راحب نے جواب دیا "چھپنے کی جگہ تو بہت ہے مگر تم دونوں حکومت کے مجرم ہو۔ اگر میرے گھر سے پکڑے گئے تو تمہارے ساتھ مجھے بھی سزا دی جائے گی۔"

دونوں نے طوائف کو بتایا "ہم پکڑے گئے تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم بچ جاؤ گی یا تم نے اگر ہمیں پکڑوا دیا تو یاد رکھو کہ اس شہر اور ملک کو تو فتح ہونا ہے۔ ہمارے بھائی بنی اسرائیل یہ تہیہ کر چکے ہیں کہ اریحا سے ان حکمرانوں کو نکال دیا جائے۔ اس وقت تیرے اور تیرے خاندان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ بولو، تمہیں کیا منظور ہے۔"

طوائف سوچتی رہی کہ واقعی اگر ان دونوں کے کہنے کے مطابق ہوگیا تو بنی اسرائیل اس کو معاف نہیں کریں گے۔ اس لیے ان سے ابھی سے سودا کرلینا چاہیے۔

دونوں بنی اسرائیلی پریشان تھے کہ اگر راحب نے اس طرح غیر معمولی سوچ و بچار سے کام لیا تو شہری سپاہی دونوں کو گرفتار کرلیں گے اور حضرت یوشع کا منصوبہ ناکام رہ جائے گا۔

راحب نے کہا "دیکھو رات ہو چکی ہے۔ اندھیرے میں تم دونوں کی تلاش آسان نہیں ہے پھر بھی جب وہ تلاشی لیں گے تو مکان کے ہر حصے میں دیکھیں گے اور جہاں بھی تمہیں چھپایا جائے گا تم دونوں پکڑے جاؤ گے۔"

دونوں نے مشورہ دیا کہ انہیں مکان کی چھت پر پہنچا دیا جائے۔ تلاشی لینے والے نیچے دیکھ کر چلے جائیں گے۔

راحب طوائف نے کہا "تلاشی لینے والے اتنے بھولے بھی نہیں ہوتے۔ جب وہ تلاشی لیں گے تو چھت پر بھی جا کے دیکھیں گے اور تم دونوں پکڑے جاؤ گے۔"

دونوں نے محسوس کیا کہ شاید راحب طوائف دونوں کو اپنے گھر میں پناہ نہیں دینا چاہتی۔ انہوں نے کہا "ٹھیک ہے، ہم کہیں اور روپوش ہونے کی کوشش کریں گے۔"

طوائف نے ان دونوں کو روکا اور کہا "یہ وقت عقل سے کام لینے کا ہے، اس لیے جلدی یا گھبرانے سے کام نہیں چلے گا۔ تم دونوں چھت پر چلو، وہاں میں تمہیں بتاؤں گی کہ کس طرح روپوش ہوا جاتا ہے اور تلاشی لینے والوں کو کس طرح بیوقوف بنایا جاتا ہے۔"

دونوں چھت پر چڑھ گئے۔ ان کے پیچھے طوائف بھی اوپر پہنچ گئی۔ چھت پر لکڑیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔

طوائف نے دونوں سے کہا "ان لکڑیوں کو جلدی جلدی ہٹاؤ اور تم دونوں یہاں بیٹھ جاؤ پھر ان لکڑیوں کو تم پر اس طرح رکھ دوں گی کہ تم ان کے بوجھ سے دبو بھی نہیں اور ہوا کے لیے راستہ بھی رکھوں گی، اس طرح کہ ہوا تو اندر جائے گی لیکن باہر سے تم دونوں نہ دکھائی دو۔"

یہ کام بہت جلدی ہوا۔ پہلے لکڑیوں کی جگہ خالی کی گئی اور دونوں کو اس جگہ بٹھا کے لکڑیاں دوبارہ چن دی گئیں۔ ہوا کے لیے بھی راستہ رکھا گیا اور جب یہ کام ختم ہوا تو راحب طوائف نے پوچھا "ہوا اندر پہنچ رہی ہے؟"

دونوں نے جواب دیا "ہاں پہنچ رہی ہے۔"

طوائف نے کہا "اب میں نیچے جا رہی ہوں۔ تم دونوں بالکل خاموش رہنا اور اگر وہ تلاشی لینے اوپر آئیں تو گھبرا مت جانا۔ گھبراؤ گے تو پکڑے جاؤ گے۔ بس ذرا ہمت اور سمجھداری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔"

طوائف نیچے چلی گئی۔ وہ خود بھی بہت گھبرا رہی تھی کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی اس قسم کے مجرم پکڑے جا چکے تھے اور چھپانے والوں کو مجرموں کے ساتھ ہی قتل کر دیا گیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد سپاہیوں نے طوائف کے دروازے پر دستک دی تو طوائف نے کہا "دیکھو تم دونوں مجھے پریشان نہ کرو۔ جب میں نے تم دونوں سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں مشتبہ لوگوں کو اپنے گھر میں نہیں آنے دیتی تو بار بار پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟"

ایک سپاہی نے حکماً کہا "تو دروازہ کھول۔"

طوائف نے کہا "تم حکم دو یا خوشامد کرو، یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔"

ایک سپاہی نے کہا "ہم سپاہی ہیں اور بنی اسرائیل کے دونوں جوانوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ تو دروازہ کھول۔"

طوائف نے دروازہ کھول دیا اور سپاہیوں کو اپنے سامنے دیکھ کر مطمئن ہوئی اور ہنسنے لگی "شکر ہے کہ تم لوگ اپنے گھر پر آئے تو سہی ورنہ میری تو جان ہی نکلی جا رہی... تھی کہ حکومت نے تو یہ اعلان کر رکھا ہے کہ جو بھی دونوں بنی اسرائیلیوں کو پناہ دے گا سزا کا مستحق ہوگا۔"

سپاہیوں نے پوچھا "وہ دونوں یہاں کب آئے تھے؟"

طوائف نے جواب دیا "رات کو شہر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے ذرا پہلے آئے تھے۔ ایک بار آئے تو خوشامد درآمد کرنے لگے کہ ایک رات کے لیے ہمیں پناہ دے دو مگر میں نے انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا 'کیا پناہ کے لیے میرا ہی گھر رہ گیا ہے؟ کوئی اور گھر دیکھو۔ دونوں چلے گئے اور کچھ دیر بعد دوبارہ آ کر کہنے لگے کہ یہ گھر تو تماش بینوں کے لیے کھل جاتا ہے پھر تم کیسی طوائف ہو جو انکار کر رہی ہو۔"

میں نے ان سے کہہ دیا کہ "بیشک! یہ گھر تماش بینوں کے لیے ہے مگر جاسوسوں کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔

تو جناب! میں نے سنا کہ دونوں میں سے کسی ایک نے کہا فوراً یہاں سے بھاگ چلو۔ ابھی شہر کا پھاٹک کھلا ہوا ہے ورنہ ہم پکڑے جائیں گے۔

ان کے مکالموں سے اندازہ ہوا کہ وہ یہاں سے چلے گئے۔ اگر آپ لوگ ان دونوں کا پیچھا کریں گے تو وہ ابھی تک دریائے اردن تک نہیں پہنچے ہوں گے۔ دیر کریں گے تو وہ اردن پار کر چکے ہوں گے۔"

ایک سپاہی نے کہا "راحب بات صحیح کر رہی ہیں۔ پھاٹک بند ہونے سے پہلے ہمیں فوراً دونوں کا پیچھا کرنا چاہیے۔"

سپاہی پھاٹک پر پہنچے اور پہریداروں سے پوچھا "یہاں دو بنی اسرائیل کے جاسوس آئے تھے کیا وہ واپس چلے گئے؟"

پہریدار نے جواب دیا "جناب جب وہ آئے تھے تو ہم نے انہیں اندر داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن رات میں جب پھاٹک بند ہونے لگا تو نکلنے والوں کی بھیڑ میں ہم انہیں نہیں دیکھ سکے۔"

شاہی سپاہیوں نے غصے میں پہریداروں پر لعنت بھیجی اور پھاٹک سے باہر نکل گئے اور پھر دریائے اردن کی طرف گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔

○☆○

خاصی بھاگ دوڑ کے بعد بھی جب دونوں بنی اسرائیلی نہیں ملے تو یہ واپس آئے۔ طوائف ان کی واپسی کی منتظر رہی اور پھر جیسے ہی سپاہی اس کے گھر کے سامنے سے گزرے تو طوائف نے انہیں روک لیا اور ان سے پوچھا "وہ دونوں ملے یا نہیں؟"

ایک سپاہی نے کہا "تمہارا خیال درست نکلا' دونوں نکل گئے۔"

ان سپاہیوں کے چلے جانے کے بعد خوب اچھی طرح مطمئن ہو کر راحب چھت پر گئی اور آہستہ

سے آواز دی "دوستو! باہر نکلو۔ مصیبت ٹل گئی۔"

اندر سے آواز آئی "پہلے لکڑیاں تو ہٹاؤ تاکہ ہم باہر نکلیں۔"

عورت نے جلدی جلدی لکڑیاں ہٹائیں۔ دونوں بنی اسرائیلی باہر آ گئے' پوچھا "سپاہی آئے تھے' کیا کہتے تھے؟"

طوائف نے کہا کہ وہ تم دونوں کو پوچھ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ ہم لوگ کسی مجرم کو پناہ نہیں دیتے اور یہ بھی کہا کہ تم دونوں دوبارہ بھی آئے تھے اور خوشامد کر رہے تھے کہ یہ گھر تو تماش بینوں پر کھلا رہتا ہے پھر ہم پر کیوں بند ہے؟ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اگر تماش بین ہوتے تو دروازہ کھل جاتا مگر تم دونوں جاسوس ہو اس لیے دروازہ نہیں کھلے گا اور پھر یہ کہہ کر سپاہیوں کو دھوکا دیا کہ تم دونوں نے پھاٹک سے باہر نکل جانے کی بات کی اور شاید اب وہ دریائے اردن کی طرف جا رہے ہوں گے' انہیں جلدی جا کر پکڑو ورنہ وہ دریا پار کر جائیں گے پھر وہ پھاٹک سے نکل کر تمہیں تلاش کرتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے اور تمہیں نہ پا کر نامراد واپس آئے۔ میں نے ان کو جاتے ہوئے دیکھا۔ ان سے ان کی ناکامی کی باتیں سنیں اور یہ اندازہ لگایا کہ انہیں یقین ہے کہ تم لوگ دریا پار کر گئے۔

"اب تمہیں جو کچھ کرنا ہے کرو اور بالکل فکر نہ کرو کہ پکڑے جاؤ گے۔"

دونوں بنی اسرائیلی راحب طوائف کے شکر گزار تھے کہ اس نے نہ صرف انہیں پناہ دی بلکہ نہایت عقل مندی سے بچا بھی لیا تھا۔ اب انہوں نے راحب سے پوچھا "بی بی! تمہیں یہ تو معلوم ہے کہ ہم دونوں بنی اسرائیلی ہیں اور تمہارے شہر یریحا میں جاسوسی کی غرض سے آئے ہیں۔ اب تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تم نے ہمیں کیوں بچایا؟ جب کہ ہم دونوں ایک طرح سے تمہاری قوم کے دشمن بھی ہیں۔"

راحب طوائف نے جواب دیا "جو کچھ تم نے کہا' درست مگر ہم سب یہ جانتے ہیں کہ تمہارے کاموں میں خدا کی مرضی شامل ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری قوم کے موسیٰؑ جب تم سب کو لے کر مصر روانہ ہوئے تھے اور مصر کا بادشاہ فرعون تمہارا پیچھا کر رہا تھا تو اللہ نے تمہاری قوم کے لیے بحیرہ قلزم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور موسیٰؑ اپنی قوم کو درمیانی خشکی کی راہ سے نکال لائے تھے۔ تم خدا کی پسندیدہ اور برگزیدہ قوم کے افراد ہو اس لیے تم یہاں جس مقصد سے بھی آئے تھے اللہ تم کو اور تمہاری قوم کو کامیابی عطا فرمائے گا۔"

دونوں میں سے ایک نے کہا "چلو مان لیا کہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ ہماری قوم کو اپنے مقاصد میں کامیابیاں عطا فرمائے گا مگر تمہیں ہماری کامیابیوں سے کیا فائدہ پہنچے گا؟"

راحب طوائف نے جواب دیا "جب اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی عطا فرمائے اور تم اس شہر کو فتح کر لو گے تو یہ بھی طے ہے کہ تمہاری قوم پورے شہر میں لوٹ مار کرے گی اور ہر طرف قتل و غارت گری

ہو رہی ہو گی تو اس وقت تم مجھے' میرے اس گھر کو اور میرے خاندان والوں کو پناہ میں رکھو گے۔ بس تم دونوں کو مجھ سے یہی وعدہ کرنا ہے۔"

دونوں کو وعدہ کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں تھی مگر اس ہنگامے میں ان دونوں کی قوم کے لوگ راحب طوائف' اس کے خاندان اور اس کے گھر کو کس طرح پہچانیں گے۔ یہ ذرا پیچیدہ اور دشوار مرحلہ تھا۔ آخر میں دونوں نے اس کا ایک حل نکال ہی لیا اور راحب طوائف سے کہا "بی بی! جب تم یہ دیکھو کہ ہماری قوم کے لوگ شہر میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے والے ہیں تو تم اپنی کھڑکیوں میں سرخ رنگ کی ڈوریاں یا کپڑے کی چٹیں باندھ دینا۔ ہم دونوں اپنی قوم کو بتادیں گے کہ جس مکان کی کھڑکیوں میں سرخ رنگ کی کچھ چٹیں بندھی ہوں اسے پناہ دی گئی ہے۔ اس طرح تم اور تمہارا خاندان اور گھر لوٹ مار اور قتل وغارت گری سے بالکل محفوظ رہیں گے۔"

اب دونوں نے طوائف سے پوچھا "بی بی! ہم تو یہاں یہ معلوم کرنے آئے تھے کہ تمہاری قوم کا کیا حال ہے۔ یہاں کی حکومت کتنی مضبوط ہے۔ یہاں فوج کتنی رہتی ہے اور کیا ہم ان پر قابو پالیں گے؟"

طوائف نے جواب دیا "میں تمہارے سوالوں کا تفصیلی جواب دینے سے رہی مگر تمہیں ایک بات ضرور بتائی جاسکتی ہے کہ میری قوم اور میری قوم کے حکمرانوں پر تمہاری قوم کی دہشت طاری ہے اور یہی دہشت تمہیں کامیاب کرائے گی۔"

دونوں جس مقصد سے آئے تھے وہ انہیں حاصل ہو چکا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ شہر سے باہر کس طرح جائیں کیونکہ شہر پناہ کے پھاٹک پر سخت پہرا ہو گا اور پہریدار انہیں شک میں پکڑ کے حکومت کے حوالے کردیں گے۔ انہوں نے راحب طوائف سے کہا "بی بی! جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے وہیں اب تم شہر سے باہر نکلنے کی کوئی تدبیر بھی بتادو؟"

راحب طوائف نے فی الفور جواب دیا "یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ میرا مکان فصیل سے ملا ہوا بنا ہے۔ اس کی کھڑکیوں سے تم باہر نکل سکتے ہو۔"

دونوں نے رات کے اندھیرے میں کھڑکی کھول کر باہر کا منظر دیکھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کہیں دور دور تک کسی انسان کا وجود نہ تھا۔

لیکن نیچے جو دیکھا تو فاصلہ کافی تھا اور اگر یہاں سے وہ دونوں پھاندتے تو اگر دونوں مرتے نہیں تو ان کی ٹانگیں ضرور ٹوٹ جاتیں۔

طوائف نے ان دونوں کی پریشانی کا اندازہ لگالیا اور ایک مضبوط رسی اٹھالائی' کہا "اب تم اس رسی کے ذریعے نیچے اتر جاؤ۔"

دونوں نے رسی کا ایک سرا کھڑکی سے باندھا اور پھر یکے بعد دیگرے نیچے اتر گئے۔ نیچے اترنے کے

بعد انہوں نے رسی کو حرکت دی۔ رسی کے ہلنے کی وجہ سے طوائف کو معلوم ہو گیا کہ دونوں زمین پر پہنچ چکے ہیں۔ اس لیے اس نے رسی اوپر کھینچ لی۔

باہر نکلنے کے بعد انہوں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ دور پھاٹک کی طرف روشنی ہو رہی تھی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ان دونوں کی تلاش جاری ہے اور حکومت کے کارندے انہیں بدستور تلاش کر رہے ہیں۔

ان دونوں نے فصیل کی دیوار سے چپک کے پیچھے ہٹنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ جب فصیل کے کونے میں پہنچ گئے تو دوسری طرف مڑ کے دونوں نے اندھیرے میں بھاگنا شروع کردیا۔ یہاں کا راستہ انہیں معلوم تھا۔ قریب ہی پہاڑی تھی۔ دونوں نے اس پہاڑی میں پناہ لی اور یہاں دو دن تک چھپے رہے۔

اس دوران میں ان دونوں کی تلاش ہوتی رہی۔ مایوس ہونے کے بعد ایک قسم کا سکوت طاری ہو گیا اور دونوں پہاڑی سے نکل گئے اور حضرت یوشعؑ کو ساری خبریں پہنچادیں۔

اب حضرت یوشعؑ نے اریحا پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ انہیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ جن پر وہ حملہ کرنے والے ہیں' وہ پہلے سے بنی اسرائیل سے خوف زدہ ہیں۔

ان دونوں نے حضرت یوشعؑ کو راحب طوائف کی پوری روداد سنائی اور کہا "آپ اپنی قوم کو بتادیں کہ جس گھر کی کھڑکیوں سے سرخ رنگ کی ڈوریاں یا سرخ کپڑے کی چٹیں بندھی ہوں' اس گھر کی حفاظت کی جائے۔"

حضرت یوشعؑ نے یہ اعلان بار بار کیا تاکہ اسے سب سن لیں اور یاد رکھیں اور بعد میں ان پر عمل کریں۔

تیاری کے بعد حضرت یوشعؑ اپنی قوم کو لے کر آگے بڑھے اور دریائے اردن کے کنارے پہنچ گئے۔ فوج کے آگے آگے کاہن تابوتِ سکینہ لیے چل رہے تھے۔

یہاں پر ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آخر تابوتِ سکینہ ہے کیا چیز؟

یہ ببول کی لکڑی کا بنا ہوا ایک صندوق تھا اور اسے اللہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی لمبائی ڈھائی ہاتھ تھی۔ چوڑائی ڈیڑھ ہاتھ اور اونچائی بھی ڈیڑھ ہاتھ تھی۔ اس کے اندر اور باہر سونا منڈھا ہوا تھا۔ صندوق کے اوپر ایک زریں تاج بنا ہوا تھا۔ سونے کے دو فرشتے سرپوش پر اس طرح گھڑ کے بنائے گئے تھے کہ ان کے منہ آمنے سامنے تھے اور فرشتوں کے پر صندوق کو ڈھانکے ہوئے تھے اسے اٹھانے کے لیے اس میں سونے کے چار کنڈے لگے ہوئے تھے۔

صندوق کے اندر وہ عہد نامہ تھا جو حضرت موسیٰؑ اور اللہ کے درمیان ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جب

بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل ہوا تھا تو من کو ایک مرتبان میں بھروا کر اس صندوق میں رکھ دیا گیا تھا تاکہ یہ قوم کے لیے یادگار رہے۔ حضرت ہارونؑ کی وفات کے بعد ان کا پیراہن اور حضرت موسیٰؑ کے وصال کے بعد ان کا عصا اور چند دیگر تبرکات بھی اسی صندوق میں رکھ دیئے گئے تھے اور کہتے ہیں کہ اسی صندوق کے پاس اللہ تعالیٰ، حضرت موسیٰ سے مخاطب ہوتا تھا۔

قرآن کریم میں تابوت سکینہ کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔"

"ایک صندوق کہ جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلیِ خاطر ہے اور ان میں سے کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی۔" (سورہ بقرہ ۲۴۸)

یہ تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے لشکر کے ساتھ چل رہا تھا اور اس کے اٹھانے پر چار کاہن مامور کیے گئے تھے۔ یہ کاہن تابوت سکینہ کو اٹھا کے آگے آگے چل رہے تھے اور قوم بنی اسرائیل پیچھے پیچھے چل رہی تھی جب یہ لوگ دریائے یُردن پر پہنچے تو دریا کو پار کرنا ایک مسئلہ تھا مگر ایک بار پھر قدرتِ خداوندی ان کے کام آئی۔ چاروں کاہنوں کے پاؤں جیسے ہی پانی سے مس ہوئے، پانی دو حصوں میں کٹ گیا اور بیچ میں راستہ پیدا ہو گیا اور پورا بنی اسرائیلی لشکر دریا کے اس پار پہنچ گیا۔

کاہن دریا کے کنارے کھڑے انتظار کرتے رہے کہ لشکر اس طرف پہنچ جائے تو یہ بھی تابوت سکینہ لے کر دوسری طرف جائیں۔ آخر لشکر اور تابوت سکینہ دونوں ہی دوسرے کنارے پہنچ گئے۔ جس جگہ انہوں نے قیام کیا تھا اس کا نام جلجل تھا۔ ان کے سامنے اریحا کی فصیل تھی اور یہ شہر نہایت محفوظ تھا۔ شہر پناہ کی دیواریں ناقابل عبور تھیں۔

حضرت یوشعؑ نے حکم دیا "تابوت سکینہ کو ساتھ لے کر شہر کے چاروں طرف گشت کیا جائے اور مینڈھوں کے سینگوں کے بنے ہوئے نرسنگے گشت کے دوران بجائے جائیں۔"

سات دن تک اس پر عمل ہوتا رہا اور تابوت سکینہ کے گشت کے ساتھ ساتھ نرسنگے بجتے رہے۔

ساتویں دن حضرت یوشعؑ نے حکم دیا کہ اب پوری قوت سے تمام نرسنگے بجائے جائیں۔

اس پر بڑی کامیابی سے عمل ہوا۔ ادھر نرسنگوں کی آوازیں بلند ہوئیں، ادھر بنی اسرائیل نے پوری قوت سے نعرے لگائے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ شہر پناہ کی دیوار سامنے سے گر گئی اور بنی اسرائیل اندر داخل ہو گئے۔

اس موقع پر حضرت یوشعؑ نے اپنی قوم کو بتایا "جب تم شہر میں داخل ہو تو خدا کے حکم کے بموجب اس کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدے میں گرتے ہوئے، خاکساری سے شہر میں داخل ہونا، اس طرح خدا خوش ہوگا۔"

بنی اسرائیل نے حضرت یوشعؑ کی بات کا مذاق اڑایا "محنت ہماری، کوشش ہماری اور بعد میں شکریہ

ہم خدا کا ادا کریں۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

چنانچہ یہ اریحا شہر میں داخل ہونے کے بعد زمین پر لیٹ گئے اور اوندھے منہ شہر کی طرف کھسکتے رہے اور کہتے رہے "خوشہ کے اندر دانہ بہتر۔"

جب کہ ان سے کہا تھا کہ وہ سجدے میں گر کے کہیں گے حطہ (یعنی گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں) اور بنی اسرائیل نے حطہ کو جبہ سے بدل دیا تھا۔

قرآن پاک میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں سے بھی جی چاہے کھانا پینا اور حطہ کہنا اور سجدے کرنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے مگر ان میں جو ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا بدل دیا اور اس کی جگہ دوسرا لفظ کہنا شروع کر دیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔" (سورہ اعراف ۱۶۱-۱۶۲)

حضرت یوشعؑ نے دونوں جاسوسوں کو حکم دیا، طوائف راحب کو اس کے خاندان سمیت نکال لاؤ تاکہ شہر کی بربادی میں ان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔"

دونوں راحب کو اس کے خاندان کے ساتھ بحفاظت نکال لائے اور لشکر کے عقب میں انہیں رہنے کی جگہ دی اور اس کے بعد شہر کے خلاف کارروائی شروع ہوئی۔ شہریوں پر پہلے ہی سے ان کی ہیبت طاری تھی۔ سخت مقابلہ ہوا مگر انہیں شکست اٹھانی پڑی اور حضرت یوشعؑ نے ان سب کو قتل کر دیا۔

توریت کی زبان میں:

"اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت، کیا جوان، کیا بڈھے، کیا بیل، کیا بھیڑ کیا گدھے۔ سب کو تلوار کی دھار سے نیست و نابود کر دیا اور انہوں نے اس شہر کو جو کچھ اس میں تھا سب کو آگ سے پھونک ڈالا۔"

صرف چاندی، سونا اور لوہے اور پیتل کے ظروف بچا لیے گئے اور اسے بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔

آگے عی (AI) شہر والوں نے بنی اسرائیلیوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

حضرت یوشعؑ کو بڑی حیرت ہوئی کہ انہیں شکست کیوں ہوئی جب کہ اللہ نے ان کو یقین دلایا تھا کہ جہاں ان کی ایڑی ٹکے گی وہ علاقہ ان کو دے دیا جائے گا پھر یہاں تو پورا لشکر داخل ہو گیا تھا تو انہیں شکست کیوں ہو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد انہیں بتایا گیا کہ ان کے لشکر میں ایک بددیانت شخص ہے جس نے مالِ غنیمت میں سے کچھ سونا چوری کرلیا ہے' اسی کی بددیانتی کی پاداش میں بنی اسرائیل کو شکست اٹھانی پڑی۔

اس انکشاف کے بعد حضرت یوشعؑ نے اعلان کیا "تم میں جو بددیانت ہو وہ اپنی بددیانتی کا اقرار کرلے ورنہ اللہ اسے ہم پر ظاہر کردے گا۔"

کسی شخص نے چور کو چوری کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے حضرت یوشعؑ کو بتادیا کہ یہوداہ قبیلے کا عکن نامی شخص چور ہے اور اس نے خود اس کو سونا چھپاتے دیکھا تھا۔

چور پکڑا گیا اور تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ کرمی بن زیدی بن زاوح کا بیٹا ہے۔ اسی نے کچھ سونا بھی چرایا تھا اور کچھ چاندی بھی اور اس کی وجہ سے خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا اور بنی اسرائیل کو شکست ہوگئی۔

حضرت یوشعؑ نے اس سے پوچھا "تو نے ایسا کیوں کیا؟"

عکن نے جواب دیا "مجھے لالچ نے اندھا کردیا تھا۔"

حضرت یوشعؑ نے پوچھا "وہ سونا اور چاندی کہاں ہے؟ میرے حوالے کر۔"

عکن نے چرایا ہوا سونا اور چاندی ان کے حوالے کردیا۔ جسے بیت المال میں داخل کردیا گیا اور عکن کے لیے فیصلہ سنایا گیا کہ اسے سنگسار کردیا جائے۔

عکن کو ایک میدان میں کھڑا کردیا گیا اور بنی اسرائیل پتھر لے کر کھڑے ہوگئے۔ عکن چیخ چیخ کر رحم کی درخواست کررہا تھا "مجھے معاف کردیا جائے' میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔"

مگر حضرت یوشعؑ نے کہا "یہ معاف نہیں کیا جاسکتا' اسے سنگسار کردیا جائے۔"

اس پر ہر طرف سے پتھر برسنے لگے۔ وہ ہاتھوں سے بچنے کی کوشش کررہا تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے پورا لہولہان ہوگیا۔ جگہ جگہ سے اس کا سر پھٹ گیا اور گوشت ادھڑ گیا۔ لباس خون میں تربتر ہوگیا۔ وہ بالکل پتھروں سے کچلا گیا اور اس کی شکل اتنی بگڑ گئی کہ اسے پہچانا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

عکن کی ہلاکت کے بعد حضرت یوشعؑ کو حکم دیا گیا "اب تم عی (AI) پر حملہ کرو' اللہ تمہیں کامیابی عطا فرمائے گا۔"

شہر عی (AI) پر دوبارہ حملہ کیا گیا۔ اس بار بنی اسرائیل کو فتح حاصل ہوئی۔ عی (AI) کو شکست ہوئی۔ ان کو بھاگنے بھی نہیں دیا گیا اور ان سب کو قتل کردیا گیا۔ کٹے ہوئے سروں کی گنتی کی گئی' یہ بارہ ہزار نکلے۔

ان دو شہروں کی فتوحات کے بعد ہر طرف بنی اسرائیل کا رعب طاری ہوگیا اور دور دور تک ان کی دھاک بیٹھ گئی۔

اب ان کے سامنے جبعون نامی ریاست تھی۔ یہ ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں کا بادشاہ اور یہاں کے مرد بہادری میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے اور ریاست چار شہروں پر مشتمل تھی۔ جبعون' کیفر' بیروت' اور قریت یعریم ان کے شہر تھے۔ یہ ریاست جلجل سے تین دن کی مسافت پر تھی اور یہاں بھی بنی اسرائیل کی دہشت پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت یوشعؑ نے اجازت دی کہ ان سفیروں کو پیش کیا جائے۔ سفیروں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔

سفیروں کے کپڑے بہت پرانے تھے اور جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ ان کے جوتوں میں بھی پیوند لگے ہوئے تھے۔ شراب کے مشکیزے گدھوں پر لادے ہوئے تھے اور سوکھی پھپھوندی لگی ہوئی روٹیاں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے۔ ان سب کو حضرت یوشعؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک گردوغبار میں اٹے ہوئے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ لوگ کہیں دور دراز علاقے سے آئے ہیں۔

حضرت یوشعؑ نے ان کو نہایت عزت سے بٹھایا اور پوچھا "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

ان لوگوں نے کہا "آپ ہماری حالت دیکھ رہے ہیں۔ ہم بہت دور سے آئے ہیں۔ آپ کی شہرت دور دور پہنچ چکی ہے۔ آپ نے جس شہر پر حملہ کیا اسے فتح کرلیا اور فتوحات کا یہ سلسلہ جاری رہا تو آپ کسی نہ کسی دن ہمارے شہر کو بھی فتح کرلیں گے مگر ہم نہیں چاہتے کہ آپ ہمارے شہر پر حملہ کریں اور وہ تباہ و برباد ہوجائے۔ ہم آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ ایک معاہدۂ امن ہم دونوں میں ہونا چاہیے۔ جب آپ ہمارے شہر میں آئیں گے تو آپ کو شہر پناہ کے دروازے کھلے ہوئے ملیں گے' ہم آپ کی مہمان نوازی کریں گے۔"

حضرت یوشعؑ نے کہا "اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم تم سے صلح کیے لیتے ہیں۔"

دونوں میں صلح ہوگئی اور ایک معاہدۂ امن تیار ہوا۔ معاہدے کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے اور حضرت یوشعؑ جبعون کی طرف بڑھے۔

جبعون کا پھاٹک کھول دیا گیا۔ فوجیں ہٹادی گئیں اور جب حضرت یوشعؑ تیسرے روز جبعون شہر کے سامنے پہنچے اور شہر کے محاصرے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ اس شہر کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں اور مرکزی پھاٹک بھی ان کے استقبال کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ انہیں حیرت تھی کہ یہ کیسے شہری ہیں جو بنی اسرائیلیوں سے بالکل خوف زدہ نہیں ہیں۔

حضرت یوشعؑ نے بڑے پھاٹک میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا کہ استقبال کے لیے وہی سفیر کھڑے ہوئے ہیں جو ان سے معاہدۂ امن کرکے آئے تھے۔

حضرت یوشعؑ نے انہیں دیکھا تو حیرت سے پوچھا "تم لوگ یہاں کہاں؟ تم تو کسی دور دراز علاقے

سے میرے پاس پہنچے تھے؟"

ان لوگوں نے جواب دیا "جناب! ہمارا وطن یہی شہر ہے اور ہم نے اسی ریاست کے لیے آپ سے معاہدۂ امن کیا تھا۔"

حضرت یوشعؑ نے کہا "تو اس کا یہ مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں نے مجھ سے فریب کیا' مجھے دھوکا دیا۔ اگر میں تمہارے معاہدے کی رو سے تمہیں معاف نہ کروں اور تمہاری قوم کو سزا دوں تو تم کیا کرو گے؟"

ان لوگوں نے کہا "آپ نے جو معاہدۂ امن ہم سے کیا' آپ اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔"

حضرت یوشعؑ نے سوچنے کے بعد کہا "ٹھیک ہے۔ میں اس معاہدے کی پابندی کروں گا مگر ان سفیروں کو جعل سازی کی سزا ضرور دوں گا۔"

ان سب کو گرفتار کرلیا گیا۔ حضرت یوشعؑ شہر میں پُرامن طریقے سے داخل ہوئے کیونکہ شہریوں کو معافی دی گئی تھی۔

شہر پر پوری طرح قابض ہونے کے بعد اعلان کیا "اے شہریو! تمہیں معاف کیا گیا اور تمہارے مال و زر کو بھی ہاتھ نہیں لگایا جائے گا مگر تمہارے سفیروں کو جعل سازی کی سزا دی جائے گی اور انہیں خدا کے گھر کے لیے لکڑیاں لانی پڑیں گی اور پانی بھرنا پڑے گا۔"

چنانچہ ان سفیروں میں سے کچھ کو لکڑہارا بنادیا گیا اور کچھ کو بہشتی۔ یہ لوگ غلاموں کی طرح یہ خدمت انجام دینے لگے۔ اب شہری تو بالکل محفوظ تھے مگر ان کے سفیر مستقلاً اللہ کے گھر کی لکڑیوں اور پانی سے خدمت کرتے رہے۔

حضرت یوشعؑ نے یہاں سے آگے کوچ کیا مگر انہیں راستے میں بتایا گیا کہ پانچ بڑے حکمرانوں نے ان کے خلاف اتحاد کرلیا ہے اور اب وہ کسی وقت بھی جبعون پر قبضہ کرکے آگے بنی اسرائیل پر حملہ آور ہونے لگیں گے۔

پانچوں اتحادیوں نے جبعون کا اس وقت محاصرہ کیا جب حضرت یوشعؑ بنی اسرائیل کے ساتھ جلجل واپس جاچکے تھے۔ اب انہیں جبعون کے لیے واپس لوٹنا پڑا لیکن جبعون تک پہنچنے سے پہلے ہی اتحادیوں نے جبعون پر قبضہ کرلیا تھا۔

ایک بار پھر حضرت یوشعؑ کو جبعون سے نمٹنا پڑا۔ انہیں یہ یقین تھا کہ اتحادیوں کے حملے میں بھی قریبی سفیروں کا ہاتھ ہوگا۔

آپ نے جبعون کا محاصرہ تو کرلیا مگر اس جستجو کو جاری رکھا کہ کسی طرح جعل ساز سفیروں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائے اور ان کو ان کی جعل سازی کی بڑی سزا دی جائے۔

شہر کا محاصرہ کئی دن جاری رہا اور اس کے فتح کرنے میں دوسرے شہروں کے مقابلے میں زیادہ دشواری پیش آئی۔ پانچوں اتحادی یہ طے کرچکے تھے کہ حضرت یوشعؑ کو ان کی قوم کے ساتھ صحرائے سینائی میں واپس کردیا جائے گا۔ محاصرہ جاری رہا اور حضرت یوشعؑ انتظار کرتے رہے کہ کوئی ایسا موقع ہاتھ آئے کہ شہر کی فصیلیں گرائی جاسکیں۔

اسی موقع پر حضرت یوشعؑ کو بتایا گیا کہ اندر کوئی عبادت گزار شخص اپنے روحانی فیض سے شہر کو بچا رہا ہے۔

حضرت یوشعؑ نے کوشش کی کہ کسی طرح اس بزرگ کو بتایا جائے کہ اس کا روحانی کمال ایک پیغمبر کو زیادہ عرصے تک پریشان نہیں کرسکتا اور بالآخر اسے شرمندگی اٹھانی پڑے گی لیکن یہ پیغام اس روحانی بزرگ تک نہیں پہنچنے دیا گیا مگر حضرت یوشعؑ نے بھی محاصرہ نہیں ختم کیا۔

اسی جنگ کے دوران جمعے کا دن آگیا۔ جنگ طول پکڑ گئی تھی اور جنگ کا فیصلہ چند گھنٹوں میں ہوسکتا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ دوسرے دن ہفتہ تھا اور ہفتے کے دن بنی اسرائیل جنگ نہیں کرسکتے تھے کیونکہ ہفتے کے دن انہیں کام کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ شام قریب تھی' رات کی تاریکی میں جنگ نہیں کی جاسکتی تھی۔

اس نازک موقع پر حضرت یوشعؑ نے اللہ سے دعا کی اور سورج اور چاند سے کہا "اے سورج! تو جبعون پر رک جا' اور اے چاند! تو وادی ایالون میں ٹھہرا رہ۔"

اور سورج ٹھہر گیا اور چاند تھما رہا جب تک قوم نے اپنے دشمنوں سے انتقام نہ لے لیا۔

پانچوں اتحادی حکمرانوں کو شکست ہوگئی اور یہ حکمران بذات خود بھاگ کر مقیدہ کے غار میں روپوش ہوگئے۔ حضرت یوشعؑ نے بنی اسرائیل کی مدد سے کئی بڑے پتھر غار کے منہ پر رکھ دیئے۔ جس سے یہ پانچوں حکمران اب فرار نہیں ہوسکتے تھے۔

ادھر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت یوشعؑ نے جنگجو بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ بھاگتے ہوئے لشکر کا پیچھا کیا جائے۔ دشمنوں کا پیچھا کیا گیا اور ان کا صفایا کردیا گیا۔

جب پیچھا کرنے والے اپنے دشمنوں کا صفایا کرکے واپس آئے تو حضرت یوشعؑ نے غار کے دہانے سے پتھر ہٹوا کر پانچوں اتحادی حکمرانوں کو غار سے باہر نکالا اور انہیں قتل کرکے درختوں سے لٹکوا دیا۔

اب سورج غروب ہونے والا تھا۔ حضرت یوشعؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا "جلدی کرو' پانچوں لاشوں کو اتار کر اسی غار میں دفن کردو اور یہ کام رات سے پہلے انجام پا جانا چاہیے۔"

رات قریب تھی اور ہفتے کی رات گویا شروع ہونے والی تھی۔

بنی اسرائیل نے حیرت انگیز طور پر رات سے پہلے یہ کام انجام دے دیا اور پانچوں حکمرانوں کی

لاشیں مقیدہ کے غار میں دفن کردی گئیں۔

ہفتے کے بعد انھوں نے پیش قدمی کی اور شہر پر شہر فتح کرتے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہوگئے۔

بیت المقدس کی تسخیر کے بعد جب آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اپنی فتوحات کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اکتیس حکمرانوں کو تو شکست دے چکے ہیں اور اب بھی فلسطین کے کچھ حصے فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔

اب ان مفتوحہ علاقوں میں حکومتیں قائم کرنے کا وقت تھا۔ حضرت یوشعؑ کے ساتھ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ ان بارہ قبیلوں کا تعلق حضرت یعقوبؑ کی بارہ اولادوں سے تھا جو دو بیویوں اور ان کی بخشی ہوئی کنیزوں سے تھیں۔

جب مفتوحہ سارے شہر قبیلوں میں تقسیم کیے جا چکے تو ان قبیلوں کے سرداروں نے دیکھا کہ پانچ قبائلی سرداروں کو علاقے مل گئے ہیں اور سات محروم ہیں۔ اب غیر مفتوحہ فلسطین کا حساب لگایا گیا اور پھر انہیں فتح کرنے سے پہلے ہی بقیہ سات قبائلی سرداروں میں تقسیم کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل نے دیکھا کہ حضرت یوشعؑ نے سبھی کو کچھ نہ کچھ دے دیا ہے مگر اپنے لیے کچھ نہیں رکھا تو ان سب نے حضرت یوشعؑ سے درخواست کی کہ وہ جہاں اور جس علاقے میں چاہیں اپنے لیے ایک شہر منتخب فرمالیں۔

حضرت یوشعؑ نے اپنے علاقے افرائیم کے کوہستانی علاقے میں سے تمنت سرح کو اپنے لیے پسند کرلیا اور اسی شہر میں آپ مقیم ہوگئے۔

قبیلہ بنی لاوی کو میراث کی اس تقسیم میں شامل نہیں کیا گیا اور یہی وہ قبیلہ تھا جس سے حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کا تعلق تھا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ بنی لاوی کو کچھ کیوں نہیں دیا گیا تو آپ نے فرمایا "تمہارے درمیان بنی لاوی کا کوئی حصہ نہیں ہے اس لیے کہ خداوند کی کہانت ان کی میراث ہے۔"

مگر بنی اسرائیل نے تقسیم کے بعد اپنی خوشی سے اپنے حصے میں سے چند شہر بطورِ نذرانہ لاویوں کو دے دیے۔

اب حضرت یوشعؑ نے انتظامی امور کے لیے بنی اسرائیل سے ہزار ہزار، سو سو اور دس دس پر ایک ایک سردار اور منصب دار مقرر فرمائے۔

بنی اسرائیل کے تصفیے اور شرعی اختلافات کے فیصلوں کے لیے قاضیوں کا تقرر فرمایا۔

یہ کام بھی ہو رہے تھے اور تبلیغ و ارشاد کا کام بھی جاری تھا۔ چنانچہ علاقوں کی تقسیم کے بعد جب قبائلی سردار اپنے اپنے علاقوں کا نظم و نسق سنبھالنے جا رہے تھے تو آپ نے ایک خطبہ دیا۔

"تم اپنے اپنے ڈیرے کو اپنی میراثی سرزمین میں جو خداوند کے بندے موسیٰؑ نے یردن کے اس پار تم کو دی ہے، چلے جاؤ۔ فقط اس شرع پر عمل کرنے کی نہایت احتیاط رکھنا جس کا حکم خداوند کے بندے موسیٰؑ نے تم کو دیا کہ تم خداوند اپنے خدا سے محبت رکھو اور اس کی سب راہوں پر چلو۔ اس کے حکموں کو مانو اس سے لپٹے رہو اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے اس کی بندگی کرو۔"

حضرت یوشعؑ نے برکت دے کر ان کو رخصت کیا اور وہ اپنے اپنے ڈیرے کو چلے گئے۔

اب حضرت یوشعؑ ضعیف ہوچکے تھے۔ انہیں دشمنوں سے سکون واطمینان بھی نصیب ہوا تو آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں، اور منصب داروں کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے ایک نہایت موثر تقریر کی۔

"سو تم خوب ہمت باندھ کر جو کچھ موسیٰؑ کی شریعت کی کتاب میں لکھا ہے اس پر چلنا اور عمل کرنا کہ تم اس سے داہنے یا بائیں ہاتھ کو ہو اور ان قوموں میں سے جو تمہارے درمیان ہنوز باقی ہیں، نہ جاؤ اور نہ ان کے دیوتاؤں کے نام کا ذکر کرو اور نہ ان کی قسم کھاؤ اور نہ ان کی پرستش کرو اور نہ سجدہ کرو۔ بلکہ خداوند اپنے خدا سے لپٹے رہو جیسا آج تک تم نے کیا ہے کیونکہ خداوند نے بڑے بڑے زور آوروں کو تمہارے سامنے سے دفع کیا بلکہ تمہارا یہ حال رہا کہ آج تک کوئی آدمی تمہارے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ تمہارا ایک ایک مرد ایک ایک ہزار کو رگیدے گا کیونکہ خداوند خدا ہی تمہارے لیے لڑتا ہے۔ جیسا اس نے تم سے کہا۔ پس تم خوب چوکسی کرو کہ خداوند اپنے خدا سے محبت رکھو ورنہ اگر تم کسی طرح برگشتہ ہوگئے یا ان قوموں کے ساتھ جو تمہارے درمیان باقی ہیں، شیر و شکر ہوگئے اور ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنے لگے تو یقین جانو کہ خداوند تمہارا خدا ان قوموں کو تمہارے سامنے سے دفع نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ تم اس اچھے ملک سے نابود ہو جاؤ گے اور دیکھو میں آج اسی راستے سے جانے والا ہوں جو سارے جہان کے لیے مقرر ہے اور تم خوب جانتے ہو ان سب سچی باتوں میں سے ایک بات بھی جھوٹی نہیں ہے۔ اگر تم نے اپنے خدا کے اس عہد کو توڑ دیا تو وہ تم کو نیست نابود کر ڈالے گا۔ خدا کا قہر تم پر بھڑکے گا اور تم جلد ہلاک کر دیے جاؤ گے۔"

اپنی عمر کے بالکل آخری حصے میں آپ نے سب کو جمع کر کے مخاطب کیا۔

"قدیم ایام میں تمہارے آباواجداد حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بھائی فرات کے اس پار دور دراز ملک میں رہتے تھے۔ یہاں شرک اور بت پرستی عام تھی۔ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی رہبری کی اور ان کو کنعان لے آیا۔ یہاں ان کی نسل پھولی پھلی اور پھر جب بنی اسرائیل ..... میں غلامی کی ذلت آمیز زندگی بسر کر رہے تھے تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ..... مبعوث فرمائے گئے اور ان کو غلامی کے بندھن سے نجات نصیب ہوئی پھر فلسطین کے مختلف حکمرانوں سے تمہارا مقابلہ ہوا اور اللہ نے تمہیں

ان پر فتح عطا کردی اور ان کے ملک کو تمہارے قبضے میں دے دیا۔ وہ ملک جس پر تم نے محنت نہیں کی تھی اور وہ شہر جنہیں تم نے آباد نہیں کیا تھا' تمہیں دیئے گئے۔ آج تم ان میں آباد ہو اور تم یہاں کے تاکستانوں اور زیتونوں کے باغوں کے پھل کھاتے ہو جنہیں تم نے نہیں لگایا تھا اس لیے اب تم خدا سے خوف زدہ رہو اور نیک نیتی اور صداقت سے اس کی عبادت کرتے رہو اور خبردار کہ جو تم نے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی۔"

حضرت یوشعؑ نے لوگوں سے کہا "اگر تم اقرار کررہے ہو تو تم آپ ہی اپنے گواہ ہو کہ تم نے اپنے لیے ایک خدا چنا ہے اور اسی کی پرستش کرو گے۔"

انہوں نے بیک آواز کہا "ہم گواہ ہیں۔"

تب حضرت یوشعؑ نے کہا "بس اب تم اجنبی معبودوں کو جو تمہارے درمیان ہیں' دور کردو اور اپنے دلوں کو خداوند اسرائیل کے خدا کی طرف مائل کرو۔"

لوگوں نے حضرت یوشعؑ سے کہا "ہم خداوند اپنے خدا کی پرستش کریں گے اور اسی کی بات مانیں گے۔"

سو حضرت یوشعؑ نے اسی روز لوگوں کے ساتھ عہد باندھا اور ان کے لیے مقام سکم میں آئین اور قانون ٹھہرایا۔

حضرت یوشعؑ نے ایک سو دس برس کی عمر میں شہر تمنت سرح میں انتقال فرمایا اور انہیں دفن کردیا گیا۔

حضرت یوشعؑ کا مختلف ناموں سے توریت میں ذکر آیا ہے۔ یشوع' یوشع' ہوسیع' یہوسوع لیکن ہم نے قرآن پاک کا اتباع کیا ہے۔

○☆○

بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کے دلچسپ حالاتِ زندگی۔ انہوں نے تنہا، بے یارومددگار رہ کر حالات کا مقابلہ کیا۔ پورے شہر میں ان کا ایک بھی حامی نہیں تھا۔ بادشاہ نے بھی ان کی سخت مخالفت کی۔ یہ کسی کی پروا کئے بغیر حالات کا مقابلہ کرتے رہے اور قوم کو اللّٰہ کے غیظ و غضب سے ڈراتے رہے۔ انہیں بھی آگاہ کیا گیا کہ وہ اپنی قوم اور بادشاہ کو آگاہ کردیں کہ ان پر تباہی اور بربادی نازل ہونے والی ہے مگر کسی پر اس انتباہ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ سب بے فکری سے معمولاتِ زندگی ادا کرتے رہے۔ انہیں موت کا اس لئے علم نہیں تھا کہ ان میں کئی کئی سو سال کے لوگ موجود تھے اور بچوں اور جوانوں کی موت اُن میں نہیں ہوئی تھی۔

مضمون کے ماخذ

انبیائے قرآن	توریت	قصص الانبیاء	زوال بنی اسرائیل	قصص القرآن
جمیل احمد		مولانا عبدالمنان	امیر احمد علوی	مولانا حفظ الرحمن

حضرت حنظلہ علیہ السلام

(1200ق-م)

جزیرہ نمائے سینا کے شمال میں عمالقہ آباد تھے اور قدرے شمال مشرق میں ادوم۔ ان دونوں کا تعلق حضرت اسحاقؑ کے بڑے بیٹے عیسوادوم سے تھا۔

عیسوادوم کے چھوٹے بھائی حضرت یعقوبؑ کی نسل بھی یہیں شمال میں آباد تھی اور ان دونوں میں آئے دن جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔

نبوت کا سلسلہ حضرت یعقوبؑ کی نسل میں جاری رہا اور یہی لوگ بنی اسرائیل کہلائے جب کہ عیسوادوم کی اولاد ہمیشہ ان بنی اسرائیلیوں کے خلاف برسرپیکار رہتی تھی۔ جو بھی طاقت میں زیادہ ہوتا تھا' اپنے کمزور حریف کو تباہ و برباد کر دیتا تھا۔ بے رحمی اور سفاکی کا مظاہرہ دونوں طرف سے ہوتا تھا۔ ادومی اور عمالقہ بنی اسرائیل کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔

لطف کی بات یہ تھی کہ بت پرستی دونوں طرف سے جاری تھی لیکن بنی اسرائیل میں نبیوں کا ظہور ہوتا رہتا تھا اور یہ اپنی قوم کو کفر کے اندھیرے سے نکالنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔

یہیں عمالقہ اور ادوم کے مقابل طیفور ابن طفیانوس کی حکومت تھی۔ یہ خود بھی بت پرست تھا اور اس کی رعایا بھی بت پرست تھی۔ یہ لوگ سورج دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔

جس دور کا یہ واقعہ ہے' اس کی بڑی خوبی یہ تھی کہ طیفور کی رعایا میں لوگ لمبی عمریں رکھتے تھے اور مرنے والوں کی تعداد برائے نام تھی۔ کسی کی موت واقع ہو بھی جاتی تو... بہت زیادہ عمر گزارنے کے بعد۔ کسی کو بچپنے' جوانی یا ادھیڑ عمر میں مرتے نہیں دیکھا گیا۔

طیفور کو یہ گمان تھا کہ اگر وہ چاہے تو موت پر قابو پا سکتا ہے۔ اسے اپنے آباواجداد سے ملک الموت کا عقیدہ ملا تھا کہ عزرائیل نامی ایک فرشتہ ہے جو آ کر جاندار کی روح نکال لے جاتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے۔

جب اس کی حدودِ سلطنت میں انسانوں نے طویل عمریں پائیں تو اسے خیال آیا کہ موت کا فرشتہ بھی اس سے ڈرتا ہے اور یہ سب کچھ شمس دیوتا کے طفیل ہے۔ چنانچہ بڑی دھوم دھام سے بت پرستی ہوتی' طیفور آگے آگے رہتا' مندروں میں حاضری دیتا' بتوں کو سجدہ کرتا اور قوم اس کی پیروی کرتی۔

شہر کے کنارے اس کا شاندار محل تھا اور دوسرے کنارے پر شہر کا سب سے بڑا مندر۔ وہ اس مندر میں بڑی باقاعدگی سے حاضری دیتا تھا۔ اس کی قوم بھی ڈھول تاشے بجاتی ہوئی مندروں میں پہنچتی تھی۔

پورے شہر میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا نظر نہیں آتا تھا لیکن ایک شخص اپنی قوم کی گمراہی پر بہت فکرمند تھا۔ وہ لوگوں کو بت پرستی سے روکتا تھا تو سننے والے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ حضرت حنظلہؑ تھے۔

حضرت حنظلہؑ نے عموماً مندر کے قریب لوگوں کو روکنا اور رشد و ہدایت کا درس دینا شروع کیا۔ یہ آواز بالکل اجنبی اور غیرمانوس تھی۔ قوم محسوسات کی قائل نہیں تھی۔ وہ حضرت حنظلہؑ سے کہتی تھی کہ ہم نے جسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا' اپنا معبود کس طرح مان لیں۔

ابتدا میں تو کسی نے حضرت حنظلہؑ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی اور یہ سمجھتے رہے کہ اس شخص کا دماغ چل گیا ہے۔ شاید اسے خود بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس ان دیکھے معبود کے لیے یہ کام کر رہا ہے۔

جب افراد نے ان کی باتیں نہ سنیں تو انہیں اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا "اے حنظلہؑ! اب وقت آگیا ہے کہ تم لوگوں سے فرداً فرداً باتیں نہ کرو۔ کسی اونچے مقام پر کھڑے ہو کر قوم کو اپنی طرف بلاؤ اور اسے بتاؤ کہ ان کا ایک اللہ کے وجود سے انکار کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ ان پر مغضوب اور مقہور قوموں کی طرح عذاب نازل کیا جائے گا۔"

انہوں نے بلند مقام کے لیے ایک اونچی عمارت کا انتخاب کیا۔ وہ اس کی چھت پر چڑھ گئے۔ یہاں سے انہوں نے ایک جم غفیر کو مندر کی طرف جاتے دیکھا تو اوپر سے انہیں مخاطب کیا "اے بنی اسرائیلو! میری قوم کے لوگو! میری بات غور سے سنو' ان پر عمل کرو تاکہ اللہ کے غضب سے محفوظ رہو۔"

ان لوگوں نے اوپر سے کسی کی آواز سنی تو ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اور نہایت تجسس سے اوپر دیکھنے لگے۔ انہیں چھت پر حضرت حنظلہؑ نظر آئے تو آپس میں کہنے لگے "یہ آج حنظلہؑ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم سب کو ایک ساتھ مخاطب کر لیا۔"

اس ہجوم میں بادشاہ طیفور کے کارندے بھی تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا "اس شخص میں یہ بری عادت پائی جاتی ہے کہ راہ چلتے لوگوں کو روک کر تبلیغ شروع کر دیتا ہے۔ اس کی شکایتیں بادشاہ تک پہنچ چکی ہیں اور امکان ہے کہ بادشاہ اس کی خبر لے لے۔"

حضرت حنظلہؑ اوپر سے لوگوں کو ڈرا رہے تھے "لوگو! تمہارے بزرگ بت پرست نہیں تھے۔ حضرت ابراہیمؑ" حضرت اسحاقؑ" حضرت یعقوبؑ" اور حضرت یوسفؑ" یہ سب ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے لیکن درمیان میں پتا نہیں تم میں گمراہی کس طرح داخل ہوگئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہاری سرکشی اور بت پرستی کی وجہ سے تم پر اللہ کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔"

نیچے سے کسی نے حضرت حنظلہؑ کو آواز دی "جناب' نیچے آکر بات کریں اور ہمیں بتائیں کہ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

حضرت حنظلہؑ نے جواب دیا "جب میں نیچے ہوتا ہوں اور تم سے بات کرتا ہوں تو تم میری بات تک سننا گوارا نہیں کرتے لیکن جب تمہیں اوپر سے مخاطب کیا گیا تو تم ٹھہر گئے' میرے باتیں بھی سنیں' مجھ سے مخاطب بھی ہوئے اور مجھے نیچے بھی بلا رہے ہو۔"

لوگوں نے آپس میں کہا "یہ شخص تو فضول باتیں کرنے کا عادی ہے اس لیے اسے نظرانداز کرتے رہو۔"

لوگوں نے اپنی راہ لی اور حضرت حنظلہؑ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا مگر آج انہیں جتنی کامیابی حاصل ہوئی تھی وہ بڑی امید افزا تھی۔

حضرت حنظلہؑ کی اس مخاطبت کی خبریں ٹیفور تک پہنچا دی گئیں۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ اس کی قوم کا یہ عجیب و غریب آدمی چاہتا کیا ہے؟

لوگوں نے بتایا "وہ کسی ان دیکھے خدا کی عبادت کی تلقین کرتا ہے۔"

ٹیفور نے کہا "اگر وہ دماغی کیفیت صحیح رکھتا ہوتا تو اس قسم کی باتیں ہرگز نہ کرتا لیکن پوری قوم میں واحد وہ شخص ہے جو ناقابلِ فہم باتیں کر رہا ہے۔ اس ایک آدمی کو خاموش کر دینا کون سا مشکل کام ہے۔"

وزیر نے مشورہ دیا "لوگ اسے تنہا اور حقیر سمجھ کر نظرانداز کر دیتے ہیں ورنہ ایک آدمی کو مار دینے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ آپ اسے قید خانے میں ڈلوا دیں۔"

ٹیفور نے کہا "تو اسے قتل کر دے۔ قید خانے میں ڈلوا کے کیا یہ سمجھتا ہے کہ وہ خاموش رہے گا۔ وہ دوسرے قیدیوں کو ورغلائے گا۔ قید خانے کے عملے کو اپنی تقریروں سے مائل کرنے کی کوشش کرے گا اس لیے اس کا مارا جانا ہی بہتر ہے۔"

جلاد کو قتل کر دینے کا حکم مل گیا تھا مگر وہ تعمیلِ حکم میں متذبذب تھا۔ بادشاہ نے جو اسے متذبذب دیکھا تو پوچھا "تو کیوں چپ ہو گیا۔ کل صبح تیرا پہلا کام حنظلہؑ کو قتل کر دینا ہوگا۔"

جلاد نے عرض کیا "بادشاہ سلامت' فرشتہ عزرائیل اس شہر میں آپ کی وجہ سے سالوں سے نہیں

آیا۔ کئی کئی سال سو سال سے لوگ زندہ ہیں۔ آپ حنظلہؑ کو قتل کروائیں گے تو عزرائیل کو یہاں مجبوراً آنا پڑے گا۔ آپ ملک الموت کو اس شہر میں داخلے کی اجازت نہ دیں۔"

ٹیفور کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اس نے کہا "تب پھر تم لوگ ایسا کرو کہ اب جب حنظلہؑ لوگوں کو دعوت دے رہا ہو تو مجھے وہیں بلوا لینا۔ میں خود اس سے بات کروں گا۔"

دربار برخاست ہوا تو ہر کوئی اپنے اپنے گھر چلا گیا لیکن ٹیفور کو جلاد کی باتوں سے یہ فکر لاحق ہوگئی کہ واقعی اگر عزرائیل اس شہر میں داخل ہو گیا تو وہ محل میں بھی آسکتا ہے اور وہ بھی موت سے دوچار ہو سکتا ہے۔

پتا نہیں حضرت عزرائیل کے بارے میں اس کا کیا تصور تھا۔ اس کا خیال تھا کہ موت کے فرشتے کو بھی شاہی محل میں داخل ہونے سے روکا جا سکتا ہے۔

حضرت حنظلہؑ نے تو یہ دستور بنا لیا تھا کہ ہر روز چھت پر چڑھ جاتے اور وہاں سے لوگوں کو مخاطب کرتے۔ وہ جب اللہ کی طرف قوم کو بلاتے تو یہ ضرور کہتے کہ اگر قوم نے بت پرستی ترک نہ کی تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو کے رہے گا۔

لوگوں نے آپ سے کہا "آپ نیچے تشریف لے لائیں تاکہ روبرو باتیں ہو سکیں کیونکہ آپ کے چھت پر ہونے کی وجہ سے ہم آپ سے سوالات نہیں کر سکتے اور آپ ہمارے سوالات کے معقول جواب نہیں دے سکیں گے۔"

انہوں نے اوپر ہی سے فرمایا "مجھے تم لوگوں سے کچھ زیادہ باتیں نہیں کرنا ہیں کیونکہ میں تمہیں مسلسل بت پرستی سے روک رہا ہوں اور ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

ایک شخص نے زیادہ سرکشی اختیار کی اور کہا "آپ اوپر ہی رہیں' میں خود آپ کے پاس آتا ہوں۔"

آپ نے پوچھا "کیا تو ان سب کی نمائندگی کرے گا؟"

اس شخص نے کہا "میں ان ان سب کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ میں ان کا نمائندہ ہوں اور جو کچھ آپ سے باتیں ہوں گی' وہ ان سب کے دلوں کی باتیں ہوں گی۔"

آپ نے اس شخص کو اوپر آنے کی اجازت دے دی اور سب پر واضح کر دیا "لوگو! جیسا کہ اس شخص نے کہا کہ یہ تم سب کا نمائندہ ہے تو اب یہ بات بھی صاف ہو جانا چاہئے کہ اگر میں نے اسے قائل کر لیا اور اس نے بت پرستی سے توبہ کر لی اور ایک اللہ کی عبادت کرنے پر راضی ہو گیا تو تم سب بھی اس کی پیروی کرو گے۔"

لوگوں نے متفقہ آواز بلند کی "یہ ہمارے نمائندے کی حیثیت سے تم سے بات کرے گا اور پھر یہ ہم سے کہے گا، ہم وہی راہ اختیار کریں گے۔"

وہ شخص اوپر پہنچا اور حضرت حنظلہؑ کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا "یہ تم نے ہمیں کیوں پریشان کر رکھا ہے کہ جب ہم عبادت کے لیے اجتماعی شکل میں مندر کی طرف جاتے ہیں تو تم ہمیں اوپر سے آوازیں دے کر روک لیتے ہو؟"

حضرت حنظلہؑ نے کہا "مجھے اللہ نے تمہاری اصلاح کے لیے بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کا فرمان تم سب تک پہنچا دوں سو میں اپنا فرض انجام دے رہا ہوں۔"

اس شخص نے کہا "اے حنظلہؑ! پتا نہیں تم کس اللہ کی بات کرتے ہو۔ میں اور میری قوم سورج دیوتا کی پرستش کرتی ہے۔ اگر کوئی ہم سے یہ کہے کہ ہم اپنے معبود کو دکھائیں تو ہم اسے دکھا سکتے ہیں مگر تم جس اللہ کی بات کر رہے ہو، اگر ہم اس کے لیے تم سے یہ کہیں کہ اللہ کو ہمارے سامنے لاؤ تو تم ایسا کرنے پر قادر نہیں ہو گے اور جب تک ہم اللہ کو دیکھ نہ لیں اس کی عبادت نہیں کریں گے۔"

حضرت حنظلہؑ نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ اور تلقین کی نرمی بے اثر ہو رہی ہے تو آپ نے اسے ڈرایا "دیکھ اے شخص! اگر تو نے اور تیری قوم نے میری بات نہ مانی اور مسلسل بت پرستی میں مشغول رہے تو ایک نہ ایک دن تم مغضوب اور مقہور ہو جاؤ گے اور پھر تمہاری توبہ بھی کام نہیں آئے گی۔"

اس شخص نے ہنستے ہوئے پوچھا "اے حنظلہؑ! ہم سب آخر کس طرح مغضوب اور مقہور ہو جائیں گے، یعنی تمہارا اللہ ہمارے ساتھ کون سے برا سلوک کرے گا؟"

آپ نے فرمایا "افسوس کہ تم لوگ ایک عرصے سے یہ بھی نہیں جانتے کہ موت بھی کوئی چیز ہے۔ تم میں سیکڑوں سال کے لوگ موجود ہیں اور تم نے کسی کو مرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ اگر تم اسی کے شکرگزار ہو جاتے اور اللہ پر ایمان لے آتے تو تمہارے لیے یہی کافی ہوتا۔ موت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا اس دنیا سے تعلق اور واسطہ ختم ہو جائے گا اور یہ جسم جو تم سے کھانا بھی مانگتا ہے، پانی بھی طلب کرتا ہے، خوشی کی لذت بھی محسوس کرتا ہے۔ تم حسین چیز یا منظر دیکھتے ہو تو خوشی کی کیفیت محسوس کرتے ہو مگر جب تم سے زندگی چھین لی جائے گی اور موت کے حوالے کر دیا جائے گا تو تم ان چیزوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ بس یہی موت ہے اور جب یہی موت اجتماعی صورت میں نازل ہو گی تو تم خود اندازہ لگاؤ اور غور کرو کہ وہ کتنی بھیانک ہو گی۔"

وہ شخص ہنسنے لگا اور کہا "حنظلہؑ! میرا خیال ہے کہ تم دماغی توازن کھو بیٹھے ہو۔ ہمارے بادشاہ نے موت کے فرشتے کو اس شہر میں داخل ہونے سے روک دیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس شہر میں کئی کئی سو سال کے لوگ موجود ہیں اور ابھی کسی کو موت نہیں آئی پھر اب تمہارے کہنے سے وہ کس طرح یہاں

داخل ہو گی۔"

حضرت حنظلہؑ نے افسوس کرتے ہوئے کہا "لوگو! تم اس کے لیے اپنے رب کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں لمبی عمروں سے نواز رکھا ہے اور تمہیں معاشی آسودگی دے رکھی ہے لیکن تمہارا انکارِ نعمت تمہیں ذلیل و خوار کروا دے گا۔"

اس شخص نے بحث و مباحثہ ختم کرتے ہوئے کہا "بس میں اپنی قوم کی طرف سے ایک بات کہوں گا، تم اپنے اللہ سے کہو کہ وہ تمہارے ساتھ اور تمہارے برابر آ کے چھت پر کھڑا ہو جائے اور ہم سب اس کا مشاہدہ کر لیں۔ بس اس کے بعد ہم سب اس کی عبادت کرنے لگیں گے۔"

حضرت حنظلہؑ نے کہا "یہ ناممکن ہے۔ اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ وہ برتر از قیاس و گماں ہے۔ وہ لامتناہی ہے۔ وہ لامحدود ہے۔ اسی لیے اس کا حواس خمسہ سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ماننے کے لیے مظاہرِ فطرت ہی کافی ہیں۔ تم سب اپنے اپنے وجود پر غور کرو اور سوچو کہ تم کس طرح عدم سے وجود میں آئے۔ تمہیں عقل دی گئی۔ تمہیں شعور بخشا گیا۔ تمہیں قوت باصرہ ملی۔ تمہیں کان ملے کہ تم سن سکو۔ تمہیں قوت حاسہ دی گئی کہ تم چیزوں کو محسوس کرو۔ کیا تم اللہ کی ان نعمتوں کا انکار کر سکتے ہو۔"

اس شخص نے کہا "معلوم نہیں تم کس قسم کی باتیں کرتے ہو اور یہ طے ہے کہ جو بات میری سمجھ میں نہیں آتی اسے میری قوم کے لوگ بھی نہیں سمجھیں گے۔ اس لیے اب اپنی فضول باتوں کا سلسلہ بند کر دو اور خاموش ہو جاؤ۔ اگر تمہیں اللہ کی عبادت کا شوق ہے تو خود کرتے رہو، ہمیں مجبور نہ کرو۔ بس تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔"

آپ نے کہا "دیکھ اے شخص! میں تو خاموش ہو جاؤں گا مگر تم لوگوں کی پکڑ ہو جائے گی اور مجھے افسوس ہو گا کہ میری قوم کے لوگ حق بات نہ مان کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے۔"

وہ شخص نیچے اتر آیا اور لوگوں سے کہا "یہ شخص عجیب و غریب باتیں کرتا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ شاید اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ ہم نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تم خود اپنی اللہ کی عبادت کرتے رہو اور ہمیں اپنے بتوں کی عبادت کرنے دو۔ ہم تو تم سے یہ نہیں کہتے کہ تم بھی ہماری طرح سورج دیوتا کی عبادت کرو۔"

لوگوں نے پوچھا "تو کیا اب یہ شخص کل سے اس چھت پر کھڑے ہو کر ہمیں نہیں روکے گا؟"

اس نے کہا "یہ تو پتا نہیں کہ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز آئے گا یا نہیں مگر میں نے اسے منع کر دیا ہے کہ اب وہ ہمیں پریشان نہ کرے کیونکہ جس طرح اس کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں اسی طرح ہماری باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔"

حضرت حنظلہؑ نے چھت سے دیکھا کہ وہ شخص ہجوم کے ساتھ مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

آپ کو بڑی مایوسی ہوئی کہ قوم ان کی بات سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ آخر وہ کون سا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے یہ گمراہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔

سب کے چلے جانے کے بعد آپ چھت سے نیچے آئے اور گھر میں جا کے خاموشی سے لیٹ گئے کہ دیکھیں اس مایوسی کے عالم میں اللہ انہیں کیا حکم دیتا ہے۔

وہ آہستہ آہستہ مناجات کر رہے تھے "بار الہا! میں ان نادانوں کو کس طرح سمجھاؤں' یہ تو سخت گمراہ لوگ ہیں اور میں ان کی طرف سے مایوس ہوتا جا رہا ہوں۔"

کچھ دیر بعد انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ ان سے فرما رہا ہے "اے حنظلہؑ! تمہارا جو کام ہے وہ پابندی اور یکسوئی سے انجام دیتے رہو' نتائج ہم پر چھوڑ دو۔"

حضرت حنظلہؑ نے اپنے جسم میں نئی قوت محسوس کی۔ وہ از سر نو توانائی محسوس کر رہے تھے۔ اسی روز وہ شام کو مندر کے سامنے پہنچ گئے اور وہیں تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا "میں تم سے اپنی اس محنت کا کوئی صلہ بھی نہیں چاہتا مگر تم ہو کہ کچھ سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ یہ جان لو کہ اب میں وقت کی پابندی کیے بغیر ہر جگہ اور ہر وقت تم سے مخاطب ہوا کروں گا۔ میری آواز تمہارے کانوں کے راستے دل و دماغ تک پہنچے گی۔"

اب انہیں مندر کے سامنے دیکھ کر وہ لوگ زیادہ پریشان ہوئے اور کہا "حنظلہؑ! ہم سے ہمارے بادشاہ تیفور نے یہ کہہ رکھا ہے کہ جب تم ہمیں پریشان کرو تو ہم اس کو مطلع کر دیا کریں۔ چنانچہ کل ہم بادشاہ کو اطلاع دے دیں گے اور وہ ہی تم سے سوال و جواب کرے گا۔"

لیکن بادشاہ خود تو حضرت حنظلہؑ کے پاس نہیں گیا اور حضرت حنظلہؑ کو اپنے پاس طلب کر لیا۔

بادشاہ جس عالی شان محل میں رہتا تھا' اس کے کئی سو برج تھے اور ان برجوں کے دروازے پہرے داروں سے آراستہ تھے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ پہرے داروں تک ہی پہنچ جاتا۔

جب ان کی قوم کے لوگ انہیں شاہی محل لے گئے تو دربانوں نے انہیں روکا۔ بادشاہ کو خبر کی گئی کہ حضرت حنظلہؑ آگئے ہیں۔

اندر سے جواب آیا کہ انہیں فوراً حاضر کیا جائے۔

حضرت حنظلہؑ کو اندر پہنچا دیا گیا۔ اس وقت بادشاہ کے سامنے اور دائیں بائیں ارکان سلطنت' پروہت اور کاہن موجود تھے۔ آپ نے ان سب کو دیکھا اور دبدبہ شاہی سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے۔

بادشاہ کے اشارے پر کاہن نے حضرت حنظلہؑ سے پوچھا "اے حنظلہؑ! تم ہمیں بلاوجہ کیوں پریشان کر رہے ہو۔ آخر کیا چاہتے ہو؟"

حضرت حنظلہؑ نے جواب دیا "ہمیں کچھ بھی نہیں چاہئے کیونکہ ہمیں ہماری خدمات کا اجر اللہ سے ملے گا۔"

کاہن نے کہا "اگر تمہیں حکومت کا کوئی منصب درکار ہے تو ہمیں بتاؤ۔ ہم وہ سفارش کر کے دلوا دیں گے۔"

آپ نے جواب دیا "میں نے کہا تو ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے۔ مجھے اللہ کی طرف سے جو حکم دیا گیا ہے' وہ پورا کر رہا ہوں۔"

اب تیفور براہ راست مخاطب ہوا "اے حنظلہؑ! تم کس قسم کے آدمی ہو کہ صبح' دوپہر' شام لوگوں کو عجیب و غریب باتوں سے تنگ کرتے رہتے ہو اور یہ دیکھ رہے ہو کہ ان کا کسی پر کوئی اثر نہیں ہو رہا پھر بھی اپنی حرکت سے باز نہیں آتے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

حضرت حنظلہؑ نے کہا "میں کوئی نئی بات نہیں کہتا۔ تمہیں صرف یہ بتاتا ہوں کہ تمہارے آباؤ اجداد بت پرست نہیں تھے۔ وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ کیا ابراہیمؑ بتوں کی پرستش کرتے تھے یا ان کے بیٹے اسحاقؑ اور اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ بت پرست تھے یا یوسفؑ نے بت پرستی اختیار کر رکھی تھی؟ یہ سب ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ میں تم سب کو یہی بتانے پر مامور کیا گیا ہوں۔"

تیفور نے جواب دیا "میں صرف اپنے آباؤ اجداد کی بات کرتا ہوں۔ وہ سب سورج دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ میں بھی وہی کرتا ہوں اس لیے تم اس مسئلے کو مت چھیڑو تو بہتر ہے۔"

حضرت حنظلہؑ نے کہا "اے بادشاہ! ہم تیرے ملازم نہیں ہیں کہ تیرا حکم مانیں اس لیے تجھے بھی ہماری باتیں سننا پڑیں گی۔ میں اس وقت تک بولتا رہوں گا جب تک اللہ کی طرف سے مجھے منع نہیں کر دیا جاتا۔"

بادشاہ نے مندر کے پروہت سے پوچھا "تو بتا' اب ان سے کیا سلوک کیا جائے؟"

پروہت نے جواب دیا "انہیں قتل کر دیا جائے تاکہ یہ لوگوں کو گمراہ نہ کر سکیں۔"

تیفور نے وزیر سے پوچھا "تو کیا کہتا ہے؟"

وزیر نے جواب دیا "کئی دن پہلے بھی یہ مسئلہ زیر غور آیا تھا اور آپ نے اس کو قتل کروا دینے کا فیصلہ کیا تھا مگر جلاد نے اس لیے آپ کا حکم نہیں مانا تھا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہر میں ملک الموت داخل ہو۔"

تیفور کو بھی یاد آیا کہ بات درست ہے۔ کچھ دیر دربار پر سناٹا طاری رہا۔ وزیر نے آہستہ سے کہا "حضور' آپ اس سے پوچھیں کہ یہ جو قوم کو عذاب الٰہی کی دھمکی دیتا ہے یہ عذاب کس نوعیت کا ہو گا؟"

بادشاہ نے وزیر سے کہا "میری طرف سے تو خود یہ سوال کر۔"

آخر وزیر نے حضرت حنظلہؑ سے پوچھا "یہ جو تم قوم کو عذاب اور قہر سے ڈراتے رہتے ہو تو اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

آپ نے جواب دیا "میں تو اس سے خوف زدہ ہوں، جب اس شہر پر عذاب کی بارش ہوگی اور تم میں سے بہت سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔"

کاہن نے بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "حضور والا، آپ ابھی قتل وغیرہ کا فرمان جاری نہ کریں۔ اسے کچھ دن اس کے حال پر چھوڑ دیں اور آپ اپنے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔"

بادشاہ نے حضرت حنظلہؑ کو یہ کہہ کر دربار سے رخصت کر دیا کہ وہ اپنی کوششوں سے باز آجائیں ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔ وہ انہیں کچھ دنوں کی مہلت دیتا ہے۔

حضرت حنظلہؑ کو دربار سے رخصت کر دیا گیا۔ درباری ارکان کو بھی جانے کی اجازت مل گئی۔ آخر میں صرف کاہن بادشاہ کے پاس رہ گیا اور تخلیئے میں پوچھا "ہاں اب بتا کہ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"

کاہن نے کہا "حضور والا! آپ عزرائیل کے داخلے کے تمام راستے بند کر دیں۔ چاروں طرف لوہے کے دروازے اس طرح نصب کیے جائیں کہ ان میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو۔ دروازوں کے باہر پہرے دار کھڑے کر دیے جائیں اور انہیں حکم دیا جائے کہ وہ جیسے ہی کسی اجنبی کو دیکھیں، فوراً ہلاک کر دیں۔ اس طرح عزرائیل اس محل میں داخل نہیں ہو سکے گا۔"

بادشاہ نے کاہن سے پوچھا "اگر وہ محل کے بجائے آبادی میں داخل ہو گیا اور لوگ مرنے لگے تو اس کی روک تھام کس طرح ہو گی؟"

کاہن نے کہا "آپ تو بس اپنی فکر کریں۔ اس دوران میں اپنی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد حنظلہؑ کو قتل کروا دیں تاکہ قوم کو ورغلانے کا سلسلہ موقوف ہو۔"

بادشاہ نے کاہن کے مشورے پر عمل کیا اور محل میں لوہے کے دروازے اور کھڑکیاں نصب ہونے لگیں۔ پہرے دار مسلح کھڑے کر دیے گئے۔

دوسری طرف حضرت حنظلہؑ نے تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی دوران میں انہیں بتایا گیا کہ اللہ نے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ کسی دن بھی نازل ہو سکتا ہے۔

حضرت حنظلہؑ نے اللہ سے درخواست کی "اے اللہ! اگر مجھے عذاب کے دن اور وقت سے آگاہ کر دیا جائے تو میں قوم کو اس سے مطلع کر کے آخری بار کہوں گا کہ اگر وہ فلاں دن اور فلاں وقت تک راہ راست پر نہ آئے تو ان پر عذاب کا نزول شروع ہو جائے گا۔"

اللہ کی طرف سے انہیں آگاہ کیا گیا کہ وہ اپنی قوم کو بتا دیں کہ کل رات تک کی انہیں مہلت دی گئی

ہے کہ وہ شرک سے باز آجائیں۔ توبہ کر لیں اور ایک اللہ کی عبادت کریں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ ورنہ کل رات کے بعد ان پر عذاب کا نزول شروع ہو جائے گا۔

آپ نے اللہ سے پوچھا "خدایا! یہ عذاب کس نوعیت کا ہو گا؟ مجھے اس سے آگاہ کر دیا جائے تو مناسب ہو گا۔"

انہیں بتایا گیا کہ یہ لوگ موت کے ذائقے سے ناآشنا ہیں اس لیے انہیں ملک الموت کے حوالے کر دیا جائے گا اور یہ اجتماعی اموات ہوں گی۔ رات کو اچھے خاصے اپنے بستروں پر جائیں گے اور پھر رات کے کسی حصے میں ان پر موت کی کیفیت طاری ہونے لگے گی۔ اس وقت یہ اتنے بے بس ہوں گے کہ انہیں پیاس لگے گی مگر ان کے پاس کوئی پانی دینے والا نہ ہو گا۔ موت کی جانکنی انہیں شدید گرمی میں مبتلا کر دے گی مگر انہیں ہوا کا ذرا سا جھونکا بھی میسر نہ آئے گا۔

آپ نے پوچھا "اے اللہ! کل رات اور رات کے بعد والی صبح کے درمیان اموات واقع ہوں گی، وہ کتنے افراد کے لیے ہوں گی؟"

انہیں بتایا گیا "ہر گھر میں دو تین موتیں تاکہ جو زندہ بچیں وہ ان مرنے والوں کو دیکھیں اور انہیں معلوم ہو کہ انہیں بھی موت آ سکتی ہے۔"

آپ نے شام کو مندر کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی قوم کو بتایا "لوگو! مجھے ملہم غیبی نے آگاہ کیا ہے کہ کل رات تک تمہیں توبہ کی مہلت دی گئی کہ تم شرک سے توبہ کر لو اور باز آجاؤ اللہ کی عبادت کرو۔ اگر تم نے اس مہلت اور وقفے سے بھی فائدہ نہ اٹھایا تو تم میں سے بہتوں کو پرسوں صبح دیکھنا نصیب نہ ہو گی۔"

آپ یہ مختصر سا اعلان کر کے اپنے گھر چلے گئے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ یہ شخص جو دھمکی دے کر چلا گیا، اب کیا کرے گا اور اس نے جس عذاب کی خبر دی ہے، اس کا پرسوں صبح تک کیا نتیجہ نکلے گا؟"

لوگوں نے آپ کی باتوں کو ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ وہ سب ہنسی مذاق کے ذریعے اپنا دل بہلاتے رہے۔

بادشاہ کو بھی خبر ہو گئی کہ اب حضرت حنظلہؑ نے عذاب الٰہی کے دن اور وقت کے تعین کے ساتھ خبر دینا شروع کر دی ہے اور دیکھنا ہے کہ اب وہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں یا سچے۔

دوسرا دن آیا تو پورے ماحول میں بے چینی سی پھیل گئی۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا۔ کس کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ بظاہر وہ پرسکون تھے اور اپنے آپ کو بے خوف ظاہر کر رہے تھے مگر اندر سے وہ سب خوف زدہ تھے۔

شام ہوئی ' رات آئی اور ہر طرف سناٹا طاری ہوگیا۔ کوئی کسی سے بات بھی نہیں کر رہا تھا۔ انہیں کچھ پتا نہ تھا کہ ان پر حضرت حنظلہؑ کے بقول نازل ہونے والا عذاب کب ظاہر ہوگا۔

کھانے پینے کے بعد وہ اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے۔ پوری رات ان سب کا یہ حال رہا کہ اندیشے نے ان کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ جن پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی وہ اس کی اذیت جھیلتے رہے لیکن ایک عجیب وغریب کیفیت ہر کسی پر طاری تھی۔ وہاں کہیں بھی حضرت حنظلہ بذات خود موجود نہیں تھے مگر ان کی آواز ان کے کانوں میں گونج رہی تھی اور یہ آواز اتنی تکلیف دہ تھی کہ انہیں اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ آواز کا شدید دباؤ اور جانکنی کی کیفیت۔ مرنے والے سخت عذاب میں تھے۔

جو نزع کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوئے انہیں حضرت حنظلہ کی آواز پریشان کرتی رہی۔

صبح ہوئی اور زندوں نے اپنے بستر چھوڑ دیے۔ جو مر چکے تھے ' وہ اپنے بستروں پر اس طرح پڑے رہے گویا وہ سو رہے ہیں۔

جاگنے والوں نے مرنے والوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ حیران ہو رہے تھے کہ یہ ان کی باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ آنکھیں کیوں نہیں کھولتے اور ان کے جسم بے حرکت کیوں ہیں؟"

یہ سب اپنے ان دکھوں کو لیے ہوئے بادشاہ دربار میں پہنچ گئے اور بتایا کہ ان کے بہت سے لوگ بے حس و حرکت بستروں پر پڑے ہوئے ہیں۔ کہیں وہ مر تو نہیں گئے کیونکہ حضرت حنظلہ نے یہی کہا تھا۔

بادشاہ نے لوگوں کو ڈانٹا اور کہا "وہ سب سو رہے ہوں گے ' انہیں جگاؤ۔ یقیناً وہ گہری نیند میں ہوں گے۔"

بادشاہ کو بتایا گیا "حضور والا! انہیں ہلا ہلا کر جگانے کی کوشش کی گئی مگر وہ سب بے سدھ ہیں۔"

بادشاہ نے کہا "تو پھر تم ان کے جسموں میں سوئیاں چبھو کے دیکھو۔ وہ اذیت سے بیدار ہو جائیں گے۔"

لوگ واپس گئے اور بادشاہ کی تجویز پر عمل کر کے دیکھا مگر سونے والے بیدار نہیں ہوئے۔ اب ان کے مر جانے میں کسی کو شبہ باقی نہیں رہا اور مدتوں بعد انہیں معلوم ہوا کہ موت کیا ہوتی ہے۔

جب بادشاہ کو بتایا گیا کہ سونے والے سوئیوں کی چبھن سے بھی بیدار نہیں ہوئے اور وہ مر چکے ہیں تو بادشاہ نے کہا "موتیں ملک الموت کے بغیر نہیں ہوسکتی تھیں۔"

لوگوں نے بھی اقرار کیا "ہاں عزرائیل کے بغیر کوئی جاندار نہیں مر سکتا۔"

اب سوال یہ تھا کہ ملک الموت مرنے والوں کے گھروں میں کس طرح داخل ہوا اور کسی نے بھی

اسے دیکھا کیوں نہیں۔

شہری سہم گئے تھے کیونکہ انہوں نے بہتوں کو مردہ حالت میں دیکھ لیا تھا۔ انہیں اب بھی حضرت حنظلہؑ کا خیال نہیں آ رہا تھا لیکن ان میں سے کچھ ایسے تھے جو ان سے کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے ' اس کے بعد اللہ پر ایمان لانے کے خواہش مند تھے۔

یہ چند لوگ خاموشی سے حضرت حنظلہؑ سے ملے۔

چونکہ اجتماعی اموات کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل چکی تھی اس لیے حضرت حنظلہؑ کو انتظار تھا کہ کچھ لوگ توبہ استغفار کرتے ہوئے ان کے پاس ضرور آئیں گے۔

جب یہ لوگ ان کے پاس پہنچے تو انہیں بڑی خوشی ہوئی اور کہا "مجھے معلوم تھا کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس ضرور آئیں گے اور ہدایت پائیں گے۔"

ان میں سے ایک نے کہا "آپ کی ایک بات تو درست ہوگئی ' ہمارے بہت سے لوگ سوتے میں مر گئے اس لیے آپ ہمیں سچے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ ہم اگر آپ کے اللہ پر ایمان لے آئیں اور بتوں کی پرستش چھوڑ دیں تو کیا موت سے محفوظ ہو جائیں گے اور عزرائیل ہمیں معاف کر دے گا۔"

آپ نے فرمایا "یہ ناممکن ہے ' جو پیدا ہوا ہے وہ مرے گا بھی ' جو آیا ہے جو جائے گا بھی ' زندگی ہے تو موت بھی ہے۔ ہر روح کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایمان دار شخص بھی نہیں مرے گا۔"

آنے والوں کو بڑی مایوسی ہوئی اور ایک نے پوچھا "تب پھر اللہ پر ایمان لانے کا فائدہ؟"

آپ نے فرمایا "تم پر اللہ کا عذاب نازل نہیں ہوگا۔ اس کے عتاب سے بچے رہو گے اور وہ تمہیں اپنے قہر سے بچا لے گا ' سکون بخشے گا۔"

لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی ' کہنے لگے "اگر آپ عزرائیل کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیں تو ہم آپ کی نبوت اور اللہ کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں گے ورنہ ہم جیسے ہیں اسی طرح رہنا پسند کریں گے۔"

آپ نے فرمایا "اللہ نے تمہارے دلوں پر مہریں لگا دی ہیں اس لیے تم نہ تو میری بات سمجھو گے اور نہ اللہ کا عذاب تمہیں راہ راست پر لائے گا۔ تمہاری بدبختی یہ ہے کہ تمہارا بادشاہ مشرک ہے۔ اگر آج وہ شرک سے توبہ کر لے تو اس کا اثر تم پر بھی پڑے گا۔ اب میں تمہارے بجائے صرف بادشاہ سے بات کروں گا۔"

لوگ واپس چلے گئے اور آپ نے بادشاہ کو خبر کی کہ وہ اس سے ملنا چاہتے ہیں۔

ٹیفور نے پوچھا "اس سے پوچھو کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا "میں اتمام حجت کے لیے بادشاہ سے ملوں گا اور پوچھوں گا کہ وہ اپنی قوم کو کیوں تباہ و برباد کروا رہا ہے۔ اگر وہ بت پرستی چھوڑ دے تو اس کی قوم بھی تائب ہو جائے گی۔"

بادشاہ نے انہیں طلب کر لیا۔

جب وہ محل میں داخل ہو رہے تھے تو ان کی بہت زیادہ نگرانی کی گئی۔ دربانوں نے حضرت حنظلہؑ کے چاروں طرف کا جائزہ لیا کہ ان کے ساتھ کوئی اور تو نہیں ہے۔"

ان سب کو ملک الموت کا دھڑکا لگا ہوا تھا اور سمجھتے تھے کہ ملک الموت بھی انسانی شکل میں ان کے ساتھ محل میں داخل ہو سکتا ہے۔

حضرت حنظلہؑ اکیلے تھے۔ انہیں احتیاط کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہنچا دیا گیا اور تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے گئے۔

بادشاہ نے کہا "میرا خیال تھا کہ تو اپنے ساتھ عزرائیل کو بھی لائے گا مگر تو تنہا ہے۔ عزرائیل کو کہاں چھوڑ آیا؟"

حضرت حنظلہ نے کہا "اے بادشاہ! پتا نہیں تو کس غلط فہمی کا شکار ہے۔ عزرائیل سے میرا کیا تعلق' کارکنان قضا و قدر اللہ کے اختیار میں ہیں۔ وہ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے' لیتا ہے۔ میں بھی اللہ کا بھیجا ہوا کارندہ ہوں۔ اس نے میرے ذمے نبوت کی ہے اور میں اس کا پیغام گمراہ بندوں تک پہنچاتا رہتا ہوں۔ تجھ سے بھی یہی کہتا ہوں کہ تو خود اللہ پر ایمان لے آ تاکہ تیری رعایا بھی تیری دیکھا دیکھی شرک کو چھوڑ دے اور دین دار ہو جائے۔"

ٹیفور نے کہا "میں نے نادان تو بہت دیکھے ہیں مگر تیرے جیسا نادان نہیں دیکھا کہ ہر کوئی تیری مخالفت کر رہا ہے مگر پھر بھی تو باز نہیں آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ تجھے تیرے اس کام کا کہیں سے کوئی معاوضہ بھی نہیں ملتا پھر یہ بلاوجہ کی محنت کیوں کرتا ہے۔"

حضرت حنظلہؑ نے لوہے کی کھڑکیاں اور دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "کیا تجھے لوہے کی یہ چیزیں عزرائیل سے بچا لیں گی؟"

بادشاہ نے کہا "تو نے غور نہیں کیا کہ میں نے ان دروازوں اور کھڑکیوں پر بھی دربان کھڑے کر دیے ہیں۔ اب ان کی موجودگی میں لوہے کی کھڑکیوں اور دروازوں کو کون عبور کرے گا۔"

آپ نے کہا "تو عجیب کم عقل اور نادان انسان ہے۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ دربان' کھڑکیاں اور دروازے عزرائیل کو اندر داخل ہونے سے روک دیں گے تو یہ بالکل خام خیالی ہے۔ عزرائیل کو جب یہاں تک پہنچنے کا حکم ملے گا تو وہ خاموشی سے اندر داخل ہو جائے گا۔ یہ دربان' کھڑکیاں اور دروازے

اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔"

بادشاہ نے کہا "تم میرے سامنے ایک مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ میں جب چاہوں گا' تمہیں مسل دوں گا۔ آئندہ تم یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا۔ اب تم جاؤ۔ میں دیکھوں گا کہ عزرائیل یہاں کس طرح آتا ہے۔"

حضرت حنظلہؑ واپس چلے آئے۔ بادشاہ نے انہیں کوئی نقصان اس لیے نہیں پہنچایا کہ اسے معلوم تھا کہ وہ بے یار و مددگار ہیں۔ یہ کچھ بھی کہتے پھریں' لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

آپ نے واپس آ کر سکوت اختیار کیا کیونکہ انہیں اللہ کی طرف سے بتایا گیا تھا کہ اب ملک الموت کے ذریعے اللہ بادشاہ کو بتائے گا کہ وہ جس پہرے داری کے زعم میں ہے وہ ملک الموت کے لیے کچھ بھی نہیں۔

رات کو بادشاہ حضرت حنظلہؑ کے معاملے پر غور کرتا رہا کہ یہ عجیب و غریب شخص کسی معاوضے کے بغیر یہ فضول کام کیوں کیے چلا جا رہا ہے۔

اس نے اچانک دروازے کے قریب جہاں مشعلیں روشن تھیں' ایک مسلح شخص کو دیکھا جو کھڑا اسی کو گھور رہا تھا۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ اجنبی اندر کس طرح آ گیا؟ اس نے دربانوں کو آوازیں دیں اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔

مشکل سے باہر تک آواز پہنچی۔ ایک دربان اندر داخل ہوا اور پوچھا "جی بندہ پرور' آپ نے مجھے پکارا تھا؟"

اب جو بادشاہ نے اجنبی کی طرف دیکھا تو وہ غائب ہو چکا تھا' مشعلوں کے نیچے دربان کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔

بادشاہ نے پوچھا "ابھی ابھی ایک شخص یہاں آیا تھا' وہ کہاں چلا گیا؟"

دربان نے معصومیت سے جواب دیا "جناب! ہم انتہائی مستعدی اور ہوشیاری سے پہرا دے رہے ہیں اور ہم نے تو کسی کو اندر داخل ہوتے نہیں دیکھا۔"

بادشاہ نے طیش میں کہا "لیکن میں نے اسے دیکھا ہے۔ اسے تلاش کرو۔ میرے سامنے لاؤ' میں اسے سزا دوں گا۔"

دربان نے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں وہ کھڑا تھا۔ پورے کمرے میں بادشاہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ کچھ کنیزوں نے بھی دربان کا ساتھ دیا اور کونا کونا چھان مارا۔

بادشاہ اس کارروائی کو غور سے دیکھ رہا تھا اور دل سے قائل ہو گیا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ سوچا شاید یہ اس کا وہم ہو۔

دربان واپس چلا گیا' پہرا زیادہ سخت کر دیا گیا۔ بادشاہ کی نیند اڑ گئی اور وہ اس اجنبی کے بارے میں رات بھر غور کرتا رہا۔ اسے حضرت حنظلہ کی بات یاد آ رہی تھی کہ ملک الموت کو جب بھی اللہ کی طرف سے یہاں تک پہنچنے کا حکم دیا جائے گا' وہ کسی رکاوٹ کے بغیر پہنچ جائے گا۔

رات بھر بیدار رہنے کے بعد بھی بادشاہ کو وہ اجنبی دوبارہ نہیں دکھائی دیا۔

صبح ہوئی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام کھڑکیاں اور دروازوں میں دیکھا جائے کہ ان میں کوئی سوراخ تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو اسے فوراً بند کر دیا جائے۔

کافی دیر بعد کسی نے بادشاہ کو بتایا کہ ایک کھڑکی میں ذرا سا سوراخ تھا مگر اسے بند کر دیا گیا' اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔

دوسری رات آئی۔ بادشاہ نے سخت تاکید کر دی کہ اب کسی کو اندر نہیں آنا چاہئے لیکن اسی وقت اور اسی جگہ پھر وہ شخص نظر آیا۔ اس اجنبی کے ہاتھ میں آج ایک تلوار بھی تھی اور وہ بادشاہ کو مسلسل گھور رہا تھا۔

بادشاہ نے پھر آوازیں دینا شروع کیں مگر یہ آوازیں باہر تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ اس اجنبی نے حرکت کی اور آہستہ آہستہ بادشاہ کی طرف بڑھا۔

اگر اجنبی کے ہاتھ میں تلوار نہ ہوتی تو بادشاہ اس سے نمٹ سکتا تھا مگر تلوار نے بادشاہ کو خوف زدہ کر دیا۔ اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "تو بتاتا کیوں نہیں کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟ اور کس طرح آیا ہے؟"

اب اجنبی نے بھی زبان کھولی اور کہا "بادشاہ سلامت! میں وہی ہوں جس کا ذکر حنظلہ نے کیا تھا۔ یعنی میرے لیے یہ کھڑکی' دروازے' یہ پہرے دار کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مجھے اللہ کے حکم کی تکمیل کرنا پڑتی ہے۔"

بادشاہ نے پوچھا "اس وقت تو یہاں کیا لینے آیا ہے؟ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اتنی آسانی سے تیرے قابو میں آجاؤں گا تو یہ خیال دل سے نکال دے۔"

حضرت عزرائیلؑ نے اپنا تعارف کروادیا "مجھے تم اجنبی مت سمجھو اور نہ اجنبی کہو۔ میں فی الحال یہی بتانے آیا ہوں کہ مجھے روکا نہیں جا سکتا۔ ہوا کو روکا جا سکتا ہے۔ پانی کو روکا جا سکتا ہے۔ روشنی کو روکا جا سکتا ہے مگر اللہ کے کارندوں کو روکنا کسی انسان کے بس میں نہیں دیا گیا ہے اور یہ جہاں بھی جانا چاہیں اور جو کچھ کرنا چاہیں' انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔

بادشاہ پر حقیقتاً حضرت عزرائیلؑ کا رعب طاری ہو گیا' پوچھا "کیا تو مجھے مارنے آیا ہے؟"

حضرت عزرائیلؑ نے جواب دیا "نہیں۔ میں صرف شکل دکھانے آیا ہوں۔ جس دن حکم دیا جائے

گا کہ تیری روح قبض کر لی جائے تو میں یہ کام بھی انجام دے دوں گا۔"

بادشاہ نے بھی وہی سوال کیا "اے اسرائیل! اگر حنظلہؑ کے اللہ پر ایمان لے آؤں تو کیا تو میرے پاس نہیں آئے گا اور میں ہمیشہ زندہ رہوں گا۔"

حضرت عزرائیلؑ نے جواب دیا "نہیں۔ میں اس وقت بھی آؤں گا۔"

بادشاہ نے مایوسی سے کہا "جب تو ہر حال میں آئے گا تو پھر مجھے حنظلہؑ کے اللہ پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو شمس دیوتا بھی ہمیں موت سے نہیں بچا سکتا اور حنظلہؑ کا اللہ بھی مجھے ہمیشہ زندگی نہیں دے سکتا۔"

حضرت عزرائیلؑ نے کہا "یہ تیری خام خیالی ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو تجھے ہمیشہ زندہ رکھے لیکن موت کو برحق قرار دیا گیا ہے اس لیے موت ہر حال میں آئے گی۔"

بادشاہ نے پوچھا "پھر اللہ پر ایمان لانے کا کیا فائدہ؟"

حضرت عزرائیلؑ نے کہا "فائدہ یہ ہے کہ تجھے اللہ پر ایمان کے بعد دروازوں' کھڑکیوں اور ان دربانوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اور تو اللہ کی رضا کے لیے جئے گا اور اس کی رضا میں مر جائے گا۔ جس وحشت' پریشانی اور خوف کا تو اس وقت شکار ہے اس سے تجھے نجات مل جائے گی۔"

بادشاہ نے غنیمت جانا کہ حضرت عزرائیلؑ سے باتیں ہو رہی تھیں مگر انہوں نے جان لینے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا "اگر تم عزرائیل ہو اور لوگوں کی روح قبض کرتے ہو تو بتاؤ ابھی میں کتنے دن زندہ رہوں گا۔"

حضرت عزرائیلؑ نے جواب دیا "میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ جب وہ حکم دے گا' میں تیری روح قبض کرنے آجاؤں گا۔"

بادشاہ نے پوچھا "اچھا پھر ایک بات بتا دے کہ تو اس محل میں اور خاص کر اس کمرے میں کس طرح داخل ہوا؟"

حضرت عزرائیلؑ نے کہا "تو عجیب عقل کا دشمن اور نادان انسان ہے میں نے تجھے بتا دیا کہ ہوا' پانی' روشنی کو روکا جا سکتا ہے مگر مجھے نہیں روکا جا سکتا۔ میں ہر کہیں پہنچ سکتا ہوں۔"

حضرت عزرائیلؑ تو یہ بات کر کے چلے گئے مگر بادشاہ کو ان کی باتوں پر یقین نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کہیں نہ کہیں داخلے کا کوئی راستہ موجود ضرور ہے۔

حضرت عزرائیلؑ کے چلے جانے کے بعد اس نے خوب گھوم پھر کے جائزہ لیا اور کمرے سے نکل کر ملحقہ برج میں داخل ہو گیا۔ یہ برج نسبتاً کمرے سے چھوٹا تھا اور اس کی دیکھ بھال کمرے کے مقابلے میں آسان تھی۔ حضرت عزرائیلؑ اس برج کی ذریعے بھی کمرے میں داخل ہو سکتے تھے۔ وہ دیر تک اس

برج کا جائزہ لیتا رہا اور اسے یہاں ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آ گیا۔

دوسرے ہی دن اس سوراخ کو بند کر دیا گیا اور بادشاہ سلامت نے اپنا تخت اس برج میں اس لیے منتقل کر دیا کہ اس چھوٹی سی جگہ کی دیکھ بھال اور حفاظت زیادہ آسان تھی۔

کئی راتوں کے بعد بادشاہ کو سکون ملا کہ یہ برج سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہے اور یہاں ملک الموت نہیں پہنچ سکتا۔

شہریوں کو پریشانی تھی کہ بادشاہ ان سے لاتعلق ہو گیا ہے اور کاروبار سلطنت اپنے ملازمین کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ ملازمین اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں اس لیے وہ من مانی کرنے لگے۔ رعایا ان کے ظلم و جبر سے بلبلانے لگی۔ شہر میں ظلم عام ہو گیا۔ لوگ ستائے جانے لگے۔ طاقت ور کمزور پر بے جھجک ظلم کرنے لگے۔

اس عالم میں بادشاہ اپنے بارے میں ہر طرح سے مطمئن ہو کے برج میں مقید ہو چکا تھا اور سمجھتا تھا کہ ملک الموت کی یہاں تک پہنچ ناممکن ہے۔ ایک رات ابھی نصف باقی تھی کہ بادشاہ کی سوتے سوتے آنکھ کھل گئی۔ اسے ایسا لگا کسی نے بیدار کر دیا ہو' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظریں برج کے آخری حصے پر پڑیں۔ دیکھا وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔

بادشاہ کو گمان گزرا کہ شاید یہ کوئی دربان ہے جو اندر آ گیا ہے اور برج کے گوشے سے ٹیک لگا کے آرام کرنے بیٹھ گیا ہے۔

اسے اپنے اس حرام خور دربان پر غصہ آیا' وہ غصے میں اس کی طرف لات رسید کرنے بڑھا مگر اچانک وہ کھڑا ہو گیا اور بادشاہ سے پوچھا "کیا بات ہے؟ تو اتنا مشتعل اور پریشان کیوں ہے؟"

بادشاہ نے اسے حیرت سے دیکھا اور کہا "کمال ہے کہ تو پھر اندر آ گیا۔"

حضرت عزرائیلؑ نے کہا "میں تیرے ایک سوال کا کتنی بار جواب دوں۔ مجھے یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

بادشاہ نے پوچھا "تو آج یہاں کیوں آیا ہے؟"

حضرت عزرائیلؑ نے جواب دیا "اے ٹینورا! تو نے اپنے اس محل کو لوہے کے دروازوں اور کھڑکیوں سے کچھ ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ تیرے وزیر' حاکم شہر' کارندے' پروہت اور کاہن تیری ہی طرح کی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں کہ میں اس محل میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تیرے سارے ذمے دار لوگ اب اسی محل میں پناہ لیتے ہیں۔ اس وقت بھی وہ سب محل میں سوئے ہوئے ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ بادشاہ سمیت ان سب کی روحیں قبض کر لوں۔"

بادشاہ بہت گھبرایا اور کہا "اتنی بھی کیا جلدی' کچھ تو دم لے تاکہ میں اپنے چند قریبی عزیزوں سے

ملاقات کر لوں۔"

حضرت عزرائیلؑ نے جواب دیا "مجھے اتنا اختیار نہیں دیا گیا کہ میں تجھ کو وقت دوں۔ لمحوں کی بات ہے کہ سب کی روحیں قبض کر لی جائیں گی۔"

بادشاہ نے اس سے بیٹوں ذکر کیا "مجھے اپنے صرف دو چھوٹے بیٹوں سے مل لینے دو۔ اس وقت وہ بھی سو رہے ہوں گے۔ میں ان کی پیشانی پر بوسہ دے کر واپس آ جاؤں گا۔"

حضرت عزرائیلؑ نے کہا "اے بادشاہ! کیوں پریشان ہوتا ہے۔ جن رشتے داروں اور بیٹوں کی تو بات کر رہا ہے' وہ سب تیرے ساتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ اس لیے تجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اب بادشاہ خوشامد پر اتر آیا اور کہا "تو نے جو کچھ کہا وہ سب درست مگر مجھے ان کے پاس جانے دو۔ اگر ہم سب کی موت ایک ہی وقت میں ایک جگہ مقرر ہوئی ہے تو مجھے ان کے قریب اور ان کے ساتھ مرنے دے۔"

حضرت عزرائیلؑ نے کہا "وقت ختم ہوا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ موت کے لیے وقت اور جگہ کا تعین کر دیا گیا ہے اور اس میں تبدیلی میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔ جس کی جس جگہ اور جس وقت موت مقرر کی گئی ہے' وہاں ہر شخص موجود ہے۔ اس لیے تو اس برج سے کہیں اور نہیں جا سکتا۔"

حضرت عزرائیلؑ نے ایک خوف ناک چیخ ماری جس سے پورا محل لرز گیا۔ بادشاہ کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ چھتیں گرنے لگیں' دیواریں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈھیر ہو گئیں' برج زمین پر گر کر دور دور تک بکھر گئے۔ ان میں جو نفوس تھے' وہ سب ہلاک ہو گئے۔ یہ واقعہ نصف شب کے بعد پیش آیا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ شہر کا دوسرا حصہ اس تباہی سے محفوظ رہا۔ صبح کچھ شہریوں نے محل کا رخ کیا تو انہیں دور سے محل کہیں نظر نہ آیا۔ انہوں نے اس کا ذکر دوسروں سے کیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ خبر ہر طرف پھیل گئی کہ شاہی محل جو رات تک موجود تھا اب اس کا کہیں کوئی پتا نہیں۔

لوگ تجسس اور بدحواسی کے عالم میں محل کی طرف دوڑ پڑے اور انہیں دور ہی سے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شاہی محل زمین میں دھنس گیا تھا۔ زمین جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اور بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی تھیں ان دراڑوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ محل کی طرف سے آنے والے ہوا کے جھونکوں میں شدت کی تپش تھی اور یہ تپش انہیں آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔

ہجوم کے پیچھے حضرت حنظلہؑ بھی پہنچ گئے اور لوگوں سے کہا "وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ لوگو! دیکھو اور عبرت پکڑو۔"

لوگوں نے انہیں بہت برا بھلا کہا اور انہیں مارنے کے لیے دوڑے۔

ان سب کا خیال تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے انہیں کی وجہ سے ہے کیونکہ جب سے حضرت حنظلہؑ نے تقریریں شروع کی ہیں، شہر کے لوگ اسی دن سے پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

حضرت حنظلہ نے کہا "لوگو! گمراہی کی باتیں مت کرو۔ تم شرک اور بت پرستی کی وجہ سے اپنے بادشاہ، اراکین سلطنت اور شاہی خاندان سمیت محل کی بربادی کا یہ منظر دیکھ رہے ہو۔ میں نے بادشاہ سے اس کی زندگی ہی میں یہ کہہ دیا تھا کہ اگر تو اللہ کو مان لے اور شرک سے تائب ہو جائے تو پورا شہر تیری اتباع کرے گا اور یہ شہر تباہی اور بربادی سے بچ جائے گا مگر وہ نہیں مانا اور اپنے خاندان اور ارکان سلطنت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔"

لوگوں کو ان کی باتوں پر بہت غصہ آرہا تھا۔ کچھ لوگ ان کی طرف لپکے اور کہا "اے حنظلہؑ! تم ایک بد قسمت انسان ہو۔ تمہاری نحوست اور بد قسمتی شاہی محل کی تباہی کا سبب بنی۔ اگر اب تم اس شہر میں رہ گئے تو اس شہر کی تباہی بھی یقینی ہے۔"

حضرت حنظلہ نے کہا "تم کیا پیش گوئی کرو گے۔ میری مستقبل شناس آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ تمہارے اسلاف نے ادومیوں اور عمالقہ سے لڑ جھگڑ کے اور انہیں مسلسل شکستیں دے کر جو کچھ چھینا تھا، تم اس مال سے چھ دن عیش کرو گے اور یہ بھول جاؤ گے کہ عمالقہ اور ادومیوں کی شکستیں دائمی نہیں تھیں۔ وہ اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے تیاریاں کر رہے ہوں گے اور تم اپنی ماضی کی طاقت پر نازاں خواب غفلت کے مزے لے رہے ہو گے۔ اللہ ہمیں اس دن کے لیے اس دنیا میں نہ رکھے۔"

لوگوں نے ان کو مارنا چاہا مگر یہ ان کے ہاتھ نہیں آئے اور خاموشی سے نکل کر غائب ہو گئے۔

اب انہوں نے تبلیغ کا کام کم کر دیا تھا کیونکہ انہیں آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس شہر پر عذاب نازل ہونا شروع ہو گیا ہے اور شاہی محل کی تباہی اور بربادی اس کا آغاز ہے۔

چند دنوں بعد آبادی میں ایک اژدھا داخل ہوا۔ یہ اتنا موٹا اور لمبا تھا کہ لوگ اس کو دیکھتے ہی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے تھے۔ اس اژدھے نے ہر طرف تباہی مچا دی۔ وہ کئی کئی آدمیوں کو گرفت میں لیتا اور رسی کی طرح ان سے لپٹ کے اپنے شکنجے میں اتنا کستا کہ ان کی کمر کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ شہر میں ہر طرف مردوں کے ڈھیر لگ گئے۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ حضرت حنظلہؑ نے اژدھے کی شکل میں ان کی روحیں قبض کرنا شروع کر دی ہیں۔

شہر اجڑنے لگا، لوگ فرار ہونے لگے مگر یہ اژدھا ان کو راستے میں روک لیتا اور ان کی ریڑھ کی ہڈیاں توڑ دیتا۔

وہ شہر جہاں کئی کئی سو سال کے آدمی زندہ تھے اور جہاں کے لوگ عرصے سے موت کے نام سے بھی نا آشنا تھے، اب موت کی تباہ کاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

اسی دوران میں کہ ابھی اژدھے کی تباہ کاریاں جاری تھیں، زمین کے اندر سے گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنائی دینے لگیں کہ لوگوں نے اپنے اپنے گھر چھوڑ دیے اور باہر نکل آئے لیکن فوراً ہی انہیں دوسری مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب زمین نے پہلو بدلا تھا۔ ہر شے جو زمین پر تھی، ہل رہی تھی دیواریں ٹوٹ رہی تھیں، چھتیں زمیں بوس ہو گئیں، جگہ جگہ سے زمین کئی کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی، بڑے بڑے شگاف پڑ گئے اور بہت سے لوگ ان شگافوں میں غائب ہو گئے گویا زمین نے انہیں نگل لیا تھا۔ ہر طرف چیخ و پکار اور واویلا مچی ہوئی تھی۔

حضرت حنظلہؑ نے اس عالم میں دوسرے شہر کا رخ کیا۔ یہ کسی نقصان کے بغیر وہاں سے نکل گئے تھے۔ بیت اللحم میں قیام اختیار کیا۔ یہ یروشلم (سلامتی کا گھر) تھا۔ یہاں کے لوگوں نے ان کی بڑی پزیرائی کی اور انہوں نے بقیہ زندگی یہیں گزار دی۔

حضرت حنظلہؑ کے شہر پر جو بربادی آئی تھی، اس میں ان کا بہت کچھ ضائع ہو گیا۔ زمین سے اتنا دھواں نکلا کہ لوگوں کا دم گھٹ گیا اور جب اس مصیبت سے نجات ملی اور قوم نے از سر نو زندگی کا آغاز کیا تو وہ پھر یہ بھول گئے کہ ان پر تباہی کیوں آئی تھی۔ ان کے پاس بچا کھچا اب بھی بہت کچھ موجود تھا ادوم اور عمالقہ سے چھینے ہوئے خزانے ان کے پاس موجود تھے اور یہ خزانے ان کے بہت کام آئے۔

انہوں نے حضرت حنظلہ کو تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملے تو انہیں یہ سوچ کر بڑا سکون ملا کہ ایک نصیحت کرنے والے سے ان کو نجات مل گئی تھی۔ ان کا اب یہی خیال تھا کہ ان پر جو تباہی آئی تھی اس کا سبب حضرت حنظلہ کے وجود کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور اب جب کہ وہ اس شہر سے جا چکے تھے تو اس شہر میں سکون پیدا ہو گیا تھا اور قوم تعمیر نو میں مشغول ہو گئی تھی۔

قوم میں عیش و عشرت کا بڑا رجحان پایا جاتا تھا۔ قوم یہ بھول گئی تھی کہ حضرت حنظلہؑ نے ان کو کسی اور بربادی اور تباہی سے بھی آگاہ کیا تھا۔ جسے عذاب ملک کہا جاتا ہے یعنی ایسا عذاب جو قوم برسوں جھیلتی رہے گی اور زمانے کے لیے نمونہ عبرت بن جائے گی۔

ادومی اور اہل عمالقہ اپنی تباہی اور بربادی کو بھولے نہیں تھے۔ انہیں جب یہ خبریں ملی کہ ٹیفور ہلاک ہوا اور اس کی قوم پر زلزلے کا عذاب نازل ہوا تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ان پر ان کی لاعلمی میں حملہ ہوا۔ عمالقہ اور ادوم کے لوگوں نے ان پر سفاکی سے تاخت و تاراجی کی۔ نہ بوڑھوں کو پناہ تھی اور نہ جوانوں کو امان، یہاں تک کہ بچے بھی قتل کر دیے گئے۔ بہتوں کو غلام بنا لیا گیا، جوان عورتیں تصرف میں آئیں اور انہیں اپنے شہر سے دور کر دیا گیا۔

سالوں پہلے عمالقہ اور ادوم سے لوٹی ہوئی دولت جو باقی بچی تھی وہ پھر اصل مالکوں کے پاس پہنچ گئی ٹیفور کے لوگوں نے جو ناگہانی ارضی عذاب جھیلا تھا وہ وقتی اور ہنگامی تھا کہ آناً فاناً آیا اور لوگوں کو

موت کے گھاٹ اتار کے چلا گیا۔ جو زندہ بچے وہ کچھ دنوں کے بعد سنبھل گئے۔

لیکن اس عذاب کے بعد انہیں عذاب مکلف میں مبتلا کیا گیا۔ ان کے بے شمار لوگ قتل ہوئے' ان کی ناموس تار تار ہوئی اور زندوں کو ان کی دولت سمیت غلام بنا کے حملہ آور اپنے ساتھ لے گئے۔ اب یہ محکوم اپنے حاکموں کی دن رات خدمت کر رہے تھے' ذلیل و خوار ہو رہے تھے' لفظ غلام ان کے ناموں کے ساتھ لاحقہ بن کے چپک گیا تھا اور یہاں یہ آثار مفقود تھے کہ انہیں کبھی آزادی بھی ملے گی۔ اس دور غلامی میں ان کو حضرت حنظلہ یاد آئے' جنہوں نے ان کو اس عذاب مکلف کی بہت پہلے سے خبر دے دی تھی لیکن۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

○☆○

بنی اسرائیل کے وہ نبی جن سے سلاطین پیغمبر کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے کے پہلے نبی حضرت طالوتؑ تھے۔ وہ کس طرح دعائوں سے پیدا ہوئے اور انہیں کس طرح نبوت ملی، یہ ایک دلچسپ رُوداد ہے اور اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو بہ ظاہر مجبور اور کمزور ماں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں، درحقیقت بہت بڑی مشیت ایزدی ہوتے ہیں اور ان کی آمد ناگزیر ہوتی ہے۔ یہ آنے کے بعد کس طرح اللّٰہ کی مرضی پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے عمل کراتے ہیں، انسانی عقول کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ان کا نام حضرت شموئیل تھا جو دراصل عربی کے اسمٰعیل تھے۔

مضمون کے ماخذ

- انبیائے قرآن
- کتاب الہدیٰ
- ترجمان القرآن — مولانا ابوالکلام آزاد
- قصص القرآن — مولانا حفظ الرحمٰن
- توریت (عہد نامہ قدیم)

حضرت شموئیل علیہ السلام

(1100ق۔م)

بنی اسرائیل کے نہایت مشہور سپہ سالار اور نبی حضرت یوشعؑ بن نون نے اپنی قوم میں قبیلوں پر حکومت کرنے کے لیے سردار مقرر کردیئے تھے اور عدالتی معاملات کو نمٹانے کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا تھا۔ دینی معاملات کاہنوں کے سپرد کردیئے گئے تھے۔ یہ تثلیثی کام صدیوں جاری رہا یعنی حضرت موسیٰؑ کی وفات کے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد تک قائم رہا لیکن پھر ان میں خرابیاں پیدا ہونے ..... لگیں اور قرب و جوار کی قوموں نے ان پر حملے شروع کردیئے۔ قاضی اپنی قوم کو ان حملہ آوروں سے نہیں بچا سکتے تھے۔ یہی حال سرداروں کی بے بسی کا تھا کہ وہ اپنے اپنے قبیلوں کی حد تک اختیارات رکھتے تھے لیکن قبیلوں کے اجتماعی معاملات سے لاتعلق رہتے' یعنی ان میں قبائلی اتحاد نہیں تھا۔ یہ سب اپنے اپنے علاقوں کی حدود میں زندگی بسر کرنے کے عادی ہوگئے تھے جب کہ ان کے اطراف آباد فلسطی' رومی' موآبی اور اشدودی جنگجو قومیں تھیں۔ یہ بیکار نہیں بیٹھتی تھیں۔ یہ لوگ آئے دن چھاپے مارتے رہتے تھے' لوٹ مار کرتے' نوجوانوں کو قتل کردیتے تھے اور عورتوں کو اٹھالے جاتے تھے۔

ان انتہائی برے حالات میں' بنی اسرائیلیوں میں عیلی نامی ایک کاہن تھا۔ اس کاہن کا بس اتنا اثر و اقتدار تھا کہ یہ جو بھی داد رسی کرتا' قوم کو اس پر اعتراض نہ ہوتا۔ یہ سیلا نامی شہر میں قیام رکھتا تھا۔ یہیں اس کی عبادت گاہ تھی۔ اس عبادت گاہ میں اس کے شب و روز سالہا سال سے گزر رہے تھے اور اس کے پاس قبیلوں کے سردار بھی پہنچتے رہتے تھے اور قاضی صاحبان بھی۔

جب دوسری قومیں ان پر حملہ آور ہوتیں تو یہ عیلی کاہن اپنی قوم کو لڑنے کی ترغیب دیتا اور ان لڑائیوں کے نتائج اکثر و بیشتر ان کے خلاف ہی نکلتے تھے۔

یہیں ایک جگہ تھی راما یتم صوفیم۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بن یامین کے ایک بیٹے افرائیم کی نسل آباد تھی۔ یہ شہر کوہستانی سلسلے میں واقع تھا اور اس کو اختصار سے رامہ

کہتے تھے۔

کہنے کو تو یہ علاقہ افرائیمی تھا مگر یہاں حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ کی نسل کے لوگ بھی آباد تھے۔ یہ سب اپنے دینی معاملات کے لیے عیلی کاہن ہی سے رجوع کرتے۔

حضرت ہارونؑ کی نسل سے تعلق رکھنے والا ایک شخص القانہ اپنی دو بیویوں کے ساتھ ہر سال عبادت کے لیے عیلی کاہن کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ سیلا کی عبادت گاہ میں کئی دن تک مصروفِ عبادت رہتا اور اپنے حق میں عیلی کاہن سے دعائیں کرواتا رہتا تھا۔

القانہ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی کا نام حنہ (HANNAH) اور دوسری بیوی کا نام فننہ (PENINNAH) تھا۔ اللہ نے دوسری بیوی فننہ کو تو اولادیں دی تھیں لیکن حنہ اولاد سے محروم تھی۔

یہ دونوں بیویاں ہر سال اپنے شوہر کے ساتھ سیلا پہنچتیں' شوہر کے ساتھ عبادت کرتیں' دعائیں مانگتیں اور واپس چلی جاتیں۔ حنہ کئی سال سے اولاد کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی مگر اللہ کی طرف سے تاخیر ہوتی گئی۔ اسی طرح ایک سال معمول کے سفر پر یہ دونوں بیویاں سیلا کے لیے روانہ ہوئیں تو فننہ نے حنہ سے کہا "تم پتا نہیں ہر سال ہمارے ساتھ سیلا کیوں جاتی ہو۔ میری مانو تم سفر کی مشقت مت برداشت کرو۔ خدا تم سے ناراض ہے۔ تم ہر سال خدا سے اولاد مانگتی ہو مگر وہ تمہیں اولاد نہیں دیتا۔"

حنہ نے جواب دیا "کوئی پروا نہیں۔ میں خدا سے مایوس نہیں ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ دعا کے قبول ہونے کی جو گھڑی ہوتی ہے' وہ ابھی نہیں آئی۔ میں ہر سال حاضریاں دیتی رہوں گی اور عاجزی سے دعائیں مانگتی رہوں گی۔ میں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔"

فننہ نے طنز کیا "تجھ سے خدا ناراض ہے۔ تو کتنی ہی دعائیں مانگ لے' وہ تیری نہیں سنے گا۔ تو بانجھ ہے۔ کہیں بانجھ سے بھی اولاد ہوتی ہے۔"

اس طنز سے حنہ کو بہت تکلیف پہنچی اور اس نے کہا "تجھ کو یہ کس نے بتایا کہ خدا مجھ سے ناراض ہے اور اس نے مجھے بانجھ پیدا کیا؟"

فننہ نے کہا "ہم دونوں کا ایک ہی شوہر ہے۔ خدا نے اس شوہر کے ذریعے مجھے تو اولاد دی اور تجھے اولاد سے محروم رکھا۔ عقل مندوں کے لیے یہ نشانیاں ہیں۔ اب اگر کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو ہم کیا کرسکتے ہیں۔ تو کتنی ہی دعائیں کرلے' تجھے اولاد نہیں ملے گی۔"

شوہر القانہ نے دونوں کے بحث و مباحثے میں مداخلت کی اور فننہ سے کہا "تم اپنی اولاد پر غرور نہ کرو۔ اگر خدا کو تمہارا غرور برا لگا تو وہ تم سے اولاد چھین لے گا۔ خدا کے عتاب سے ڈرو۔" اور حنہ سے کہا "تم اس بد دماغ عورت سے مت الجھا کرو اور خدا سے اولاد کے لیے دعا مانگتی رہو کیونکہ وہ بہت

زیادہ مانگنے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔"

دونوں بیویاں شوہر کے منع کرنے سے حجت و تکرار سے باز تو آگئیں مگر فننہ کے چہرے سے طمانیت ظاہر تھی اور حنہ کے چہرے پر مایوسی کی جگہ امید پائی جاتی تھی۔

القانہ نے عبادت گاہ میں جا کر عبادت کی' دعائیں مانگیں اور خاموشی سے باہر آگیا۔

حنہ سب سے بعد میں اندر گئی اور خوب خوب روئی۔ وہ سسکیاں لے کر روتی اور کہتی رہی "اے میرے اور بنی اسرائیل کے خدا! مجھے تجھ پر یقین ہے کہ تو میری ضرور سنے گا مگر فننہ کہتی ہے کہ تو نے مجھے بانجھ پیدا کیا ہے اور میری قسمت میں اولاد نہیں ہے۔ کیا میں تیری نام لیوا ہمیشہ یونہی ذلیل و خوار ہوتی رہوں گی۔"

عیلی کاہن حنہ کی مناجات سنتا رہا اور جب وہ چپ ہو گئی تو کاہن نے پوچھا "بیٹی میں تجھے کئی سال سے یہاں آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ تو کافی پریشان ہے مگر تو خدا کی صابر بندی معلوم ہوتی ہے۔ مجھے بتا کہ تجھے کیا مطلوب ہے تاکہ میں بھی تیرے حق میں دعا کروں؟"

حنہ نے عیلی کاہن سے درخواست کی "آپ میرے لیے خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا دے دے۔ میں منت مانتی ہوں کہ اگر بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے خدا کی نذر کر دوں گی۔"

عیلی کاہن نے حنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "تو خدا کی نیک بندی ہے۔ خدا تجھے بیٹا دے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تجھے کئی بیٹے اور بیٹیاں دی جائیں۔"

حنہ عبادت گاہ سے نکلی تو اس کے چہرے سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ چہرے پر ایسا سکون پایا جاتا تھا گویا اسے کسی قسم کی کوئی فکر نہیں ہے۔

شوہر القانہ نے پوچھا "کیا بات ہے حنہ آج تو بہت پرسکون اور مطمئن نظر آ رہی ہے؟"

حنہ نے جواب دیا "ہاں۔ آج میں نے رو رو کر خدا سے ایک بیٹا مانگ لیا اور منت مانی ہے کہ اگر بیٹا پیدا ہو گیا تو میں اس کو خدا کے نام پر اس عبادت گاہ میں چھوڑ دوں گی۔"

القانہ نے کہا "حنہ! تو اس قسم کی دعائیں تو کئی سال سے مانگ رہی ہے لیکن میں نے کبھی تیرے چہرے پر وہ طمانیت نہیں دیکھی جو آج دیکھ رہا ہوں۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

حنہ نے جواب دیا "ہاں' میرے چہرے کی طمانیت کے پیچھے کاہن عیلی کی برکت بھی کار فرما ہے۔ اس نے بھی مجھے دعا دی ہے اور یقین دلایا ہے کہ مجھے خدا ایک بیٹا ضرور دے گا۔ مجھے خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

فننہ نے ان دونوں کی باتیں سنیں تو ہنسنے لگی۔ حنہ سے کہا "میں نے بہت سی عورتیں دیکھی ہیں لیکن تیرے جیسی کم عقل اور نادان عورت نہیں دیکھی۔ عیلی کاہن نے تجھ کو بیٹے کی بشارت دی اور تو

نے اس پر یقین کر لیا۔ کیا تو بانجھ نہیں ہے؟ یہ بات تو دنیا جانتی ہے کہ تو بانجھ ہے اس لیے تجھ سے بیٹا پیدا نہیں ہو سکتا۔"

حنہ نے جواب دیا "میرا خدا قادر مطلق ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں پیدا ہونے والے بیٹے کو عبادت گاہ کی نذر کر دوں گی۔"

القانہ نے فننہ کو سمجھایا "تم اس غریب کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہو۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ حنہ کو اپنے خدا پر بھروسا ہے جب کہ تم ہر سال سیلا کی عبادت گاہ جاتی ہو' عبادت کرتی ہو مگر تمہیں خدا پر وہ یقین نہیں ہے جو حنہ کو ہے۔"

فننہ القانہ سے ناراض ہو گئی اور کہنے لگی "دنیا بھر کے شوہروں کو اپنی اس بیوی سے زیادہ محبت ہوتی ہے جس سے اس کی اولادیں ہوتی ہیں مگر تم اپنی بے اولاد بیوی سے زیادہ محبت کرتے ہو۔ یہ مجھ پر ایک قسم کا ظلم ہے۔ تم مجھ پر زیادتی نہ کرو۔"

القانہ نے جواب دیا "نیک بخت! حنہ بہت صابر و شاکر عورت ہے۔ میں کئی سال سے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اولاد سے محروم ہے مگر اس نے کبھی خدا سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ وہ خدا سے لو لگائے ہوئے ہے اور اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر اس سے بیٹا پیدا ہو گیا تو وہ اپنے بیٹے کو خدا کی نذر کر دے گی۔ اب تو سچ سچ بتا کہ تیری تو کئی اولادیں ہیں' تو ان میں سے کسی اولاد کو خدا کی نذر کر سکتی ہے؟"

فننہ نے جواب دیا "میں اپنی کسی اولاد کو عبادت گاہ کی نذر کیوں کروں! میں تمہارے ساتھ ہر سال سیلا کی عبادت گاہ میں حاضریاں دیتی ہوں۔ کیا خدا نہیں جانتا کہ میں اس کی عبادت کرتی رہتی ہوں اور میں نے اسے کسی سال بھی بھلایا نہیں ہے۔"

القانہ نے کہا "بیوی! تم کچھ بھی کہو' خدا عالم الغیب ہے۔ وہ دلوں کے اندر سے بھی واقف ہوتا ہے۔ وہ چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والا کہلاتا ہے اور اسے حنہ کی اندرونی ایمانی کیفیت کا پورا پورا علم ہو گا۔"

حنہ نے دونوں کے پاس سے علیحدگی اختیار کر لی اور الگ جاتے ہوئے کہا "خدایا! مجھے مایوس نہ کرنا۔ فننہ نامی یہ عورت میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

خدا نے حنہ کی سن لی۔ سیلا سے اپنے وطن راماتیم صوفیم پہنچ جانے کے دوسرے ہی مہینے القانہ کو معلوم ہوا کہ حنہ امید سے ہے۔

یہ خبر فننہ کے دل پر بجلی کی طرح گری لیکن القانہ کو بے حد خوشی ہوئی۔

دونوں نے تخلئے میں باتیں کیں اور القانہ نے کہا "حنہ مبارک ہو۔ خدا نے تیری سن لی اور عیلی کاہن کی دعا اور برکت تیرے کام آئی۔"

حنہ نے جواب دیا "میں خدا سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوئی اس لیے مجھے مایوسی کے دنوں میں بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی پہنچنی چاہیے تھی۔"

فننہ نے حسد سے کہا "ٹھیک ہے خدا نے حنہ کی سن لی مگر کون جانے کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اگر پیٹ میں لڑکی ہے تو یہ اس لڑکی کو کیا خدا کے حوالے کردے گی؟"

القانہ نے کہا "اگر اللہ نے حنہ کی سن لی اور کاہن عیلی کی دعا اور برکت کام آرہی ہے تو مجھے یقین ہے کہ بیٹا ہی پیدا ہوگا۔ لڑکی پیدا نہیں ہوگی۔"

فننہ منہ بنا کر چلی گئی اور حنہ نے دن رات خدا کی عبادت میں بسر کرنا شروع کردیئے۔ وہ ہر وقت یہی کہتی رہتی تھی "خدایا! مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ میں نے ہمیشہ تجھ پر بھروسا کیا ہے اور اس وقت بھی تجھ ہی پر میرا ایمان ہے کہ تو اپنے چاہنے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔"

دن گزرتے رہے اور گھر میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ فننہ چاہتی تھی کہ بیٹی پیدا ہو جب کہ حنہ کو یقین تھا کہ بیٹا پیدا ہوگا۔ القانہ کو یقین تھا کہ عیلی کاہن کی دعا اور برکت سے حنہ کے بطن سے بیٹا ہی پیدا ہوگا۔

شب و روز نہایت امید و بیم میں گزرے۔ مہینے مشکل سے سفر کررہے تھے۔ جب پیدائش کی گھڑی آئی تو ساعتیں بڑی سست روی سے گزرنے لگیں۔ قبیلے کی عورتیں جمع ہوئیں اور ولادت میں مدد کرنے والی خواتین نے حنہ کا بڑا ساتھ دیا۔ القانہ باہر بے چینی سے ٹہل رہا تھا اور فننہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی یہ خبر سننے کی منتظر تھی کہ حنہ کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔

ادھر مشرق سے آفتاب طلوع ہوا' ادھر اندر سے ایک عورت نمودار ہوئی اور القانہ سے کہا "بیٹا مبارک ہو۔"

القانہ نے خبر سنتے ہی سجدے میں گر کے کہا "خدایا! تو نے حنہ کی لاج رکھ لی۔"

فننہ کو اس خبر سے بہت تکلیف پہنچی اور اس نے کہا "خدا نے حنہ کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ حنہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کس طرح خدا کی نذر کرے گی۔"

حنہ بے حد خوش تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہوگئے اور اس نے کہا "خدایا! تو نے مجھ پر جو کرم کیا ہے' میری زبان اس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ یہ بچہ منت اور نذر سے پیدا ہوا ہے' میں تو اس کی امین ہوں۔ تیری یہ امانت میرے پاس اس وقت تک رہے گی جب تک اسے دودھ کی ضرورت رہے گی۔"

اس بچے کا نام شموئیل رکھا گیا جس کے عبرانی زبان میں معنی ہوتے ہیں خدا نے سنا۔ چونکہ خدا نے حنہ کی سن لی تھی اس لیے بیٹے کا نام شموئیل رکھا گیا۔ انہیں اشموئیل بھی کہا گیا اور یہی نام عربی میں

اسمٰعیل ہوگیا۔

القانہ کا تعلق قاہتیوں کے خاندان سے تھا۔ قوم کے عدالتی معاملات انہی کے ذمے تھے۔

حنہ نومولود کو لے کر سیلا گئی۔ عیلی کاہن نے بچے کو دیکھا' گود میں لیا اور اسے دعائیں دیں۔

عیلی کاہن کے بھی دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام حفنی (HOPHNI) اور دوسرے بیٹے کا نام فینحاس (PHINEHAS) تھا۔ یہ دونوں بیٹے بد اطوار تھے۔ ان سے کاہن خاندان کا نام بدنام ہورہا تھا۔

کاہن عیلی کو اس بچے میں کوئی غیر معمولی بات نظر آرہی تھی۔ بنی اسرائیل میں سرداری موجود تھی۔ ان میں قاضی بھی تھے اور کاہن بھی نگران میں مدتوں سے کوئی نبی نہیں پیدا ہوا تھا اور بادشاہ بھی نہیں تھا۔ اس نے حنہ سے کہا "جب اس بچے کا رضاعت کا زمانہ ختم ہوجائے تو اس کو میری تحویل میں دے دینا کیونکہ اس کی تعلیم و تربیت میں کروں گا۔"

حنہ نے کہا "یہ تو میرے پاس اللہ کی امانت ہے۔ جب تک یہ میرا دودھ پئے گا' میرے پاس رہے گا اور جس دن اس کا دودھ چھڑایا جائے گا' میں اس کو آپ کے حوالے کردوں گی۔"

حنہ' شموئیل کی پرورش میں لگی رہی۔ جب بچہ چلنے لگا تو ممتا نے زور کیا اور یہی جی چاہا کہ بچہ اس سے جدا نہ ہو۔ بچہ دوڑنے بھاگنے لگا تو ممتا نے اور زور مارا اور یہی جی چاہنے لگا کہ وہ بچے کو اپنے پاس رکھے۔

اسی دوران میں عیلی کاہن کو بھی احساس ہوا کہ سوا دو سال بعد جب یہ بچہ سیلا کی عبادت گاہ کو دے دیا جائے گا تو حنہ اولاد سے محروم ہوجائے گی۔

عیلی کاہن نے دعا کی "خدایا! حنہ تیری بڑی صابر و شاکر بندی ہے۔ تو نے اسے اولاد کی خوشی دی اور اس نے اپنا بیٹا بخوشی تیری نذر کردیا۔ وہ دودھ چھڑانے کے بعد اپنا بیٹا میرے حوالے کرکے اپنے وطن واپس چلی جائے گی۔ کیا تو اپنی اس نیک بندی کو ایک بار پھر تنہا کردے گا اور وہ غریب سال میں ایک بار سیلا کی عبادت گاہ میں بیٹے کو دیکھنے آجایا کرے گی۔ تو اس پر رحم بھی فرما اور کرم بھی فرما۔"

عیلی کاہن کی دعائیں قبول ہوئیں اور اسے خواب میں بتایا گیا "حنہ کو بتادے کہ شموئیل کے بعد خدا اس کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں دے گا۔"

بچہ اتنا بڑا ہوگیا کہ اس کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ حنہ نے اپنے شوہر القانہ کو بتایا "میں نے اپنے بیٹے شموئیل کے سلسلے میں خدا سے جو وعدہ کر رکھا ہے' اسے پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔ میں بیٹے کا سامان باندھتی ہوں' تم اسے سیلا لے چلنے کی تیاری کرو۔"

فننہ یہ سارے مناظر دیکھ رہی تھی اور خوش تھی کہ حنہ ایک بار پھر اولاد سے محروم ہوجائے گی۔

ان تینوں کے ساتھ فننہ بھی سیلا پہنچی۔

حنہ چپ تھی۔ بچے کے کپڑے ایک پوٹلی میں بندھے ہوئے تھے۔ یہ پوٹلی عیلی کاہن کے سامنے رکھ دی۔ بچے کا ہاتھ عیلی کاہن کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس نے کہا "میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔ اب یہ آپ کے پاس رہے گا اور عبادت گاہ کی خدمت کرے گا۔ اس پوٹلی میں اس کے کپڑے ہیں۔ اب جب بھی میں یہاں اپنے بیٹے کو دیکھنے آیا کروں گی تو اپنے ساتھ نئے کپڑے بھی لایا کروں گی۔"

فننہ' حنہ کے غمزدہ چہرے سے متاثر ہوا اور کہا حنہ! تم نے خدا سے بیٹا مانگا تو ناحق یہ وعدہ کرلیا کہ اگر بیٹا پیدا ہوگیا تو تم اسے خدا کی نذر کردوگی۔"

حنہ نے جواب دیا "ہاں میں نے خدا سے یہ وعدہ کیا تھا اور اس وقت خوشی ہو رہی ہے کہ خدا نے مجھے اپنا عہد نبھانے کی توفیق عطا فرمائی۔"

عیلی کاہن نے غم زدہ اور اداس حنہ کو خوش خبری سنائی "بیٹی! میں نے تیرے لیے خدا سے دعا کی تھی کہ خدایا تو نے حنہ کو ایک بیٹا دیا تو اس نے وہ تیری نذر کردیا۔ اب تو حنہ پر اور رحم و کرم فرما۔ مجھے خدا نے خواب میں بتایا کہ وہ اپنی نیک بندی حنہ کو مزید تین بیٹے اور دو بیٹیاں دے گا۔ تو اے بیٹی حنہ! تو پریشان نہ ہو۔"

جب القانہ' حنہ اور فننہ کے ساتھ رامہ واپس جانے لگا تو ان کے بیٹے نے اپنے والدین کے ساتھ جانے کی بالکل ضد نہ کی۔ وہ فننہ کاہن کے ساتھ کھڑے ہوکر ان سب کو واپس جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

عیلی کاہن کے دونوں بیٹوں نے قافیوں کے گھرانے کے اس بیٹے کو اپنے باپ کے ساتھ دیکھا تو انہیں معلوم ہوگیا کہ کاہن کا خاندانی منصب اس بچے کی طرف منتقل ہوجائے گا اور عیلی کاہن کے دونوں بیٹے اپنے اس موروثی حق سے محروم ہوجائیں گے۔ ان دونوں بیٹوں نے باپ سے حضرت شموئیلؑ کے بارے میں پوچھا کہ ان کے مقابلے میں ان کی کیا حیثیت ہے؟"

عیلی کاہن نے جواب دیا "یہ بچہ منت سے پیدا ہوا ہے اور اسے خدا کی نذر کردیا گیا ہے۔ اب خدا خود ہی بتائے گا کہ یہ بچہ بڑا ہوکر کس حیثیت کا مالک ہوگا۔"

حضرت شموئیلؑ نے عبادت گاہ کا معمولی لباس پہنا اور عیلی کاہن کے پاس عبادت گاہ کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ ان کی ماں ہر سال آتی تو ان کے لیے دو سوتی جوڑے لاتی۔

خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حنہ کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں مل گئیں۔

عیلی کاہن نے عبادت گاہ میں حضرت شموئیلؑ کو رہنے کے لیے جو جگہ دی تھی وہاں تابوتِ سکینہ رکھا ہوا تھا۔ یہ دن بھر کی مصروفیت کے بعد رات کو اسی تابوتِ سکینہ کے پاس پڑے رہتے۔

تابوتِ سکینہ دراصل ببول کی لکڑی کا ایک مقدس صندوق تھا جس کے اندر باہر سونا منڈھا ہوا تھا۔ اس کی لمبائی ڈھائی ہاتھ' چوڑائی ڈھائی ہاتھ اور اونچائی ڈیڑھ ہاتھ تھی۔ صندوق کے اوپر ایک زریں

تاج بنا ہوا تھا اور سونے کے دو فرشتے سرپوش پر اس طرح بنائے گئے تھے کہ ان کے منہ آمنے سامنے تھے اور فرشتوں کے پر صندوق کو ڈھانکے ہوئے تھے۔ صندوق کے اندر توریت کا اصل نسخہ' حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے دونوں عصے اور دونوں پیراہن کے ساتھ منّ کا مرتبان محفوظ تھے۔ اس تابوت کے بارے میں مشہور تھا کہ جب کوئی حاجت منداس تابوت کے چاروں طرف پھر کے دعا مانگتا ہے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ اس تابوت کو بنی اسرائیل میدان جنگ میں اپنے ساتھ رکھتے اور اس کی برکت سے فتح حاصل کرتے۔

حضرت شموئیلؑ کو بھی اس تابوت کے تقدس کا ہمیشہ خیال رہتا اور وہ اس کا بے حد احترام کرتے تھے۔

ایک رات حضرت شموئیلؑ اس صندوق کے پاس لیٹے ہوئے تھے اور عبادت گاہ کے طاق میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ اس رات انہیں نیند نہیں آرہی تھی۔ نصف رات گزر چکی تھی کہ کسی نے آواز دی "شموئیل!"

حضرت شموئیلؑ نے ادھر ادھر دیکھا کہ یہ آواز کدھر سے آرہی ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس وقت عبادت گاہ میں عیلی کاہن کے سوا کوئی تھا بھی نہیں۔ حضرت شموئیلؑ نے اٹھتے ہوئے کہا "میں حاضر ہوں۔" اور عیلی کاہن کے پاس پہنچ کر پوچھا "آپ نے مجھے آواز دی تھی؟"

عیلی کاہن نے حضرت شموئیلؑ کو دیکھا اور جواب دیا "نہیں تو' میں نے تو تمہیں آواز نہیں دی۔"

حضرت شموئیلؑ نے حیرت سے کہا "تب پھر مجھے کس نے پکارا تھا۔ اس خانقاہ میں آپ کے سوا کوئی ہے بھی نہیں۔"

کاہن عیلی نے کہا "اچھا اب تم جا کر سو جاؤ۔ تمہیں وہم ہوا ہوگا کہ تمہیں کسی نے آواز دی ہے۔"

حضرت شموئیلؑ نے اپنے بستر پر لیٹنے سے پہلے تابوتِ سکینہ پر نظریں ڈالیں اور اپنے بستر پر دراز ہوگئے۔ نیند کا کہیں پتا نہ تھا۔ کچھ دیر بعد پھر وہی آواز سنائی دی "شموئیل! سنو۔ ادھر میرے پاس آؤ۔"

حضرت شموئیلؑ اٹھ کر عیلی کاہن کے پاس پہنچے اور کہا "مجھے پھر کسی نے آواز دی۔ کوئی مجھ سے مخاطب ہے' کوئی مجھے پکار رہا ہے۔"

عیلی کاہن نے اس بار کچھ زیادہ غور کیا اور آہستہ سے کہا "تم پریشان نہ ہو اور اپنے بستر پر جا کر لیٹ جاؤ۔"

حضرت شموئیلؑ عیلی کاہن کے سامنے کچھ دیر کھڑے سوچتے رہے پھر ادھر ادھر دیکھا کہ عبادت گاہ میں کوئی تیسرا شخص تو موجود نہیں ہے لیکن وہاں تو حضرت شموئیلؑ تھے یا کاہن۔ تیسرا کوئی شخص موجود

نہیں تھا۔

عیلی کاہن کے کہنے پر وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گئے۔ انہیں کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ آواز صندوق کی طرف سے آرہی ہو۔

یہ کچھ دیر اسی صندوق کی طرف دیکھتے رہے کہ تیسری بار آواز آئی "شموئیل! تم میری آواز سن رہے ہو؟ ادھر آؤ۔"

حضرت شموئیلؑ اٹھ کر تیسری بار عیلی کاہن کے پاس پہنچے اور کہا "مجھے تیسری بار کسی نے آواز دی ہے اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں اس کی آواز سن رہا ہوں یا نہیں۔ خدا کے لیے بتایئے کہ یہ کس کی آواز ہے۔"

عیلی کاہن نے حضرت شموئیلؑ کو اپنے پاس بٹھالیا اور کہا "بیٹے شموئیل! میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں کہ یہ کس کی آواز ہے۔ تم اپنے بستر پر جاؤ اور دیکھو کہ چوتھی بار وہ آواز آتی ہے یا نہیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "اگر مجھے کسی نے چوتھی بار بھی پکارا تو میں جواب میں کیا کہوں؟"

عیلی کاہن نے جواب دیا "شموئیلؑ یہ غیب کی آواز ہے جو تجھ سے مخاطب ہے۔ اب اگر چوتھی بار یہ آواز سنائی دے تو جواب میں کہنا' خداوند فرما کیونکہ تیرا بندہ سنتا ہے۔"

حضرت شموئیلؑ تابوتِ سکینہ کے پاس جا کے لیٹ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں پھر آواز سنائی دی "شموئیل! تم میری آواز سن رہے ہو؟"

حضرت شموئیلؑ نے جواب دیا "خداوند فرما کیونکہ تیرا بندہ سنتا ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "اے شموئیل سن! عیلی کے بیٹوں کی بدکاری کی وجہ سے اس کا گھرانا تباہ کردیا جائے گا۔"

عیلی کاہن نے رات کو تو حضرت شموئیلؑ سے کچھ نہیں پوچھا کہ چوتھی بار بھی کسی نے پکارا یا نہیں لیکن صبح عبادت سے فارغ ہونے کے بعد عیلی نے ان سے پوچھا "کیا رات چوتھی بار کسی نے تجھ کو آواز دی تھی؟"

حضرت شموئیلؑ نے جواب دیا "ہاں' وہ آواز چوتھی بار سنائی دی تھی اور میں نے جواب میں وہی الفاظ دہرائے تھے جو آپ نے مجھے سکھائے تھے۔"

عیلی کاہن نے پوچھا "پھر جواب میں اس آواز نے کیا کہا؟"

حضرت شموئیلؑ نے جواب دیا "میں وہ الفاظ دہراتے ہوئے شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔"

عیلی کاہن نے کہا "نہیں بیٹے شموئیل! جو کچھ تجھ سے کہا گیا' وہ مجھ کو بتادے کیونکہ رات تجھ سے خدا مخاطب تھا اور ضرور تیرے جواب میں اس نے اپنا کوئی فیصلہ سنایا ہوگا۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "مجھے بتایا گیا کہ اے شموئیل سن! عیلی کے بیٹوں کی بدکاری کی وجہ سے اس کا گھرانا تباہ کردیا جائے گا۔"

عیلی کاہن نے یہ کلمات نہایت صبر وضبط سے سنے۔ کچھ دیر خاموش رہا اس کے بعد کہا "وہ خداوند ہے۔ جو بھلا جانے سو کرے۔ اس کے فیصلے کون بدل سکتا ہے۔"

یہ بات آہستہ آہستہ مشہور ہونا شروع ہوگئی اور دریا کے اس پار بیر سبع تک مشہور ہوگئی کہ قاضیوں کے گھرانے میں حضرت ہارونؑ کی نسل میں شموئیل نامی جو لڑکا پیدا ہوا تھا' اب وہ بڑا ہو چکا ہے۔ ایک رات خداوند نے اس سے کلام فرمایا اور اسے بتایا کہ عیلی کاہن کا گھرانا اس کے بیٹوں کی بدکاری کی وجہ سے تباہ کردیا جائے گا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کاہن کا منصب بھی حضرت شموئیل کو مل جائے گا اور قاضیوں کے گھرانے میں خدا نے ایک نبی پیدا کردیا ہے۔ ان نبی کے ذریعے خداوند بنی اسرائیل کو ہدایت فرمائے گا اور انہیں عروج بخشے گا۔

اب لوگوں نے حضرت شموئیلؑ سے رجوع کرنا شروع کردیا۔ حضرت شموئیلؑ نے بھی کبھی کبھی اپنے وطن رامہ جانے کی ابتدا کی اور یہاں ایک شاندار عبادت گاہ تیار کروائی۔

یہوداہ کی اولاد پر حملے جاری تھے اور انہیں تھوڑے تھوڑے وقفے سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑرہا تھا۔

کاہن عیلی ان جنگوں میں مرکزی کردار ادا کرتا تھا۔ قوم کے جنگجو اسی کے حکم سے جنگیں لڑتے تھے اور دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے کیونکہ ان میں کوئی بادشاہ نہیں تھا۔

ساحلی شہر غزہ میں جو فلسطی قوم آباد تھی اس نے سیلا پر حملہ کیا تو کاہن عیلی کے حکم پر قوم کے جوان میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ ان جوانوں میں عیلی کاہن کے دونوں بیٹے بھی شریک تھے۔

نوے سالہ عیلی کاہن تابوتِ سکینہ کے پاس بیٹھ کے اپنی فتح کی دعائیں مانگنے لگا۔

میدان کارزار اتنے زور وشور سے گرم ہوا کہ حملہ آور اور مدافعت کرنے والے اپنی اپنی جگہ چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔

اسی عالم میں عیلی کاہن نے حضرت شموئیلؑ نے کہا "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ سیلا کی یہ عبادت گاہ برباد کردی جائے گی' قوم کے بہت سے جوان مارے جائیں گے اس لیے تم اپنے وطن رامہ چلے جاؤ اور وہیں سے اپنی قوم کی رہنمائی کرو۔"

حضرت شموئیلؑ نے عیلی کاہن کے حکم پر عمل کیا اور سیلا سے رامہ چلے گئے۔

غزہ کے فلسطیوں نے مدافعت کرنے والوں کو خوب قتل کیا۔ سیلا کی عبادت گاہ پر ابھی حملہ نہیں ہوا تھا کہ عیلی کاہن کو خبر پہنچائی گئی کہ اس کے دونوں بیٹے میدان جنگ میں کام آگئے۔

یہ ایسی اندوہناک خبر تھی کہ جسے سنتے ہی عیلی کاہن پر دل کا دورہ پڑا وہ ایسا بے ہوش ہوا کہ پھر کبھی ہوش میں نہ آیا۔

دشمن سیلا کی عبادت گاہ میں داخل ہوئے تو یہاں بوڑھے کاہن عیلی کی لاش پڑی دیکھی۔ اس کے جسم پر کسی قسم کا کوئی نشان بھی نہ تھا۔ آخر یہ اندازہ لگایا گیا کہ بوڑھا اپنے بیٹوں کی موت کا غم برداشت نہ کرسکا۔

حضرت شموئیلؑ نے اپنے وطن رامہ پہنچنے کے بعد اپنی قوم کی اصلاح کے لیے کام شروع کردیا۔ رامہ میں انہوں نے ایک عبادت گاہ تیار کرلی تھی۔ اسی میں وہ عبادت کرتے اور اس کے ایک حصے میں انہوں نے اقامت اختیار کرلی تھی۔ یہیں اپنے وطن میں انہوں نے شادی کرلی جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹے کا نام یوایل رکھا اور دوسرے کا ابیاہ۔ ان کا تعلق قافیوں کے خاندان سے تھا اس لیے یہ قبائل میں گھوم پھر کر ان کے فیصلے کرتے رہتے تھے اور چونکہ انہیں اللہ نے نبوت عطا فرمائی تھی اس لیے قوم کی اصلاح کے لیے بھی یہ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔ انہیں بہت دکھ تھا کہ ان کا مقدس تابوت دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا تھا اور قوم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ فلسطیوں سے جنگ کرکے تابوتِ سکینہ واپس لے لیتے۔

بیٹے بڑے ہوئے تو ان کے سپرد خاندانی کام کردیا گیا۔ ان کے دونوں بیٹے دریا کے اس پار بیرسبع بھیج دیئے گئے کہ وہاں قوم کے فیصلے کیا کریں۔

ان کے دونوں بیٹوں نے باپ کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا اور یہ دونوں مقدمات کے فیصلے رشوت لے کر کیا کرتے تھے۔

قوم کو حضرت شموئیلؑ کی نبوت اور دیانت پر تو بھروسا تھا مگر ان کے دونوں بیٹوں سے قوم کو بڑی شکایتیں تھیں۔

تابوتِ سکینہ دشمنوں کے قبضے میں تھا۔ قوم کو اس کی واپسی کی فکر تو تھی مگر ان میں کوئی بادشاہ نہیں تھا جو فوج تیار کرتا اور دشمن پر حملہ کرکے تابوتِ سکینہ اس سے واپس لیتا۔ قوم نے دیکھا کہ حضرت شموئیلؑ کے سر کے بال سفید ہونے لگے ہیں اور ان کی کوششوں سے قوم میں اتنی اصلاح رونما ہوچکی ہے کہ وہ حضرت شموئیلؑ کو شک وشبے سے بالا ہستی سمجھتی ہے۔ ان کی دیانت پر کسی کو شبہ تک نہ تھا۔

ان کے کئی بڑے بڑے سردار تابوتِ سکینہ کے ساتھ دشمن کے قبضے میں چلے گئے تھے اور وہاں ان سے غلامی کروائی جارہی تھی۔ ان کی اولادیں بڑی ہوئیں تو انہوں نے قوم کی سرداری کے فرائض سنبھالے۔ قوم کے دولت مند تاجروں کو بھی بڑا دکھ تھا کہ ان میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو قوم میں عسکری روح پھونک دے۔

یہ دولت مند تاجر اور نوجوان سردار جب مل بیٹھتے تو ان میں قوم کی فلاکت اور ادبار پر باتیں ہوتیں اور یہ سب اس سوال کا جواب تلاش کرتے رہتے کہ ان کی قوم کا دبدبہ کیوں جاتا رہا اور قرب وجوار کی قومیں ان پر کیوں حملے کرتی رہتی ہیں۔

خاصے بحث ومباحثے کے بعد یہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان میں کوئی بادشاہ تو ہے نہیں جو ملکی نظم ونسق سنبھالے اور دشمنوں کے خلاف ایک ایسی طاقت ور فوج تیار کرے جو حملہ آوروں کا مقابلہ کیا کرے۔

یہ بادشاہ کون مقرر کرے اور کسے بادشاہ بنایا جائے' اس پر بھی بحثیں جاری رہیں۔ یہ لوگ بادشاہ کی ضرورت پر تو متفق ہوچکے تھے لیکن کسے بادشاہ بنایا جائے' اس پر اتفاق نہیں ہورہا تھا۔

تاجروں کا خیال تھا کہ ان کے پاس دولت ہے اس لیے بادشاہ کا انتخاب ان میں سے ہونا چاہیے۔ سرداروں کا خیال تھا کہ قبیلوں پر حکومت یہ لوگ صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں اس لیے بادشاہ کا انتخاب ان میں سے ہونا چاہیے۔

تاجر اور سردار آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے اور کوئی کسی فریق کے کسی شخص کو بادشاہ بنانے پر راضی نہیں ہوا۔

مایوسی کے عالم میں ان لوگوں کو حضرت شموئیلؑ یاد آئے۔ قوم کے ان دونوں فریقوں نے آپس میں طے کیا کہ جب ان میں خدا کے بھیجے ہوئے ایک نبی موجود ہیں اور وہ قاضی بھی ہیں تو پھر وہ اپنا فیصلہ ان سے کیوں نہ کروائیں۔

چنانچہ یہ سب حضرت شموئیلؑ کے پاس پہنچے۔ توریت کی زبان میں اس واقعے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اور ایسا ہوا کہ جب شموئیلؑ بوڑھا ہوگیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو مقرر کیا کہ وہ اسرائیل کی عدالت کریں اور اس کے پہلوٹے کا نام یوایل تھا اور دوسرے بیٹے کا نام ابیا۔ یہ دونوں بیرسبع میں قاضی تھے پر اس کے بیٹے اس کی راہ پر نہ چلے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرف داری کرتے تھے۔ تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہوئے اور شموئیل کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ دیکھ تو بوڑھا ہوا اور تیرے بیٹے تیری راہ نہیں چلتے۔ اب کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو ہم پر حکومت کیا کرے جیسا کہ سب قوموں میں ہے۔"

حضرت شموئیلؑ نے ان سے کہا "اے لوگو! تم خدا کی طرف رجوع ہوجاؤ۔ اجنبی دیوی دیوتاؤں کو درمیان سے نکال دو اور صرف خداوند کے لیے اپنے دلوں کو مستعد کرو۔ صرف اسی کی عبادت کرو کیونکہ وہی فلسطیوں کے ہاتھ سے تمہیں رہائی دلوائے گا۔"

قومی نمائندوں نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں اور آپس میں کہنے لگے ”شموئیل تو ہم میں سب سے دیانت دار اور سچے آدمی ہیں۔ ان کی سوجھ بوجھ بھی ہم سب سے اچھی ہے۔ یہ نبی بھی ہیں پھر انہیں آج کیا ہوگیا ہے کہ ہم تو ان سے بادشاہ کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ ہمیں اپنے دیوی دیوتاؤں سے دور رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ سوال کچھ ہے' جواب کچھ مل رہا ہے۔“

ایک سردار نے کہا ”اے شموئیل! اپنی قوم کو ایک بادشاہ دو جو ہمیں متحد کرے اور فوج تیار کرے' دشمنوں سے جنگ کرکے تابوتِ سکینہ واپس لائے۔“

حضرت شموئیلؑ نے ان سب کے سامنے بنی اسرائیل کی تعریف کی اور انہیں بتایا کہ پہلے اللہ ان پر اس لیے مہربان تھا کہ ان میں گمراہی نہیں تھی۔ سب کچھ بیان کرنے کے بعد آپ نے ان سے کہا ”یہ سب شرارت تو تم نے خود کی ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ خداوند کی پیروی سے کنارہ کشی نہ کرو بلکہ دل سے خداوند کی پرستش کرو۔ تم تو باطل چیزوں کی پیروی کرتے ہو جو تمہیں نہ تو فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ رہائی دلوا سکتی ہیں کیونکہ وہ سب باطنی ہیں۔ خداوند نے تم کو پسند کیا' اسی لیے خداوند تم کو ترک نہیں کرے گا۔ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔

”میں تو تمہیں وہی راہ دکھا رہا ہوں جو اچھی اور سیدھی ہے۔ تم خداوند سے ڈرا کرو اور اپنے دل سے اور سچائی سے اسی کی عبادت کرو۔ سوچو تو کہ اس نے تمہارے لیے کیسے بڑے کام کیے ہیں۔ تم اپنے لیے بادشاہ مانگ رہے ہو اور شرارتوں سے باز نہیں آتے۔ اگر تم کو بادشاہ مل بھی جائے اور تم یونہی شرارتیں کرتے رہے تو تم بھی برباد ہو جاؤ گے اور تمہارے ساتھ تمہارا بادشاہ بھی۔“

ان لوگوں نے کہا ”آپ جو کچھ فرما رہے ہیں' ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔ اس وقت تو ہم لوگ آپ کے پاس ایک بادشاہ کے لیے آئے ہیں۔“

حضرت شموئیلؑ اپنی قوم کو' مطالبے پر مصر دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ ان کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہو رہی تھی۔ انہوں نے فرمایا ”تمہیں کچھ پتا بھی ہے کہ بادشاہ کیا ہوتا ہے؟“

ان لوگوں نے کہا ”ہمیں معلوم ہے کہ بادشاہ کیا ہوتا ہے۔ بادشاہ قوم کو متحد رکھتا ہے' بادشاہ کی ایک فوج ہوتی ہے اور یہ فوج بادشاہ کے حکم پر دشمن کا مقابلہ کرتی ہے اور دشمن پر حملہ آور ہوتی ہے۔ بادشاہ کا دوسری قوموں پر رعب غالب رہتا ہے۔ ہمیں بادشاہ کی ضرورت ہے۔ آپ ہم پر ایک بادشاہ مقرر فرما دیں۔“

آپ نے فرمایا ”دیکھو' اگر تم پر کسی کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو وہ تم سب کو اپنا خادم اور غلام بنا لے گا۔ جو بادشاہ تم پر سلطنت کرے گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو لے کر اپنی رتھوں اور اپنے رسالے میں نوکر رکھ لے گا۔ ان سے ہل جتوائے گا اور فصل کٹوائے گا۔ تم سب اس کے غلام بن جاؤ

گے اور تم ایک دن بادشاہ کی ان برائیوں کے سبب فریاد کرو گے پر اس دن خداوند تم کو جواب نہ دے گا۔“

آپ کی ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ سب یہی اصرار کرتے رہے کہ انہیں اپنے لیے ایک بادشاہ چاہیے۔ کہنے لگے ”اے شموئیل! ہم نے آپ کی ساری باتیں سن لیں مگر ہم کیا کریں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ بادشاہ کیا ہوتا ہے اور اس کے کیا نقصانات ہیں اور کیا فائدے تو ہم ان دونوں سے واقف ہیں۔ آپ کے سمجھانے اور منع کرنے سے ہم چپ چاپ واپس نہیں چلے جائیں گے۔ ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہم میں سے ہو۔“

آپ نے ان سب کو پہلی بار غور سے دیکھا۔ انہیں اندازہ ہوگیا کہ یہ لوگ اپنے مطالبے سے باز نہیں آئیں گے۔ ان کے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں میں صرف مقامی لوگ ہی نہیں تھے۔ ان میں دوسرے شہروں کے لوگ بھی شامل تھے کیونکہ حضرت شموئیلؑ اکثر و بیشتر دور دور جایا کرتے تھے اور ان کے مسائل اور مقدمات نمٹایا کرتے تھے۔ آپ نے ان سب سے کہا ”مجھے تم لوگ کچھ سوچنے کا موقع دو۔ میں تمہارا یہ معاملہ اللہ کے سامنے رکھ دوں گا پھر وہ جو مناسب سمجھے گا' مجھے بتا دے گا۔ میں اس پر عمل کروں گا۔ تم میں جو مقامی ہیں وہ اپنے گھروں کو چلے جائیں اور جو دوسرے شہروں سے آئے ہیں وہ اپنے شہروں کو واپس جائیں۔“

ان سب نے جاتے جاتے کہا ”آپ ذرا جلدی فرمایئے گا۔ ہم جو مقامی لوگ ہیں وہ تو اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے مگر جن کا تعلق دوسرے شہروں سے ہے' وہ یہیں رکے رہیں گے اور آپ کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔“

یہ سب چلے گئے۔ حضرت شموئیل ”عبادت گاہ میں گئے اور نہایت خشوع و خضوع سے اللہ سے درخواست کی کہ انہیں مطلع فرمایا جائے کہ وہ اپنی قوم کے لیے بادشاہ کا انتخاب کریں یا نہ کریں۔

آخر انہیں اللہ کی طرف سے اجازت مل گئی کہ وہ اپنی قوم کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر سکتے ہیں۔

آپ نے پوچھا ”خدایا! جب تو نے اتنا کرم کیا ہے اور مجھے بادشاہ مقرر کرنے کی اجازت دے دی ہے کہ میں بادشاہ مقرر کر دوں تو یہ بھی بتا دے کہ میں کسے بادشاہ مقرر کروں؟“

انہیں بتایا گیا ”اے شموئیل! ہم جسے تمہاری قوم کا بادشاہ مقرر کرنا چاہتے ہیں' اسے عنقریب تمہارے پاس بھیج دیں گے۔“

حضرت شموئیلؑ نے کہا ”خدایا۔ بادشاہ کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے جو میری قوم کے لیے قابلِ قبول ہو اور اس پر کوئی کسی قسم کا اعتراض نہ کرے۔“

انہیں جواب دیا گیا ”یہ بنی اسرائیلی وہ لوگ ہیں جو پہلے تو ایک چیز ہنسی خوشی قبول کر لیں گے مگر کچھ

دنوں بعد اس پر اعتراض کرنے لگیں گے۔ اس وقت تم کیا کروگے؟"

قرآن پاک کی سورہ بقرہ میں اس واقعے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر (شموئیل) سے کہا کہ آپ ہمارے لیے بادشاہ مقرر کردیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے 'ہم راہ خدا میں کیوں نہیں لڑیں گے۔ جب کہ ہم وطن اور بال بچوں سے دور کردیئے گئے ہیں لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔"

حضرت شموئیلؑ کو یقین تھا کہ جب اللہ نے ان کو اجازت دے دی ہے کہ بنی اسرائیل میں بادشاہ مقرر کیا جائے تو خدا ان کو یہ بھی بتائے گا کہ کس کو بادشاہ بنایا جائے۔

حضرت شموئیلؑ کو خدا کی طرف سے حکم دیا گیا کہ وہ اپنے کام کو جاری رکھیں اور جس طرح وہ سفر کرتے رہے ہیں اسی طرح وہ سفر کریں۔ دورانِ سفر میں ہی ان کے پاس وہ شخص بھیج دیا جائے گا جس کی قسمت میں بنی اسرائیل کی بادشاہی لکھ دی گئی ہے۔

اس حکم کے بعد آپ ایک دوسرے شہر روانہ ہوگئے۔

○☆○

حضرت یعقوبؑ کے بیٹے بن یامین کی نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ بہت زیادہ دولت مند اور قابلِ ذکر نہیں تھے۔ بن یامین حضرت یوسفؑ کے چھوٹے بھائی تھے۔

یہوداہ اور لادی کی نسل سے تعلق رکھنے والے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ ان میں بڑے بڑے تاجر بھی تھے اور نامی گرامی قبائلی سردار بھی۔ بادشاہت' یہوداہ کے خاندان میں گویا خدا نے مقرر کردی تھی اس لیے لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت شموئیلؑ نے اگر کسی کو بادشاہ مقرر کیا تو اس کا تعلق یا تو یہوداہ کے خاندان سے ہوگا یا لادی کے خاندان سے۔

بن یامین کا قبیلہ قریب ہی آباد تھا۔ ان کا ایک سردار قیس بہت بہادر مشہور تھا۔ اس کے پاس مویشیوں کا ریوڑ تھا جو نوکر چاکر چراتے رہتے تھے۔ شام کو ان کی گنتی کی گئی تو معلوم ہوا کہ چند گدھے کم ہیں۔

قیس نے نوکروں سے پوچھا "یہ گدھے کم کیوں ہیں؟"

نوکروں نے بتایا "وہ کہیں اِدھر اُدھر چرتے ہوئے نکل گئے ہوں گے۔"

قیس نے اپنے جوان بیٹے ساؤل کو حکم دیا "اپنے ان نوکروں کو ساتھ لو اور اپنے گمشدہ گدھوں کو ڈھونڈو کہ وہ کہاں چلے گئے۔" انہی ساؤل کا ذکر قرآن مجید میں طالوت کے نام سے ہوا ہے۔

ساؤل نے اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لیا اور نوکروں کے ساتھ گدھوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

وہ تین دن اور تین راتیں مشعلیں لیے گدھے ڈھونڈتے رہے مگر وہ نہیں ملے۔ چوتھی صبح پھر ان کی تلاش شروع ہوگئی۔ وہ اس کوہستانی علاقے میں اپنے گدھے تلاش کرتے رہے۔ اونچے نیچے پیچیدہ راستوں میں ان کے گدھے ایسے گم ہوئے تھے کہ ملنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ انہیں شبہ بھی تھا کہ ان کے گدھے کسی کے قبضے میں تو نہیں چلے گئے۔

اسی بھاگ دوڑ میں وہ اپنا راستہ بھی بھول گئے۔ یہ کئی قصبے اور کئی شہر پیچھے چھوڑ آئے تھے مگر اب گدھے تو دور کنار انہیں واپسی کا راستہ بھی یاد نہ رہا تھا۔ یہ لوگ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور ساؤل نے نوکر سے کہا "گدھے تو ملے نہیں اور ہمیں واپسی کا راستہ بھی یاد نہیں رہا۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ اب والد گدھوں کے بجائے ہماری فکر کریں گے اس لیے اب گدھوں کی تلاش کا سلسلہ بند۔ واپسی کا راستہ تلاش کیا جائے۔"

ایک نوکر نے کہا "جناب! یہاں ایک غیب داں رہتا ہے۔ کیوں نہ اس غیب داں کو تلاش کریں اور اس سے اپنا کھویا ہوا راستہ دریافت کریں۔"

یہ جس دور کے واقعات ہیں اس دور میں بنی اسرائیل اپنے نبی کو غیب بین یا غیب داں کہتے تھے۔

ساؤل نے پوچھا "کیا یہاں کوئی غیب داں ہوگا جو ہماری رہنمائی کرے؟"

نوکر نے جواب دیا "یہاں قاضیوں کے خاندان میں شموئیل نامی ایک نامی گرامی غیب داں موجود ہے۔"

ساؤل نے اپنے توشے کا جائزہ لیا اور کہا "روٹیاں تو ہم لوگ کھا گئے۔ اب اگر ہم غیب داں کے پاس جائیں تو اپنے ساتھ نذرانے میں کیا لے جائیں کیونکہ دستور یہی ہے کہ جب غیب داں سے ملو تو اسے نذرانہ بھی پیش کرو۔"

کچھ دیر نذرانے پر غور ہوتا رہا اور یہ طے پایا کہ ان کے پاس جو تھوڑی سی چاندی موجود ہے اسی کو پیش کردیا جائے۔

یہ لوگ ایک پہاڑی قصبے کی طرف چل پڑے۔ یہاں انہیں اوپر کی طرف جاتی ہوئی چند لڑکیاں ملیں۔ یہ لڑکیاں اپنے برتنوں میں پانی بھر کے لے جا رہی تھیں۔

ساؤل نے ایک لڑکی سے پوچھا "اس بستی کا کیا نام ہے؟"

لڑکیوں نے اس قدر قد آور خوبصورت نوجوان کو دیکھا۔ ایسا قد آور اور خوبصورت جوان ان کی بستی تو کیا ان کے بہت سے قبیلوں میں بھی موجود نہ ہوگا۔ ساؤل نے ان حیرت زدہ لڑکیوں سے دوبارہ

پوچھا "اس قصبے کا کیا نام ہے؟"

ایک لڑکی نے جواب دیا "صوف۔"

ساؤل نے لڑکی سے پوچھا "یہاں کوئی غیب داں بھی رہتا ہے؟"

لڑکی نے تفصیلی جواب دیا "یہاں کوئی غیب داں رہتا تو نہیں مگر آج ہی یہاں آیا ہے۔ وہ سامنے دیکھو، جو آبادی نظر آ رہی ہے، تم وہاں چلے جاؤ۔ وہاں ایک اونچا مقام ہے۔ شہر کے لوگ اس غیب داں کے ساتھ اونچی جگہ پر جائیں گے اور غیب ہیں کی سرپرستی میں قربانی ہوگی۔ قربانی کے بعد سب کھانا کھانے بیٹھ جائیں گے لیکن یہ طے ہے کہ جب تک یہ غیب داں وہاں نہیں پہنچے گا، کوئی کھانا نہیں کھائے گا۔ تم ان کے کھانا کھانے سے پہلے پہنچ جاؤ تو غیب داں سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور بات بھی!"

ساؤل نے شہر کا رخ کیا۔ یہ لوگ اس وقت آبادی میں داخل ہو گئے جب انہیں سامنے سے کوئی شخص آتا دکھائی دیا۔ یہی حضرت شموئیلؑ تھے اور یہ قربانی کی جگہ کی طرف جا رہے تھے۔

ساؤل نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ کیا آپ ہی وہ غیب داں ہیں جن کو میں تلاش کر رہا ہوں؟ اگر آپ وہ نہیں ہیں تو مجھے بتائیں کہ غیب داں کا گھر کہاں ہے؟"

حضرت شموئیلؑ نے ساؤل کو غور سے دیکھا اور کہا "میں ہی غیب داں ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تو مجھے کیوں تلاش کر رہا ہے۔"

ساؤل نے ان کی خدمت میں پاؤ مثقال چاندی پیش کی اور کہا "یہ آپ کے لیے نذرانہ ہے۔ اگر آپ غیب داں ہیں تو آپ کو یقیناً معلوم ہوگا کہ میں آپ کو کیوں تلاش کر رہا ہوں؟"

حضرت شموئیلؑ نے جواب دیا "میرے آگے آگے چل۔ وہ سامنے جو اونچا مقام نظر آ رہا ہے وہاں قربانی اور کھانے کا انتظام کیا گیا ہے اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو خود یہاں نہیں آیا بلکہ خداوند نے تجھے یہاں بھیجا ہے۔"

ساؤل نے کہا "یہاں تو یہوداہ کے بڑے بڑے لوگ رہتے ہیں اور وہی یہ قربانی پیش کر رہے ہیں۔ مجھے آپ یہیں سے فارغ کر دیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "نوجوان! تیرا تعلق بن یامین کی نسل سے ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تو تین دن سے اپنے کھوئے ہوئے گدھوں کی تلاش میں نکلا ہوا ہے اور اب تجھے اپنے گھر کا راستہ بھی یاد نہیں رہا۔ اب تو ہمارے ساتھ کھانا بھی کھائے گا اور میں بنی اسرائیل کو بتاؤں گا کہ تجھے خداوند نے یہاں کیوں بھیجا ہے۔ یہیں تجھے تیرے کھوئے گدھے بھی ملیں گے اور وہ مقام بھی جس کا خداوند نے فیصلہ کیا ہے۔"

ساؤل اور ان کے ساتھیوں کو حضرت شموئیلؑ کی باتوں سے پریشانی سے زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔

صوف کے لوگوں نے حضرت شموئیلؑ کے ساتھ کچھ لوگوں کو اوپر آتے دیکھا۔ ان کے ساتھ ساؤل سب کی توجہ کا مرکز بن گئے کیونکہ ان کا حسن، مردانہ وجاہت اور ان کا غیر معمولی قد ہر کسی کی توجہ اپنی طرف کیے ہوئے تھا۔ صوف کا سب سے زیادہ قد آور شخص بھی ساؤل کے کاندھے تک پہنچتا تھا۔

اونچے مقام پر حضرت شموئیلؑ نے ساؤل کو نمایاں جگہ دی اور کہا "اے نوجوان! میں تجھے رخصت کروں گا۔ جو کچھ تیرے دل میں ہے، تجھے وہ سب بتا دوں گا۔ یہ سمجھ لے کہ بنی اسرائیلیوں میں جو کچھ بھی مرغوبِ خاطر ہے، تیرے لیے ہے، تیرے باپ کے لیے اور تیرے باپ کے سارے گھرانے کے لیے ہے۔"

ساؤل نے انکسار سے کہا "آپ تو غیب داں ہیں اور آپ جانتے ہوں گے کہ میں بن یامینی بنی اسرائیل کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی ہوں۔ میرا اپنا گھرانا بن یامینی گھرانوں میں سب سے چھوٹا گھرانا مشہور ہے۔ اس کے باوجود آپ مجھے جو عزت بخش رہے ہیں اور جو کچھ فرما رہے ہیں وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے اور اسی طرح یہاں جو لوگ موجود ہیں، ان کی سمجھ میں بھی آپ کی یہ باتیں نہیں آئیں گی۔"

اس وقت مہمان خانے میں تیس آدمی موجود تھے۔ ان تیس آدمیوں کے سامنے ساؤل کو صدر کی جگہ دی گئی تھی۔

باورچی نے ایک ران مسالوں سے لسی ہوئی ساؤل کے سامنے لا کر رکھ دی۔

حضرت شموئیلؑ نے کہا "اسے کھا لے کیونکہ یہ تیرے لیے رکھی گئی ہے اور یہ جو تیس مہمان تیرے سامنے موجود ہیں، یہ اس بات کے گواہ ہیں کہ تجھے تیرا مقام دیا گیا۔ تجھے ان سب سے اچھی جگہ پر بٹھایا گیا۔ گویا یہ سب تیرے درباری ہیں۔"

ساؤل نے حضرت شموئیلؑ کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر یہ لوگ یہاں سے نیچے شہر میں گئے اور جس گھر میں حضرت شموئیلؑ ٹھہرے ہوئے تھے اس کی چھت پر ساؤل کو لے جا کر بٹھایا اور دیر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ ساؤل کے نوکر چاکر اپنے آقا زادے کی شاندار پذیرائی پر حیران تھے اور اب انہیں ساؤل اس شہر کے حاکم لگ رہے تھے۔

صبح کچھ دن چڑھے تک کوئی خاص بات دیکھنے میں نہیں آئی سوائے اس کے کہ حضرت شموئیلؑ ساؤل کو پھر چھت پر لے گئے اور دونوں میں کچھ باتیں ہوتی رہیں پھر حضرت شموئیلؑ کی آواز سنائی دی "اٹھ میں تجھے رخصت کروں گا۔"

حضرت شموئیلؑ نے شہر کے آخری سرے کے آثار پر پہنچنے کے بعد ساؤل سے کہا "اپنے نوکر سے

کہ وہ آگے چلے جائیں۔ تم یہیں رک جاؤ تاکہ میں تمہیں خدا کی بات سناؤں۔"

ساؤل کے نوکر آگے چلے گئے۔ اب حضرت شموئیلؑ نے تیل کی کپی سے ساؤل کے سر پر تیل انڈیلا' اسے چوما اور کہا "خداوند نے تجھے مسح کیا' تو اس کی طرف سے پیشوا ہوا۔ اب تو جا۔ آگے تجھے ضلفخ نامی آبادی ملے گی۔ یہاں سے بن یامینوں کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اور وہاں بن یامین اور یوسف کی ماں راحیل کی قبر ہے۔ اس قبر کے پاس تجھے دو افراد ملیں گے۔ وہ تجھ کو دیکھتے ہی کہیں گے' اے ساؤل! تم جن گدھوں کی تلاش میں نکلے تھے' وہ تو تمہارے باپ کو مل گئے اور وہ گدھوں کی طرف سے بے فکر ہو گیا مگر اب تمہارے باپ کو تمہاری فکر ہے۔ تمہارا باپ کہتا پھر رہا ہے کہ میں اپنے بیٹے کے لیے کیا کروں؟

تو اور آگے بڑھے گا تو بلوط کے درخت کے پاس تجھے تین اشخاص ملیں گے جو بیت ایل کے خدا کے پاس جا رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک کے پاس بکری کے تین بچے' دوسرے کے پاس روٹی کے تین ٹکڑے اور تیسرے کے پاس شراب کا ایک مشکیزہ ہو گا۔ تینوں تجھ کو سلام کریں گے اور روٹی کے دو ٹکڑے تجھے دیں گے۔ یہاں سے تو خدا کے پہاڑ کو پہنچے گا۔ یہاں فلسطیوں کی ایک چوکی ہے۔ تو شہر میں داخل ہو گا تو نبیوں کی ایک جماعت اونچے مقام سے اترتی دکھائی دے گی۔ ان کے آگے ستار' دف' بانسری اور بربط ہوں گے اور وہ سب نبوت کر رہے ہوں گے۔ وہیں تجھ پر خداوند کی روح زور سے نازل ہو گی اور تو ان کے ساتھ نبوت کرنے لگے گا اور خود محسوس کر لے گا کہ تو بدل گیا ہے اور تو کوئی اور ہی آدمی بن گیا ہے۔ تجھے معلوم ہو گا کہ تو نبی بن چکا ہے اور خدا تیرے ساتھ ہے۔"

ساؤل جہاں جہاں گئے' ان کے ساتھ وہی سب کچھ پیش آتا رہا جس کی تفصیل حضرت شموئیلؑ بتا چکے تھے۔

ادھر حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہوداہ اور لادی کی نسلوں کو ساؤل کی بادشاہت پر اعتراض ہوا کیونکہ یہوداہ کی نسل میں نبوت اور لادی کی نسل میں سرداری چلی آ رہی تھی۔ یہ دونوں نسلیں بہت خوش حال بھی تھیں جب کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے بن یامین کی نسل مذکورہ دونوں نسلوں کے مقابلے میں غریب اور کمتر تھی۔ ساؤل نے خود بھی تمیں بنی اسرائیلیوں کے سامنے اقرار کیا تھا کہ وہ بن یامین کی نسل میں بھی سب سے زیادہ غریب اور کمتر ہیں چنانچہ یہوداہ اور لادی کی نسلوں کو ساؤل کی بادشاہی پر اعتراض ہوا۔ وہ کہنے لگے "کیا ہم میں بادشاہ بننے کے لیے کوئی لائق شخص نہیں تھا۔ ہم شرف و عزت میں بن یامینوں کے مقابلے میں زیادہ عزت دار لوگ ہیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "خداوند نسب ناموں کی بڑائی اور مال و دولت کی فراوانی کو دیکھ کر حکومت نہیں دیتا۔ وہ انسانوں میں علم و حکمت' تدبر اور جسمانی طاقت اور شجاعت دیکھ کر اسے قوموں کی گلہ بانی

کا کام دے دیتا ہے۔ ساؤل میں یہ خصوصیات موجود ہیں اس لیے اس کو تمہارا بادشاہ بنایا گیا ہے۔ تم سب اس کی اطاعت کرو گے' اس کی رعایا بنو گے تو وہ تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچائے گا۔"

اعتراض کرنے والوں نے کہا "چلئے جناب! ہم آپ کی بات مانے لیتے ہیں مگر اب خداوند کی طرف سے کوئی ایسی نشانی ظاہر ہونی چاہیے جس سے ہمیں یقین ہو جائے کہ ساؤل کو بادشاہت منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔"

حضرت شموئیلؑ اپنی قوم سے عاجز تھے کہ یہ وقتی طور پر ان کی بات مان بھی لیتی تھی اور پھر اس سے منحرف بھی ہو جاتی تھی۔ انہوں نے اس مشکل صورت حال کے پیش نظر اللہ سے رجوع کیا اور کہا "اے اللہ! میں اپنی قوم کو ساؤل کی بادشاہت پر کس طرح راضی کروں۔ اب میری قوم مجھ سے وہ نشانی چاہتی ہے جسے دیکھ کر انہیں یقین آ جائے کہ ساؤل کی بادشاہت منجانب اللہ ہے۔"

حضرت شموئیلؑ کو بتایا گیا "اپنی قوم کو بتا دے کہ جو تابوتِ سکینہ اشدودی اور فلسطی تم سے چھین لے گئے تھے' اب وہ ساؤل کی بادشاہت کی برکت سے تمہیں واپس مل جائے گا اور تابوتِ سکینہ کو اللہ کے فرشتے تمہیں واپس پہنچا دیں گے۔"

حضرت شموئیلؑ نے اپنی قوم سے کہا "تم لوگ کچھ انتظار کر لو۔ اللہ فرشتوں کے ذریعے ساؤل کی بادشاہت کی برکت سے تابوتِ سکینہ تمہیں واپس دلوا دے گا۔"

قوم مان گئی اور تابوتِ سکینہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ مشہور شہر رملہ کے قریب بیت وجون نامی فلسطیوں کی مشہور آبادی تھی۔ یہاں وجون نامی دیوتا کا مندر تھا۔ یہ دیوتا چہرے اور جسم کے اعتبار سے انسان تھا مگر اس کا نچلا حصہ مچھلی کا تھا۔ تابوتِ سکینہ اسی مندر میں لا کے رکھ دیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے تابوتِ سکینہ کی بے حرمتی کی غرض سے اس کو یہاں رکھ چھوڑا تھا۔

کچھ ہی عرصے بعد انہوں نے دیکھا کہ رات کو جب وہ عبادت کر کے گھر واپس چلے جاتے اور صبح مندر میں عبادت کے لیے آتے تو وجون بت کو اوندھا گرا ہوا پاتے۔ انہیں بڑی حیرت ہوتی کہ یہ بت کون اوندھے منہ گرا کے چلا جاتا ہے۔

اس کی نگرانی بھی ہوئی۔ رات رات بھر پہرے داری بھی کی گئی مگر یہ راز نہ کھل سکا کہ وجون بت کو اوندھے منہ کون گرا جاتا ہے پھر یہ دیکھنے میں آیا کہ بیتِ وجون کی کسی نے ناک کاٹ دی ہے۔ بت وجون کے لوگ تابوتِ سکینہ کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے لائے تھے مگر خواری لگ رہی تھی وجون بت کی۔

ابھی ان کو اس مصیبت سے نجات ملی نہیں تھی کہ ان کے کھیتوں میں چوہوں کی بہتات ہو گئی۔ ان چوہوں نے ان کی فصلیں برباد کر ڈالیں اور پھر یہ چوہے ان کے گھروں میں داخل ہو گئے۔

بستی کے لوگ وجون بت کو تو بھول گئے اور چوہوں کو مارنے میں مشغول ہو گئے لیکن چوہے کسی طرح کم نہ ہوئے بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ جتنے چوہے مارتے تھے اس سے کئی گناہ زیادہ کہیں سے آجاتے تھے۔ بیتِ وجون میں انسانوں کا رہنا محال ہو گیا۔

گلی، کوچے، بازار اور کھیت مرے ہوئے چوہوں سے اٹے پڑے تھے۔ ان کے سڑنے کی وجہ سے ہر طرف عفونت پھیل گئی اور پھر ان میں گلٹیوں کی بیماری پھیل گئی۔ ان کی جانگھوں اور بغلوں میں گلٹیاں نمودار ہوتیں، تیز بخار چڑھتا اور موت واقع ہو جاتی۔ یہ طاعون کی وبا تھی جو بیتِ وجون میں پھوٹ پڑی تھی۔

اب پورے پورے گھر اور خاندان صاف ہو چکے تھے۔ ہر طرف موت کی حکمرانی تھی۔ چوہوں کے ساتھ ہی ہر طرف انسان کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

زندوں نے بستی چھوڑ دی اور وجون بت کے پجاریوں نے دوسرے شہروں میں پناہ لی اور اپنی اس بربادی اور تباہی کا سبب جاننے میں کوشاں ہو گئے۔

جو بستیاں بیتِ وجون کی بربادی کا ذکر سنتیں، وہ بیتِ وجون سے آئے ہوئے لوگوں سے دور بھاگتیں۔

پجاریوں نے یہاں یہ مشہور کر دیا کہ بیتِ وجون پر تباہی تابوتِ سکینہ کی وجہ سے آئی ہے۔ پہلے تو تابوتِ سکینہ کو بیتِ وجون کے لیے منحوس قرار دیا گیا اور یہ طے پایا کہ اگر بیتِ وجون کو مکمل تباہی سے بچانا ہے تو تابوتِ سکینہ کو وہاں سے ہٹا دیا جائے۔

چنانچہ تابوتِ سکینہ کو بیتِ وجون سے ہٹا کے جات نامی قصبے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ گنجلک آبادی کا شہر تھا اور اس کے مضافات میں کھیتیاں لہلہا رہی تھیں۔ ہر طرف فارغ البالی اور خوش حالی تھی۔

جات کے شہریوں کو معلوم تھا کہ جب تک تابوتِ سکینہ بیتِ وجون میں رہا، وہاں تباہی و بربادی پھیلی رہی اور آبادی پر موت مسلط ہو گئی۔ اب تابوتِ سکینہ کو ان کے شہر جات میں منتقل کر دیا گیا ہے تو کہیں بیتِ وجون کی تباہ کاریاں جات پر نازل نہ ہو جائیں۔ اس تابوت کو جات میں ایسی جگہ رکھ دیا گیا جہاں لوگوں کی آمدورفت بہت زیادہ رہتی تھی اور وہاں سے جو بھی گزرتا، وہ اس پر تھوکتا اور اس کی بے حرمتی کرتا۔

جات کے سمجھدار لوگوں نے اپنے ہم وطنوں کو سمجھایا کہ وہ تابوتِ سکینہ کی بے حرمتی نہ کریں کیونکہ بیتِ وجون والوں نے اس کی بے حرمتی کی تھی تو انہیں اس کی یہ سزا دی گئی کہ پورا علاقہ طاعون کی وبا میں مبتلا ہو گیا۔

جن یہودیوں کو تابوتِ سکینہ کی حرمت سے انکار تھا، وہ اس تابوت کو منحوس کہہ رہے تھے۔ جب

انہیں چند سمجھدار لوگوں نے تابوت سکینہ کی بے حرمتی سے روکا تو بے حرمتی کرنے والوں نے کہا "اس تابوت سے ہمیں ہمیشہ نقصانات اٹھانا پڑے ہیں کیونکہ یہوداہ اور لادی کی نسل کے لوگ میدانِ جنگ میں اسی تابوت کی برکت سے فتح حاصل کرتے رہے ہیں اور اسی تابوت کی برکتوں کی مدد سے ہمارے دشمنوں کی مرادیں پوری ہوتی رہی ہیں۔ اب یہ ہمارے پاس ہے اور ہمارے دشمن اس کی برکتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔"

جو سمجھدار لوگ انہیں سمجھا رہے تھے، انہوں نے کہا "اگر یہ تابوت مقدس ہے تو تم لوگوں کی بے حرمتی سے اس کا عذاب تم پر نازل ہو گا اور اگر یہ مقدس نہیں ہے اور بیتِ وجون والوں کے عقیدے کے مطابق یہ منحوس ہے تو اس کی نحوست سے تمہیں نقصان پہنچے گا۔"

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ کچھ لوگ بھاگتے ہوئے آئے اور انہوں نے بتایا "ہمارے شہر میں چوہوں نے یلغار کر دی ہے اور وہ پتا نہیں کہاں سے آرہے ہیں۔"

ہر طرف ایک بھگدڑ مچ گئی اور ہر کوئی ان چوہوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا۔ کھیتوں سے بھی لوگ شہر میں آئے اور انہوں نے بتایا "چوہوں نے فصلیں تباہ کر دی ہیں اور وہاں وہ اتنی افراط سے ہیں جیسے وہ زمین سے ابل رہے ہوں۔"

یہاں بھی جگہ جگہ مرے ہوئے چوہے اور مردہ انسان پڑے ہوئے نظر آئے اور چند دنوں میں یہ آباد شہر شہرِ خموشاں نظر آنے لگا۔ یہاں کے لوگوں نے بھی شہر چھوڑ کر اپنی جانیں بچائیں اور یہ فیصلہ کیا کہ تابوتِ سکینہ کو جات سے نکال کر عقرون نامی قصبے میں منتقل کر دیا جائے۔

عقرون میں تابوتِ سکینہ سے متعلق خبریں پہنچ چکی تھیں۔ وہ اپنے پجاریوں اور نجومیوں کے فیصلے کی مخالفت تو نہیں کر سکتے تھے اس لیے اپنے شہر میں تابوتِ سکینہ کے وجود کو گوارا کر لیا۔

چند دن تو سکون رہا مگر پھر یہاں بھی چوہے نمودار ہونے شروع ہوئے۔ یہاں بھی فصلوں کو چوہوں نے برباد کر دیا۔ گھروں میں چوہے حکومت کرنے لگے۔ تیماردار بھی مرنے والوں کے ساتھ دم توڑنے لگے۔

عقرون کے لوگوں نے پجاریوں، کاہنوں اور نجومیوں کو اکٹھا کیا اور ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس بربادی سے بچنے کے لیے کوئی حل نکالیں۔

کئی دن تک اس مسئلے پر گفتگو ہوتی رہی اور لوگ مرتے رہے۔

آخر کاہنوں، نجومیوں اور پجاریوں نے صلاح مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ سونے کے سات چوہے تیار کیے جائیں اور سات سونے کی گلٹیاں بھی تیار کرائی جائیں اور انہیں تابوتِ سکینہ پر رکھ کر ایک ایسی گاڑی میں رکھوا دیا جائے جس میں دو بیل جتے ہوئے ہوں۔ بیلوں کو چابک مار کر اس سڑک پر

چھوڑ دیا جائے جو تابوتِ سکینہ کے ماننے والوں کی بستیوں کی طرف جا رہی ہو۔

کاریگر سونے کے چوہے اور گلٹیاں تیار کرنے لگے اور جب یہ تیار ہو گئے تو انہیں بیل گاڑی میں تابوت کے ساتھ رکھوا دیا گیا۔

یہاں دجون مندر کے بڑے کاہن نے یہ حکم دیا کہ گاڑی میں بیلوں کی جگہ دو گائیں جوتی جائیں۔ ایسی دو گائیں جو دودھ دے رہی ہوں۔

دو کاہنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ گاڑی کے پیچھے پیچھے چلتے رہیں اور یہ دیکھیں کہ گائیں اس گاڑی کو کہاں لے جاتی ہیں۔ گاڑی بھاگتی رہی اور اس کے پیچھے دونوں کاہن چلتے رہے۔ گاڑی پر کوئی گاڑی بان موجود نہیں تھا۔ قرآن کے مطابق اس گاڑی کو فرشتے فلسطیوں کی بستی سے یہوداہ اور لادی کی بستیوں کی طرف لے جا رہے تھے جہاں حضرت شموئیلؑ کی پیش گوئی سچ ثابت کرنا تھی اور ساؤل کی حکومت کو منجانب اللہ قرار دینا تھا۔

یہ گاڑی فلسطیوں کے علاقے سے نکل کر بیتِ شمس میں داخل ہو گئی۔ یہ یہودیوں کا علاقہ تھا اور یہودیوں کی یہ پہلی بستی تھی۔ اس وقت گیہوں کی فصل کٹ رہی تھی۔ قریب ہی جس کھیت میں یہ گاڑی جا کر کھڑی ہو گئی تھی، یہ حضرت یوشعؑ کا کھیت تھا۔ اس وقت کھیت کے اس حصے میں فصل کاٹی جا چکی تھی۔

آگے جو لوگ فصل کاٹ رہے تھے، انہوں نے گاڑی کی آواز سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو گاڑی پر ان کو تابوتِ سکینہ رکھا دکھائی دیا۔ یہ تقریباً سات ماہ بعد انہیں اچانک جو نظر آیا تو خوشی سے ان پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ بھاگے بھاگے بیتِ یعریم نامی بستی میں پہنچے اور انہیں بتایا کہ تابوتِ سکینہ کو فرشتوں نے یہاں تک پہنچا دیا۔

بیتِ یعریم کے ٹیلے پر ساؤل کا بیٹا اینداب رہتا تھا۔ اس کو تابوتِ سکینہ کے آنے کی خبر کر دی گئی۔

اس دوران میں بنی اسرائیلی تابوت کو لے کر ٹیلے پر اینداب کے گھر پہنچ چکے تھے۔ ساؤل کو خداوند کی طرف سے حضرت شموئیلؑ کے مسح کے بعد بادشاہت مل چکی تھی۔ تابوتِ سکینہ کی سات ماہ بعد خود بخود واپسی کی بادشاہت من جانب اللہ ہونے کی بین دلیل تھی۔

اب بنی اسرائیل نے ساؤل کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

ساؤل کو قرآن پاک نے طالوت کا نام دیا۔ حضرت طالوتؑ کی بادشاہی سے بنی اسرائیل کو عروج حاصل ہوا۔ عیلی کاہن کے دور میں فلسطیوں نے بنی اسرائیل پر جو قیامت ڈھائی تھی اور جس معرکے میں اس سے تابوتِ سکینہ چھین لیا گیا تھا وہ زمانہ حضرت شموئیلؑ کا تھا۔ حضرت شموئیلؑ نے اپنی قوم کی شاندار رہنمائی فرمائی اور انہیں حضرت طالوتؑ جیسا زبردست بادشاہ دیا۔ جب وہ کارِ نبوت انجام دے

چکے تو انہوں نے ایک دن بنی اسرائیل کو جمع کیا اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا "دیکھو! جو کچھ تم نے مجھ سے کہا، میں نے تمہاری ایک ایک بات مانی اور ایک بادشاہ تمہارے اوپر ٹھہرایا۔ اب دیکھو یہ بادشاہ تمہارے آگے آگے چلتا ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میرا سر سفید ہو چکا ہے اور دیکھو میرے بیٹے تمہارے ساتھ ہیں۔ میں لڑکپن سے آج تک تمہارے سامنے چلتا رہا ہوں اور اب تم خداوند اور اس کے ممسوح (طالوت) کے آگے میرے منہ پر بتاؤ کہ میں نے کس کا بیل لے لیا اور کس کا گدھا لیا۔ میں نے کس کا حق مارا یا کس پر ظلم کیا۔ کس کے ہاتھ سے میں نے رشوت لی تاکہ میں اندھا بن جاؤں۔ مجھے صاف صاف بتاؤ اگر میں نے تم سے کچھ لیا ہے تو میں تم کو واپس کر دوں گا۔"

لوگوں نے جواب دیا "آپ نے ہمارا حق نہیں مارا اور نہ ہم پر ظلم کیا اور نہ آپ نے کسی کے ہاتھ سے کچھ لیا ہے۔"

اب حضرت شموئیلؑ نے بنی اسرائیل سے کہا "خداوند تمہارا گواہ ہے اور اس کا ممسوح (طالوت) بھی آج کے دن گواہ ہے کہ میرے پاس تمہارا کچھ بھی نہیں نکلا۔"

لوگوں نے کہا "بے شک! ہم گواہ ہیں۔"

اس خطبے سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اب حضرت شموئیلؑ ان میں موجود نہیں رہیں گے اور ان کا آخری وقت آ چکا ہے چنانچہ کچھ ہی عرصے بعد حضرت شموئیلؑ کا انتقال ہو گیا اور ان کو آبائی شہر رامہ میں دفن کیا گیا۔

○☆○

حضرت طالوتؑ کا احوال جنہیں قرآن میں نبی کہا گیا ہے۔ کتابِ مقدس عہد نامۂ عتیق میں بھی اُنہیں بادشاہ اور نبی قرار دیا گیا ہے۔ یہ کس طرح بادشاہ اور نبی بنائے گئے اور یہ کن کے مطلوب اور مقصود تھے اور ان میں دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیازی خصوصیات اور اوصاف تھے، یہ ساری باتیں اس چھوٹے سے مضمون میں ملیں گی۔

ایک ایسے شخص جنہیں قبائلی برتری کا اعزاز بھی حاصل نہیں تھا، حکومت اور نبوت اُن کے خاندان سے دور تھی، یہ مادی اور مالی اعتبار سے بھی کمزور تھے۔ پھر اُنہیں جن کا بادشاہ بنایا گیا وہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی قوم تھی۔ ان سے ہر اعتبار سے برتر و اعلیٰ لیکن اللہ نے اُنہیں ایسی برتری بخشی کہ بنی اسرائیل اُن کی رعایا بن گئے

اُنہوں نے نہتوں کو فتوحات بخشیں اور گیارہ قوموں پر حکومت کروائی لیکن اُن کی ایک ذرا سی لغزش نے وہ سب کچھ چھنوادیا جو اُنہیں من جانب اللہ بخشا گیا تھا۔ یہودی ماخذوں کے مطابق اُنہوں نے وہی غلطی کی جو انسانوں کو اکثر و بیشتر خوار کرواتی رہتی ہے۔ معلم الملکوت جس نے حضرت آدم سے حسد کیا تو اُسے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ بارگاہِ ایزدی کردیا گیا۔ اسی طرح انسان انسانوں پر حسد کرتا ہے تو نقصان اُٹھاتا ہے۔ اسی حسد نے اُنہیں بھی نقصان پہنچایا۔

حضرت طالوت علیہ السلام

(1080ق۔م)

گیارہ سو سال قبل مسیح بنی اسرائیل انتہائی بے بسی اور بدامنی میں دن گزار رہے تھے۔ یہ جس خطے میں آباد تھے وہ ان کا اپنا خاص یروشلم کا علاقہ تھا۔ ان کے چاروں طرف جو قومیں آباد تھیں' وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتی تھیں مگر یہ بنی اسرائیلی خاص وہ لوگ تھے جو حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر آئے تھے یا سمجھے جاتے تھے' ان کا یروشلم پر کسی نہ کسی صورت میں قبضہ اور اختیار رہتا تھا اگر کوئی دوسرا قبیلہ یروشلم پر قابض ہو جاتا تو اسے غاصب سمجھا جاتا اور اسے نکال باہر کرنے کی کوشش کی جاتی۔

یہاں جنوب مغرب میں جو لوگ آباد تھے' وہ فلسطی (فلسطینی) کہلاتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت یوشع بن نونؑ نے نبی اور بنی اسرائیل کے سپہ سالار کی حیثیت سے بنی اسرائیل کو یروشلم پر قابض کروادیا تھا۔ انہوں نے حضرت یعقوبؑ کی بارہ بیٹوں والی نسل کو مختلف علاقے دے دیے تھے تاکہ یہ آپس میں جنگ و جدل نہ کریں لیکن بعد میں یہ سب آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور کوئی قبیلہ دوسرے قبیلے کی بالادستی تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔

بنی اسرائیلیوں کے مقابلے میں دوسرے قبیلے اتحاد کر لیتے تھے اور بنی اسرائیل کے علاقوں میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ بنی اسرائیلیوں میں نظم و نسق کسی بادشاہ کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ یہاں قاضیوں کا نظام رائج تھا۔ یہی قاضی حکومت کرتے تھے' یہی فیصلے کرتے تھے۔ انہی کے حکم سے بنی اسرائیلی حملہ آوروں سے مقابلے کے لیے متحد ہو کر اپنے دشمنوں کے مقابلے میں جاتے تھے۔

لیکن یہ قاضیوں کا نظام انہیں امن و سکون نہیں دے سکا اور اب انہیں ایک بادشاہ کی ضرورت محسوس ہوئی جو تقریباً چار سو سال سے ان میں موجود نہیں تھا یعنی بنی اسرائیلی تقریباً چار سو سال سے قاضیوں کے زیرِ سایہ' بادشاہ سے محروم تھے۔

جب فلسطیوں نے ان کو بہت پریشان کیا تو اس قوم کے ذمے دار اور با اثر لوگوں نے اس وقت کے نبی اور کاہن حضرت شموئیلؑ سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ اب بنی اسرائیلیوں میں ایک بادشاہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔

حضرت شموئیلؑ بادشاہ کے وجود اور اس کے پریشان کن اختیارات کے ناجائز استعمال کا پورا علم رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کی طلبِ بادشاہ کو پسند نہیں کیا چنانچہ انکار کردیا اور قوم کو بتایا "بادشاہ تم سب کو ذلیل و خوار کر کے رکھے گا۔ اس لیے اپنے اس مطالبے سے باز آجاؤ۔"

لیکن قوم نہ مانی اور وہ بادشاہ کا مطالبہ کرتی رہی۔

اس مضمون کے کئی واقعات دوسرے مضامین میں بیان ہو چکے ہیں مگر اختصار کے ساتھ کیونکہ ان مضامین میں، مضمون کے مرکزی کردار پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور باقی دوسرے واقعات مختصر بیان کردیے گئے ہیں مگر ہمارے اس مضمون کا تعلق حضرت طالوتؑ سے ہے۔ حضرت طالوتؑ کو توریت اور یہودیوں کی پرانی کتابوں میں ساؤل کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے لیکن ہم قرآن پاک اور اپنی کتابوں کے حوالے سے انہیں طالوت کے نام سے ہی پیش کریں گے۔

حضرت شموئیلؑ کے منع کرنے کے باوجود ان کی قوم اپنے مطالبے سے باز نہیں آئی اور یہی کہتی رہی کہ بنی اسرائیل کو اس وقت ایک بادشاہ کی شدید ضرورت ہے کیونکہ انہیں سب سے زیادہ فلسطی قوم پریشان کر رہی ہے۔ وہ اتنی حاوی آچکی تھی کہ انہوں نے حکماً بنی اسرائیل کو آہن گری کا پیشہ اختیار کرنے سے روک دیا تھا۔ بنی اسرائیل کا کوئی بھی شخص لوہار نہیں بن سکتا تھا کیونکہ لوہار تلواریں، تیر، برچھے، نیزے اور اسی قسم کے دوسرے بہت سے ہتھیار بناتے تھے۔ یہ ہتھیار میدان جنگ میں کام آتے تھے لیکن جب بنی اسرائیل کو لوہاری کے پیشے سے محروم کردیا گیا تو اب یہ قوم لاٹھیوں، ڈنڈوں اور پتھروں سے دشمنوں کا مقابلہ کرنے لگی۔

جب بھی فلسطی ان پر حملہ آور ہوتے تو بنی اسرائیلی ان کا لاٹھیوں، ڈنڈوں اور پتھروں سے مقابلہ کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ حملہ آور ان کا جانی نقصان بھی کرتے اور مال و دولت بھی لوٹ کرلے جاتے۔ ان کی عورتیں اور نوجوان لڑکیاں بھی ان سے چھن جاتیں۔

ان کا بادشاہ طلبی کا تقاضا جاری رہا اور حضرت شموئیلؑ انہیں ان کے مطالبے سے اس لیے منع کرتے رہے کہ انہیں ابھی تک اللہ کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی حکم نہیں ملا تھا۔

یہ فلسطی وہ لوگ تھے جو بحیرۂ مردار کے جنوب میں آباد تھے۔ اب یہ بہت طاقتور ہوگئے تھے اور بنی اسرائیل کے مذہبی تقدس سے حسد کرتے تھے۔

مطالبہ بادشاہی کے دوران میں ہی فلسطیوں نے بنی اسرائیل پر ایک خوفناک حملہ کیا۔ بہت سے

بنی اسرائیلی قتل ہوئے اور لٹ بھی گئے۔ ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو حملہ آور اٹھا کے لے گئے۔ لٹے پٹے بنی اسرائیلی حضرت شموئیلؑ سے ملے اور درخواست کی کہ اب وہ ان کے مطالبے کو رد نہ کریں اور ان کی قوم میں سے کسی ایک کو بادشاہ بنا دیں۔

حضرت شموئیلؑ نے کہا "تم لوگ شاید واقف نہیں ہو کہ بادشاہ کیا ہوتا ہے اور وہ اپنی رعایا سے کس طرح پیش آتا ہے۔"

قوم کے متمول لوگوں نے کہا "حضرت! آپ ہمارے مطالبے پر غور کریں۔ خدا سے پوچھیں، اگر وہ اجازت دے دے تو ہمیں ہماری ہی قوم میں سے ایک بادشاہ دے دیا جائے۔ خدا کو علم ہے کہ بادشاہ کے بغیر ہمیں کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ اگر ہمیں بادشاہ مل جائے تو اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچے گا۔ ہمیں ہمارا بادشاہ اتنا زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا جتنا نقصان حملہ آور فلسطی پہنچا رہے ہیں۔ اگر ہم میں بادشاہ ہوتا اور بادشاہ کے پاس فوج ہوتی تو فلسطی ہم پر کبھی بھی یہ پابندی نہیں لگاتے کہ ہم آہن گری کا پیشہ نہیں اختیار کرسکتے۔ ہم کب تک ڈنڈوں، لاٹھیوں اور پتھروں سے اپنے دشمن کا مقابلہ کریں گے۔"

حضرت شموئیلؑ نے ان کی تقریر توجہ سے سنی اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا "لوگو! تم بادشاہ کو نہیں جانتے، بادشاہ صرف اپنا حکم چلاتا ہے۔"

بنی اسرائیل نے کہا "جناب، آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ آپ کے دونوں بیٹے قاضی ہیں مگر دونوں بددیانت ہیں اور آپ کا کہنا نہیں مانتے۔ خوب رشوت لیتے ہیں اور انصاف بالکل نہیں کرتے، اسی لیے ہم بار بار بادشاہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے ان لوگوں کو تسلی دی اور کہا "ٹھیک ہے، میں تمہاری درخواست خدا کے سامنے پیش کردوں گا اور پھر جیسا حکم ملے گا، میں ویسا ہی کروں گا۔"

حضرت شموئیلؑ نے عبادت گاہ کے اندر گڑگڑا کے خدا سے التجا کی کہ وہ ان کی رہنمائی کرے اور ان کی قوم جو ان سے ایک بادشاہ طلب کر رہی ہے تو وہ اس سلسلے میں اپنی قوم سے کیا کہیں۔

اسی گریہ وزاری کے دوران میں حضرت شموئیلؑ کو خدا نے آگاہ کیا "اے شموئیلؑ یہ لوگ تجھ سے جو کچھ کہتے ہیں، تو اسے مان لے کیونکہ یہ لوگ جو تیری بات نہیں مانتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ میری بات نہیں مانتے اور وہ میری نافرمانی کرتے ہیں۔ ہم ان کو مصر سے نکال لائے اور انہوں نے یہاں آنے کے بعد دوسرے معبودوں کی پرستش شروع کردی۔ ان کو بادشاہ چاہیے تو انہیں بادشاہ مل جائے گا لیکن پہلے انہیں بادشاہ اور بادشاہ کے اوصاف سے آگاہ کردے اور یہ بتادے کہ بادشاہ کیا ہوتا ہے۔"

کئی دن بعد ان کی قوم کے لوگ ان سے پھر ملے اور حضرت شموئیلؑ سے پوچھا "ہاں تو جناب! آپ نے خدا سے معلوم کیا کہ ہمیں بادشاہ ملنا چاہیے یا نہیں؟"

حضرت شموئیلؑ نے انہیں بتایا "صاحبان! مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں بادشاہ کے بارے میں ساری باتیں تمہیں بتادوں۔ تم لوگ ان پر غور کر کے ہمیں بتاؤ کہ کیا اس کے بعد تم بادشاہ کا مطالبہ جاری رکھو گے۔"

ان لوگوں نے کہا "حضرت! ہم جانتے ہیں کہ بادشاہ کیا ہوتا ہے۔ فلسطیوں میں بادشاہ ہے۔ اس کے پاس فوج بھی ہے اور وزیر اور مشیر بھی ہیں۔ اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس نے ایک فرمان کے ذریعے ہماری قوم کو آہن گری کا پیشہ اختیار کرنے سے روک دیا ہے۔ اگر ہم میں بھی بادشاہ ہوتا، ہم میں بھی وزیر اور مشیر ہوتے اور ہمارے پاس بھی فوج ہوتی تو ہم اس کے مقابلے میں خود پہنچ جاتے، ان کی ہمت بھی نہ تھی کہ وہ ہمارے علاقوں پر حملے کرتے اور قتل و غارت گری کر کے ہمارا مال و زر لوٹ کر ہماری عورتیں اور لڑکیاں ہم سے چھین لیتے۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "تو اب سنو کہ بادشاہ کیا ہوتا ہے۔ تم جس بادشاہ کی تمنا کر رہے ہو وہ جب تم پر حکومت کرے گا تو اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ تمہارے بیٹوں کو اپنے رتھوں کے لیے نوکر رکھے گا اور وہ رتھوں کے آگے دوڑیں گے۔ وہ ان کو ہزار ہزار کے سردار اور پچاس پچاس کے جمعدار بنائے گا۔ کچھ سے ہل جتوائے گا اور فصل کٹوائے گا۔ اپنے لیے جنگ کے ہتھیار اور رتھوں کے ساز بنوائے گا۔ تمہاری عورتوں اور بیٹیوں کو باورچن بنادے گا۔ تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں کی آمدنی کا دسواں حصہ لے کر اپنے ساتھیوں کو دے دیا جائے گا۔ تمہارے جوانوں اور گدھوں کو بیگار میں لگا دیا کرے گا اور تمہارے مویشیوں کا بھی دسواں حصہ لے لیا کرے گا۔ تم سب اس کے غلام بن جاؤ گے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم اب بھی بادشاہ کا مطالبہ کرو گے؟"

ان لوگوں نے کہا "آپ نے جو کچھ کہا وہ ہم سن لیا اور آپ نے بادشاہ کی ذات میں جن برائیوں کے ہونے کا ذکر کیا، ہم ان سے بھی آگاہ ہوگئے مگر ہم بادشاہ کے مطالبے سے باز نہیں آئیں گے۔ بادشاہ انصاف بھی تو کرتے ہیں۔ بادشاہ لڑائیاں بھی تو لڑتے ہیں۔ وہ ہمارے آگے آگے چلتے ہیں اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اس لیے آپ ہمیں ایک بادشاہ دے دیں اور اس سلسلے میں آپ ہم سے مزید کوئی بات نہ کریں۔"

حضرت شموئیلؑ نے نصف شب کے بعد خدا سے درخواست کی "میری قوم بادشاہ کے مطالبے سے دستبردار نہیں ہوتی اس لیے اگر تو اجازت دے دے اور مجھے یہ بھی بتادے کہ اپنی قوم کے کس شخص کو ان کا بادشاہ بنایا جائے تو میں اپنی قوم میں سرخرو ہو جاؤں گا۔"

ابھی یہ گریہ و زاری میں مشغول تھے کہ انہیں اپنے حجرے میں کسی کے موجود ہونے کا احساس ہوا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا وہاں واقعی ایک شخص موجود تھا۔

آپ نے اس سے پوچھا "تم کون ہو اور اس حجرے میں اچانک کس طرح آگئے؟"

اس اجنبی نے بتایا "میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو بتادوں کہ اللہ نے بنی اسرائیل کے بادشاہ کے مطالبے کو مان لیا۔ اب رہی یہ بات کہ کسے بادشاہ بنایا جائے تو میں جنت سے ایک شاخ لے کر آیا ہوں۔ آپ لوگ جسے بھی بادشاہ بنانا چاہیں، اسے شاخ سے ناپ لیں پھر جس کا قد اس شاخ کے مطابق ہو، آپ اسے بادشاہ بنادیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے فرشتے سے شاخ لے لی اور کہا "شاید تم جبریل ہو جسے اللہ نے اپنے نبیوں کے پاس بھیجا ہے۔"

فرشتے نے اقرار کیا "ہاں میں جبریل ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ جسے بھی ان کا بادشاہ بنائیں گے اس سے ان سب کو شروع ہی سے اختلاف ہوگا۔ ان کے لوگ مال و دولت کے نشے میں اور ان کے دیندار اور اعلیٰ حسب نسب رکھنے والے لوگ اپنے خاندانی غرور کی وجہ سے آپ کے مقرر کیے ہوئے بادشاہ کو مسترد کردیں گے لیکن آپ ان کی پروا نہیں کریں گے اور اسی کو بادشاہ بنائیں گے جس کا قد جنت کی اس شاخ کے برابر ہوگا۔"

حضرت شموئیلؑ کو حضرت جبریلؑ نے صاف صاف بتادیا "آپ ان کی بات مان لیں اور ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیں۔"

اس کے بعد حضرت جبریلؑ چلے گئے۔

دوسرے دن علی الصباح بنی اسرائیل کے لوگ حضرت شموئیلؑ سے ملے اور پوچھا "آپ نے بادشاہ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

حضرت شموئیلؑ نے انہیں بتایا "اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں جاکے اطمینان سے بیٹھو کیونکہ اللہ نے ہمیں اپنے فرشتے جبریل کے ذریعے اجازت دے دی ہے کہ تم میں ایک بادشاہ مقرر کردیا جائے مگر اب تم اس پر اصرار نہیں کرو گے کہ بادشاہ تمہاری مرضی سے تم ہی لوگوں میں سے منتخب کیا جائے۔"

○☆○

حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بن یامین کی نسل اتنی بڑھی کہ ان کا بہت سے علاقوں .... پر قبضہ ہوگیا۔ ان کے نامور جرنیل نے حضرت موسیٰؑ کے جانشین حضرت یوشع بن نونؑ نے حضرت یعقوبؑ کی بارہ اولادوں کی نسلوں کو میراث میں جو علاقے تقسیم کیے تھے اس کے مطابق اریحا اور جبعون کے ارد گرد کا علاقہ بن یامین کی میراث قرار پایا تھا۔ ان کے دونوں طرف بنی یہوداہ اور بنی یوسفؑ کے علاقے تھے۔ بن یامین کی میراث میں چھبیس شہر ملے تھے لیکن گیارہویں صدی قبل مسیح

تک اس قبیلے نے اپنی نسل بہت بڑھالی تھی چنانچہ جس دور کے یہ واقعات ہیں اس زمانے میں یہ زیادہ خوش حال لوگ تو نہیں تھے مگر ان کے پاس مویشیوں کے ریوڑ ضرور تھے اور اسی پر ان کی گزر بسر موقوف تھی۔ ان میں ایک شخص قیس (KISII) بن ابی ایل تھا۔ یہ شخص اپنی بہادری کے لیے اپنے تمام قبائل میں مشہور تھا۔ اس وقت اس کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی اور اس کے بیٹے حضرت طالوت بھی جوان تھے۔ ان کا قد چھ ہاتھ سے زیادہ تھا۔

قیس (KISII) کے پاس کافی مویشی تھے اور انہیں ہر روز چرنے کے لیے چراگاہوں میں چھوڑ دیا جاتا تھا پھر جب شام کو یہ مویشی واپس لائے جاتے تھے تو ان مویشیوں کی باقاعدہ گنتی ہوتی تھی چنانچہ ایک شام جب مویشی چراگاہوں سے واپس آئے اور ان کی گنتی ہوئی تو معلوم ہوا کہ چند گدھے کم ہیں۔

قیس (KISII) نے اپنے بیٹے حضرت طالوتؑ کو بلوایا اور کہا "آج چراگاہ سے چند گدھے کم واپس آئے ہیں۔ تو چند نوکروں کو اپنے ساتھ لے جا اور ان گدھوں کو تلاش کرکے واپس لا۔"

حضرت طالوتؑ نے اپنے ایک خاص نوکر کو چند دوسرے نوکروں کے ساتھ لیا اور گدھوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ شام ہو چکی تھی اور رات تیزی سے بڑھی چلی آ رہی تھی اس لیے اندھیرے میں گدھوں کو تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔ حضرت طالوتؑ نے مشعل کا سہارا لیا اور گدھوں کی تلاش میں بہت دور تک نکل گئے لیکن گدھے نہیں ملے۔

انہیں نہیں معلوم تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی طرح ان کے ساتھ بھی ایک واقعہ پیش آنے والا ہے۔ حضرت موسیٰؑ تو کوہِ طور پر آگ کی تلاش میں پہنچے تھے اور وہاں انہیں پیغمبری مل گئی تھی۔ اس واقعے کو ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

خدا کی دین کا موسیٰؑ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

حضرت طالوتؑ بھی اپنے باپ کے کھوئے ہوئے گدھوں کی تلاش میں نکلے تھے مگر انہیں کیا پتا تھا کہ اس تلاش و جستجو میں ان کو بنی اسرائیل کی بادشاہت اور نبوت مل جائے گی۔

یہ رات بھر گدھوں کو تلاش کرتے رہے اور اپنے علاقے کی چھان بین کے بعد دوسرے علاقوں میں داخل ہو گئے۔ یہ بنی اسرائیلیوں کا علاقہ تھا۔ وہ اگلے دن بھی اپنے کھوئے ہوئے گدھے تلاش کرتے رہے۔ یہ اپنے ساتھ جو خوراک لائے تھے وہ بھی ختم ہونے لگی مگر یہ خوراک کی پروا کیے بغیر ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور دوسرے سے تیسرے علاقے میں داخل ہوتے رہے مگر گدھوں کا کہیں نام نشان نہ ملا۔ اچانک حضرت طالوتؑ کو خیال آیا کہ وہ اپنے باپ کے لیے گدھوں کی طرح خود بھی گم ہو چکے ہیں اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ان کا باپ انہیں تلاش کرتا پھر رہا ہوگا۔

انہوں نے اپنے خاص نوکر سے کہا "اپنے کھوئے ہوئے گدھے تو ملے نہیں۔ کہیں ہم بھی گدھوں کی طرح گم نہ ہو جائیں کیونکہ ہم نے تو اپنا راستہ تک گم کر دیا ہے۔ اب ہم کس طرح اپنے باپ تک پہنچیں گے۔ ہمیں تو وہ راستے بھی یاد نہیں رہے جن پر چلتے ہوئے ہم یہاں تک پہنچے ہیں اس لیے اب ہمیں واپس جانا چاہیے۔ ہمارا باپ تو ہمارے لیے بہت پریشان ہو رہا ہوگا۔"

ان کے ملازم خاص نے حضرت طالوتؑ کو بتایا کہ اس وقت وہ بنی اسرائیل کے جس علاقے میں ہیں وہاں بنی اسرائیل کے قاضیوں کا عمل دخل ہے اور ان میں شموئیل نامی ایک غیب داں بھی ہے۔

اس زمانے میں غیب داں یا غیب بیں نبی کو کہتے تھے۔ حضرت طالوتؑ نے پوچھا "یہ غیب داں ہماری کیا مدد کرے گا؟"

ملازم خاص نے کہا "وہ ہمیں اپنے کھوئے ہوئے گدھوں کے بارے میں بتا سکتا ہے اور ہماری واپسی کے سلسلے میں راستوں کی رہنمائی بھی کر سکتا ہے۔"

حضرت طالوتؑ نے کہا "افسوس کہ اپنے پاس ایک روٹی بھی باقی نہیں بچی۔ اب اگر ہم ان کے پاس جائیں تو ان کے نذرانے میں کیا لے جائیں۔"

نوکر نے کہا "اپنے پاس پاؤ مثقال چاندی ہے۔ اسی کو نذرانے میں پیش کر دیا جائے گا۔"

حضرت طالوتؑ راضی ہو گئے۔

دونوں کو سامنے ٹیلے پر چند نوجوان لڑکیاں نظر آئیں جو پانی بھرنے کے لیے گھروں سے نکلی تھیں۔ دونوں نے ان کے قریب جا کر پوچھا "یہاں کوئی غیب داں رہتا ہے؟"

لڑکیوں نے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "شموئیل نبی یہاں آیا ہوا ہے۔ وہ اوپر ملے گا۔"

یہ دونوں لڑکیوں کی رہنمائی سے اوپر پہنچے اور حضرت شموئیلؑ سے ملے۔

حضرت شموئیلؑ نے ان دونوں کو دیکھا تو ان کی توجہ حضرت طالوتؑ پر مرکوز ہو گئی۔ اس قد آور جوان نے حضرت شموئیلؑ کو بہت متاثر کیا تھا۔ وہ بنی اسرائیلیوں میں سب سے اونچا قد رکھنے والے نظر آ رہے تھے۔

حضرت شموئیلؑ نے اٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا "مجھے تو تیرا انتظار تھا۔"

انہوں نے حضرت جبریلؑ کی دی ہوئی شاخ سے حضرت طالوتؑ کا قد ناپا۔ وہ بالکل ٹھیک نکلا۔ حضرت طالوتؑ اور ان کے نوکر کو حیرت ہوئی کہ حضرت شموئیلؑ یہ کیا کر رہے ہیں۔ حضرت طالوتؑ نے کچھ پوچھنے سے پہلے حضرت شموئیلؑ کو پاؤ مثقال چاندی پیش کی اور اپنی آمد کی وجہ سے آگاہ کیا۔

حضرت شموئیلؑ نے حضرت طالوتؑ کو عزت و احترام سے اپنے ساتھ رکھا۔ ساتھ کھانا کھلایا اور کہا "تم لوگ جن گدھوں کی تلاش میں نکلے ہو وہ قیس (KISSII) کو مل چکے ہیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے حضرت طالوتؑ کے بارے میں سبھی کو بتایا کہ خدا نے حضرت طالوتؑ کو ان کے پاس جس لیے بھیجا ہے وہ اپنی قوم کو اس سے آگاہ کردیں۔

اب سبھی یہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت شموئیلؑ حضرت طالوتؑ پر توجہ دے رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت طالوتؑ سے تخلئے میں بہت سی باتیں کیں اور یہ بتادیا کہ خدا نے حضرت طالوتؑ کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے حضرت طالوتؑ کا مسح کیا اور سر پر ایک مقدس تیل لگایا۔ دونوں چھت پر چلے گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔

چھت سے اترنے کے بعد بھی تخلئے میں دونوں کی بڑی باتیں ہوئیں اور پھر جب حضرت طالوتؑ کو واپس جانے کی اجازت دی تو کہا۔ میں لوگوں کو بہت جلد مصفاہ میں خداوند کے سامنے مروجہ طریقے سے بلواؤں گا اور وہیں تمہاری بادشاہت کا اعلان کردیا جائے گا۔"

حضرت طالوتؑ کو فکر تھی کہ انہیں اللہ جو ذمے داریاں دے رہا تھا' کیا وہ اس آزمائش سے کامیاب نکلیں گے اور اگر وہ یہ باتیں اپنے گھر والوں کو جا کر بتائیں گے تو کیا لوگ اس پر یقین کرلیں گے۔ انہوں نے یہ سوال حضرت شموئیلؑ سے بھی کیا "کیا میں یہ باتیں اپنے قبیلے والوں کو بتادوں؟"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "تجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں بہت جلد مصفاہ میں سب کو بلواؤں گا اور ان سب کے سامنے جملہ رسوم کے مطابق تیری بادشاہی اور نبوت کا اعلان کردوں گا۔ ابھی تو فی الحال اپنے قبیلے میں واپس جا۔ وہاں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

حضرت طالوتؑ ملازم کے ساتھ واپس ہوئے تو ان کے ساتھ راستے میں سب کچھ اسی طرح پیش آتا رہا جس طرح حضرت شموئیلؑ نے بتایا تھا۔

جب یہ اپنے علاقے میں پہنچے تو ان کی ملاقات اپنے چچا نیر سے ہوئی۔ نیر ان کی تلاش میں نکلے تھے۔ حضرت طالوتؑ کو دیکھتے ہی بے حد خوش ہوئے اور پوچھا "تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟"

حضرت طالوتؑ نے بتایا "چند گدھے گم ہوگئے تھے' میں انہیں تلاش کرتے کرتے خود گم ہوگیا۔"

چچا نیر نے بھتیجے کو بتایا "گدھے تو مل گئے تھے اور اب تمہارے باپ کو تمہاری فکر پریشان کررہی ہے' اسی وقت ان کے پاس چلو اور ان سے ملو۔"

حضرت طالوتؑ نے حضرت شموئیلؑ کا ذکر کیا اور وہ جس طرح جس محبت سے ان سے ملے تھے' تفصیل سے اس کا ذکر کیا۔ چچا نیر نے اس میں بڑی دلچسپی لی اور پوچھا "انہوں نے تیرے بارے میں کچھ بتایا؟"

حضرت طالوتؑ نے سب کچھ بتایا مگر اس بات کو راز میں رکھا کہ انہوں نے ان کو نبوت اور بادشاہت کی بشارت دی ہے اور یہ کہ وہ یہاں تک پہنچتے پہنچتے نبی تو ہوچکے ہیں۔

چچا نیر کو اندازہ ہورہا تھا کہ بھتیجا ان سے کچھ چھپا رہا ہے۔ کہنے لگے "بھتیجے! تم مجھے کچھ بتا رہے ہو اور کچھ چھپا رہے ہو۔"

چچا نیر کو قاضی گھرانے کے حضرت شموئیلؑ کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا۔ ان کا حضرت طالوتؑ کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آنا بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ چچا نیر کو اسی بات کی خوشی تھی کہ اب بن یامین کے لوگوں کو کوئی بڑا مقام ملنے والا ہے جس کا اندازہ حضرت شموئیلؑ کی محبت و شفقت سے ہوگیا تھا۔

حضرت طالوتؑ۔۔۔ اس لیے سب کچھ چچا کو نہیں بتا رہے تھے کہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور مصفاہ میں جو خاص رسم ادا ہونے والی تھی' اسے بھی راز میں رکھنا مقصود تھا۔ باپ کو بھی بیٹے کو بخیریت پا کر بڑی خوشی ہوئی۔ اس کے بھائی نیر نے بھتیجے۔۔۔ سے جو کچھ سنا تھا اس کا ذکر بھی اپنے بڑے بھائی قیس سے کردیا۔ قیس کو بھی بڑی دلچسپی ہوئی اور بیٹے سے پوچھا "بیٹے! سب کچھ صاف صاف مجھے بتادے۔ مجھے تو اپنے قبیلے کی قسمت عروج پر نظر آرہی ہے۔"

حضرت طالوتؑ نے باپ کو بتایا "عنقریب شموئیل نبی ہم سب کو مصفاہ بلوائیں گے اور وہاں جو کچھ ہوگا' وہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیں گے اور کانوں سے سن بھی لیں گے۔"

قیس (KISII) نے کہا "بیٹے طالوت! تیرا چچا نیر بالکل درست کہتا ہے کہ تجھ کو بہت کچھ معلوم ہے مگر تو بتانا نہیں چاہتا۔ پتا نہیں کیوں۔"

کئی دن اضطراب اور بے چینی میں گزر گئے پھر حضرت شموئیلؑ کی طرف سے بن یامینی قبائل کے چند معزز سرداروں کو یہ حکم ملا کہ وہ اپنے خاندان کے مردوں کے ساتھ مصفاہ پہنچ جائیں کیونکہ خدا نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا وہاں اعلان کیا جائے گا۔

قیس (KISII) نے حضرت طالوتؑ سے پوچھا "شموئیل نبی کی اس طلبی کے مطابق کس کس کو مصفاہ پہنچنا چاہیے؟"

حضرت طالوتؑ نے جواب دیا "جب وہاں مردوں کو بلایا گیا ہے تو ہمارے بزرگوں اور جوانوں سبھی کو وہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

ان سب نے مصفاہ جانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مدتوں بعد یہ دن آیا تھا کہ بن یامین گھرانے کو اتنی عزت حاصل ہورہی تھی۔ یہ سب مطلوبہ دن مصفاہ پہنچ گئے۔ مصفاہ میں ان کے خیمے نصب ہوئے تو انہوں نے اپنے مقابل دور دور تک بنی اسرائیلیوں کے خیمے دیکھے۔ بنی اسرائیلیوں میں مردوں کی تخصیص نہیں رکھی گئی تھی۔ ان کے جملہ لوگ مصفاہ پہنچے ہوئے تھے۔ بوڑھے' جوان' عورتیں' مرد یہاں تک کہ بچے بھی یہاں موجود تھے۔ بنی اسرائیلی معاشرے کے ہر طبقے کے لوگ یہاں موجود تھے۔

مذہبی، کاروباری اور انتظامی۔ ان سب کی آمد نے مصفاہ کی رونق بڑھادی تھی۔

حضرت طالوتؑ کے والد نے حضرت شموئیلؑ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا "جب آپ نے کسی تخصیص کے بغیر بنی اسرائیلیوں کو یہاں جمع کیا ہے تو تمام بن یامینی قبائل کو کیوں مدعو نہیں کیا گیا؟" حضرت شموئیلؑ نے جواب دیا "تمہارے اس سوال کا جواب بھی بہت جلد مل جائے گا۔"

پھر مصفاہ کے عبادت خانے میں حضرت شموئیلؑ نے سب کو طلب کیا لیکن اس طلبی میں بنی اسرائیل کو شرکت کی عام دعوت دی گئی تھی جب کہ بن یامینی سرداروں کے کچھ ہی لوگ بلائے گئے تھے۔

مصفاہ کی عبادت گاہ میں حضرت شموئیلؑ نے ایک تختی سنبھالی اور اس پر قیس اور نیر سے ان کے قبائلی جوانوں کے نام پوچھ کر تختی پر لکھنا شروع کردیا۔

جب یہ سارے نام لکھے جاچکے تو ایک ایک نام سے فال کی رسم ادا ہوئی۔ اس طرح حضرت شموئیلؑ بنی اسرائیل کے بادشاہ کا انتخاب کر رہے تھے۔

بنی اسرائیلی سردار ناگواری سے یہ کارروائی دیکھ رہے تھے کیونکہ انہیں یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ان کا بادشاہ بن یامینی ہوگا۔ سارے نام لیے گئے اور بادشاہت کی فال کسی کے نام بھی نہیں نکلی۔

حضرت شموئیلؑ نے قیس سے کہا "تم مجھ سے اسے کیوں چھپا رہے ہو جس سے میرے کام میں دشواری پیدا ہورہی ہے۔ دیکھو! تم نے سارے نام نہیں بتائے۔ ان میں کوئی ایک نام لکھوانے سے رہ گیا اور یہ نام ہی نہیں رہ گیا بلکہ وہ جوان بھی ہمیں یہاں کہیں نظر نہیں آرہا ہے۔"

قیس نے قصداً حضرت طالوتؑ کا نام نہیں لکھوایا تھا اور نہ ہی ان کو سامنے لایا گیا تھا۔ حضرت شموئیلؑ نے کہا "ابھی اس جوان کے آنے کے بعد ہم سب اسے دیکھیں گے اور اس کے آتے ہی بن یامین کی خوش قسمتی سب کے سامنے ظاہر ہوجائے گی۔ بنی اسرائیلی اس پر حسد کریں گے۔"

قیس (KISII) نے بتایا "ہم نے سارے نام آپ کو بتادیے ہیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "دیکھو قیس، تمہارا ایک جوان اپنا منہ چھپائے اپنے سامان کے بیچ میں بیٹھا ہوا ہوگا۔ جاؤ اس کو تلاش کرکے یہاں لاؤ۔"

قیس کو حیرت تھی کہ حضرت شموئیلؑ کو یہ اندر کی باتیں کیسے معلوم ہوگئیں۔ چند بنی اسرائیلی جوانوں نے قیس کے سامان میں کسی کو تلاش کرنا شروع کردیا۔

آخر کار سامان کے ڈھیر کے درمیان سے حضرت طالوتؑ کو برآمد کرلیا گیا۔ انہیں حضرت شموئیلؑ کے پاس پہنچایا گیا۔

بنی اسرائیلیوں نے حضرت طالوتؑ کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی ہیں جو کچھ دن پہلے اپنے کھوئے

ہوئے گدھوں کی تلاش میں ان کے علاقے میں آئے تھے۔

حضرت طالوتؑ کے نام سے فال نکالی گئی اور پانسا پھینکا گیا تو ان کا نام نکل آیا۔

بنی اسرائیل کو یہ بات گراں گزری کیونکہ وہ بادشاہ اپنے قبیلے سے چاہتے تھے۔ انہیں بن یامینی قبائل کی ناداری کا علم تھا اور وہ ان کی دولت اور ثروت کو جب اپنی دولت و ثروت سے تولتے اور ناپتے تھے تو خود کو ان سے بہت برتر محسوس کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے کچھ بڑوں نے کہا "آپ چاہتے تو ہمارے کسی جوان کا نام نکال سکتے تھے۔ اب ہم بن یامینی جوان کی بادشاہت میں رعایا بن کے رہیں گے۔ کیا طالوت کو ہمارے لوگ بادشاہ بنانے پر راضی ہوجائیں گے؟؟"

حضرت شموئیلؑ نے حضرت طالوتؑ کو کھڑا کیا۔ ان کے قد کو حضرت جبریلؑ کی دی ہوئی شاخ سے ناپا اور کہا "اب تم سب بنی اسرائیلی جوانوں کو یہاں لاؤ اور ان کے قدوں کو طالوت سے ناپو پھر بتاؤ کہ تم میں کون سا جوان ہے جو اس سے ایک انگل بھی اونچا ہو۔ اللہ کے نزدیک دولت، ثروت اور دنیا کے دوسرے تکلفات کے مدارج کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اسی طرح تم لوگ اس بن یامینی جوان کو حقارت کی نظروں سے دیکھو۔ اللہ کا یہی فیصلہ ہے کہ اس نادار قبیلے کے جوان کو تمہارا بادشاہ بنادیا جائے۔"

اس وقت بن یامینیوں کو جو خوشی ہورہی تھی، وہ بنی اسرائیلیوں کو اذیت پہنچا رہی تھی چنانچہ بنی اسرائیلی کچھ کہے سنے بغیر ہی سامنے سے ہٹ گئے۔

بنی اسرائیلیوں کی سرد مہری دیکھ کر حضرت شموئیلؑ نے ایک چھوٹی سی تقریر کی اور ان سے کہا "اے میری قوم کے لوگو! خداوند خدا..... اسرائیلیوں کا خدا فرماتا ہے کہ میں نے تم کو مصریوں کے ہاتھ سے اور ان سب سلطنتوں کے ہاتھ سے جو تم پر ظلم کرتی تھیں، رہائی دی پھر تم نے اپنے خدا سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر۔ آج تم سب خداوند کے سامنے حاضر ہوئے اور تم سب کے سامنے بادشاہ کے لیے قرعہ ڈالا گیا اور یہ قرعہ بن یامینی جوان طالوت کے نام پر نکل آیا ہے۔ اب تم سب اس کے پاس جاؤ، اس کے قد سے اپنے قد کو ناپو اور تم میں سے ایک بھی اس کے جتنے قد کا نہیں نکلے گا کیونکہ طالوت خدا کا انتخاب ہے۔"

بنی اسرائیلیوں نے اپنے قد آور جوان آگے بڑھائے اور حضرت طالوتؑ کے قد سے ان کو ناپتے رہے لیکن بنی اسرائیل میں ایک جوان بھی ایسا نہیں نکلا جو حضرت طالوتؑ کے قد کے برابر ہوتا۔ آخر ان سب نے بیک آواز نعرہ بلند کیا "خدا ہمارے بادشاہ طالوت کو سلامت رکھے۔"

اب یہ معاملہ طے پاچکا تھا اور بنی اسرائیلیوں نے بھی حضرت طالوتؑ کو بادشاہ مان لیا تھا۔ وہ سب اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔

حضرت طالوتؑ کا مکان جبعہ نامی بستی میں ایک ٹیلے پر واقع تھا۔ وہ بھی اپنے مکان میں چلے گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بڑے ہجوم کو آتے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ ان کے حامی ہوں گے مگر بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ شریروں کا جتھا ہے اور یہ جتھا ان کی تحقیر کے لیے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔

جبعہ کے ٹیلے پر لوگوں نے حضرت طالوتؑ کے بادشاہ بننے کی خوشی میں جانوروں کی قربانیاں دیں مگر ان کا پیچھا کرنے والے جانوروں کی قربانیاں دینے سے باز رہے۔

یہاں جو کچھ ہو رہا تھا' پڑوس کے ان کے دشمن حکمرانوں کو ایک ایک بات بتائی جا رہی تھی۔ چنانچہ عمونی بادشاہ ناحس کو ان خبروں پر بڑی ہنسی آئی کہ آخر بنی اسرائیلیوں نے ایک بادشاہ پا لیا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ بنی اسرائیلی کچھ بھی کر لیں مگر ایک بادشاہ کے لیے جو لوازم درکار ہوتے ہیں وہ فوری طور پر حضرت طالوتؑ کو نہیں مل سکتے۔

عمونی بادشاہ ناحس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ یہ خبریں حضرت طالوتؑ کو پہنچیں تو انہوں نے اپنے معمولی وسائل کے مطابق فوج تیار کرنا شروع کر دی۔ کچھ دنوں بعد فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں لیکن ان دونوں میں ایک بہت بڑا فرق تھا۔

ناحس کی فوج کے پاس ہتھیار تھے' زرہ بکتر تھی اور ان کے ہتھیار سورج کی روشنی میں چمچما رہے تھے۔ ان کے گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور ناحس کو یقین تھا کہ وہ حضرت طالوتؑ پر جب بھی حملے کرے گا تو کامیاب رہے گا کیونکہ اس کے سامنے جو فوج تھی' وہ لوہے کے ہتھیار سے محروم تھی۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے' لکڑیاں تھیں' پتھر تھے اور جن کے پاس کچھ نہیں تھا وہ دشمن کے ہتھیار چھین کر حملہ آور ہونے کا جوش اور ولولہ رکھتے تھے۔

حضرت طالوتؑ کی فوج میں ان کا بیٹا یونتین بھی تھا۔ یہ نام آج کل جوناتھن کہلاتا ہے۔ وہ بہت بہادر تھا اور اس فکر میں تھا کہ کہیں سے ہتھیار حاصل کیے جائیں تو وہ ان ہتھیاروں سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرے اور انہیں مار بھگائے۔ اس نے اپنی اس خواہش کا ذکر اپنے باپ سے نہیں کیا مگر قابلِ اعتبار دوستوں سے کہا "ہمیں ہمارے دشمنوں نے آہن گری سے محروم کر دیا ہے۔"

عمونی بادشاہ ناحس نے بنی اسرائیلیوں کے خاص علاقے یبیس جلعاد کا محاصرہ کیا تھا جس سے یہاں کے بنی اسرائیلی بہت پریشان ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ بھی یہی مجبوری تھی کہ یہ ہتھیار سے محروم تھے اور عمونی بادشاہ کی فوج ہتھیاروں سے لیس تھی۔

یبیس جلعاد کے بڑوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ عمونی بادشاہ ناحس سے رحم کی درخواست کی جائے اور اسے کچھ دے دلا کر واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ ایک وفد کی شکل میں ناحس کے پاس گئے اور کہا "ہم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لیے تم ہم نہتوں کو معاف کر دو۔ اس

معافی کے صلے میں ہم سے جو مانگو گے' ہم مہیا کر دیں گے۔"

ناحس نے وفد کو جواب دیا "ٹھیک ہے۔ میں اپنی فوج کو حملہ کرنے سے روک دوں گا اور تم سے مال و زر بھی نہیں لوں گا مگر میں بنی اسرائیل کو مدتوں تک ذلیل و خوار دیکھنا چاہتا ہوں۔ ان میں ایک ایسی نشانی چھوڑ جانا چاہتا ہوں کہ بنی اسرائیلی جب بھی کسی کے سامنے جائیں تو دیکھنے والا فوراً یہ سمجھ لے کہ یہ ناحس کی رسوا کردہ ذلیل قوم کا ایک فرد ہے۔"

بنی اسرائیلی وفد کے سردار نے اس سے کہا "تم اپنی شرط بیان کرو۔ ہم اسے پورا کر دیں گے۔"

ناحس نے جواب دیا "تمام بنی اسرائیلیوں کی ایک ایک آنکھ نکال دی جائے۔ سارا شہر باہر آجائے اور قطار بندی کرے۔ میری فوج کے لوگ ان کی ایک ایک آنکھ نکال لیں گے تاکہ یہ لوگ آئندہ جس سے بھی ملیں تو انہیں دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں یہ جان لے کہ وہ عمونی بادشاہ ناحس کی سزا یافتہ قوم بنی اسرائیل کا ایک فرد ہے۔"

ناحس کی یہ ایسی شرط تھی جسے یہ وفد قوم سے مشورہ کیے بغیر نہیں مان سکتا تھا۔ وفد نے عمونی بادشاہ ناحس سے کہا "ہم نے تمہاری شرط سن لی اور چونکہ اس شرط کا تعلق قوم کے ایک ایک فرد سے ہے اس لیے ہم اسے ماننے کا حق نہیں رکھتے۔ ہم تمہاری یہ شرط اپنی قوم کے سامنے بیان کریں گے پھر جیسا جواب وہ دیں گے' ہم تمہیں اس سے مطلع کر دیں گے۔"

عمونی بادشاہ ناحس نے وفد سے پوچھا "تمہیں اس کے لیے کتنا وقت درکار ہے؟"

وفد نے جواب دیا "کم از کم سات دن۔۔۔۔ اس شرط کا تعلق جملہ بنی اسرائیل کے ایک ایک فرد کی ذلت' تحقیر اور رسوائی سے ہے۔ ہم اپنے قاصد کو بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں میں آباد لوگوں کے پاس بھیج دیں گے۔ شرط کے ماننے کا فیصلہ ہم یبیس جلعاد کے لوگ نہیں کر سکتے۔"

ناحس نے کہا "تم لوگوں نے بن یامین کی نسل میں سے کسی جوان کو اپنا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سننے میں آیا ہے کہ وہ بادشاہ ہم سے جنگ کرنا چاہتا ہے اس لیے تم جب اس بادشاہ کو ہماری شرط سے آگاہ کرو گے تو وہ ہم سے جنگ کرے گا۔ اس کے پاس ڈنڈے' لاٹھیاں اور پتھر ہوں گے۔ تم لوگ خود یہ سمجھ سکتے ہو کہ ان کے یہ معمولی ہتھیار لوہے کے ہتھیاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح بہت سے بنی اسرائیلی قتل کر دیے جائیں گے اور ان کا سب کچھ لٹ جائے گا۔ اس کے بعد جو زندہ بچیں گے' میں ان کی ایک ایک آنکھ بھی نکلوا دوں گا اس لیے تم اپنی قوم سے کہو کہ وہ ہماری شرط مان لے اور اپنی اپنی ایک آنکھ کے بدلے بہت بڑی تباہی سے بچ جائے۔"

وفد نے کہا "ہم ان نقصانات کا ذکر اپنی قوم کے لوگوں سے کر دیں گے۔ جس طرح ہم اپنی قوم کی ذلت و رسوائی کا سودا نہیں کر سکتے اسی طرح یبیس جلعاد کے لوگ بھی اپنی پوری قوم کی طرف سے یہ

شرمناک سودا کرنے پر تیار نہیں ہوں گے۔"

عمونی بادشاہ ناحس کو بنی اسرائیلیوں کی بے بسی سے خوشی ہو رہی تھی۔ اسے یہ یقین تھا کہ وہ سات دن کے بجائے چودہ دن کی مہلت چاہیں گے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نہتی قوم ہتھیار بند قوم کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

ناحس نے وفد سے کہا "چلو میں نے تمہیں سات دن دیے لیکن آخری دن میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ تمہیں آزادی ہے کہ ان سات دنوں میں جو چاہو کرو۔ اپنے بادشاہ کو جنگ کرنے پر آمادہ کرلو' خود فوج جمع کر دیا بنی اسرائیلیوں کے اتحاد سے ہمارے مقابلے پر آجاؤ۔ ہم تمہیں ہر قسم کی آزادی دے رہے ہیں لیکن آٹھویں دن اس آزادی کی مدت ختم ہو جائے گی اور پھر ہم وہ سب کریں گے جس کا ہمارا دل ہمیں حکم دے گا۔"

بنی اسرائیلی وفد اپنے قوم میں واپس آگیا اور عمونی بادشاہ ناحس سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔
یہ لوگ ناحس کی شرمناک شرطوں کو مان لینے پر تیار نہیں ہوئے۔

قوم کے ایک بزرگ نے وفد سے کہا "عمونی بادشاہ ناحس نے بن یامینی قبیلے کے بادشاہ طالوت کے حوالے سے جو بات کہی ہے وہ غلط نہیں ہے۔ اپنے کچھ آدمی اس کے پاس بھیجو۔ یہ اس سے کہیں کہ تم شموئیل نبی کے کہنے سے بنی اسرائیلیوں کے بادشاہ تو بنا دیے گئے' اب اس بادشاہی کا حق ادا کرو۔ بادشاہ چرواہے کی طرح اپنی قوم کا گلہ بان ہوتا ہے جو اپنے مویشیوں کی درندوں سے حفاظت کرتا ہے۔ اب تم بھی عمونی بادشاہ ناحس سے ہمیں بچاؤ۔"

یہ وفد اپنی قوم کا پیغام لے کر حضرت طالوتؒ کے پاس پہنچا اور ساری تفصیل بیان کر دی۔

حضرت طالوتؒ نے پہلے ہی سے تیاری کر رکھی تھی۔ جب انہیں یہ بتایا گیا کہ ناحس نے بنی اسرائیلیوں کو مدتوں رسوا کرنے کے لیے ان کے ہر فرد کی ایک ایک آنکھ کا مطالبہ کیا ہے تو حضرت طالوتؒ نے صاف صاف کہہ دیا کہ عمونی بادشاہ کا مقابلہ کیا جائے گا اور نہتے بنی اسرائیلی' ہتھیار بند عمونی قوم کا مقابلہ کریں گے۔

انہیں سات دن کا وقت ملا تھا اس لیے حضرت طالوتؒ نے فیصلہ کیا کہ معاملہ ان سات دنوں کے اندر ہی اندر اپنے انجام کو پہنچنا چاہیے۔

حضرت طالوتؒ نے چپکے چپکے عمونی بادشاہ ناحس سے مقابلہ کرنے کے لیے حکمت عملی تیار کی۔
نہتی فوج کے تین حصے کیے گئے۔ ایک حصے کو عمونی فوج کے سامنے پُرسکون حالت میں رکھا گیا۔ دوسرے حصے کو دشمن فوج کی رسد گاہ میں بھیجا گیا کہ وہ اس کے سامان پر قبضہ کرے۔ وہاں سے ان کو ہتھیار بھی مل سکتے تھے۔ تیسرے حصے کو بدحواس اور پریشان عمونیوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا گیا کہ یہ دستہ

افراتفری کے شکار عمونیوں سے ہتھیار چھین لے اور پھر ان ہتھیاروں سے عمونیوں کا مقابلہ کرے۔

یہ تینوں دستے منصوبے کے مطابق اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ بنی اسرائیلیوں کا جو دستہ سامان رسد اور ہتھیاروں کے ذخیرے پر حملہ کرنے سے تعلق رکھتا تھا' رات کے اندھیرے میں اس نے شدید حملہ کیا اور عمونیوں کی بے خبری سے بنی اسرائیلیوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔

عمونیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور ان بھاگنے والوں کو بنی اسرائیلیوں نے قتل کرنا شروع کر دیا۔ عمونی فوج نے اپنی افراتفری کے بعد قتل ہونے والوں پر توجہ دی تو بنی اسرائیلیوں کے دوسرے دستے نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور یہ ان حملہ آور بنی اسرائیلیوں کی طرف متوجہ ہوئے تو ان پر تیسرے دستے نے بھی حملہ کر دیا۔

اچانک' خلاف توقع رات کے اندھیرے میں عمونیوں پر ایسی افتاد آپڑی تھی کہ اب ان کے سامنے جان بچانے کی فکر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

عمونی بادشاہ ناحس بھی اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ راہِ فرار اختیار کرنے والوں کو روکے مگر کوئی بھی رکنے اور پلٹ کر مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اب عمونی بادشاہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت طالوتؒ نے حسن تدبیر سے نہتے ہونے کے باوجود بہت بڑی ہتھیار بند فوج پر فتح حاصل کر لی تھی۔

بنی اسرائیلی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ ناحس جیسے زبردست بادشاہ کو شکست دے دیں گے۔

اب بنی اسرائیلی حضرت شموئیلؑ کے شکر گزار ہوئے کہ انہوں نے بنی اسرائیلیوں کو ایک عقل مند اور بہادر بادشاہ دیا۔

وہ حضرت طالوتؒ کے بھی شکر گزار تھے جن کی ہمت و حسن تدبیر سے نہتے بنی اسرائیلیوں نے کچھ ہتھیار بھی حاصل کر لیے تھے اور ان کو شکست بھی دے دی تھی۔

جن بنی اسرائیلیوں نے حضرت شموئیلؑ اور حضرت طالوتؒ کی مخالفت کی تھی ان کے لیے فتح حاصل کرنے والے بنی اسرائیلیوں نے مطالبہ کیا کہ ان سب کو گرفتار کر لیا جائے اور ان پر قومی مفاد کے خلاف کام کرنے کا مقدمہ چلا کر قتل کر دیا جائے۔

جب یہ تجویز حضرت طالوتؒ کے سامنے رکھی گئی تو انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اعلان کر دیا کہ حملہ آور عمونیوں کو شکست دینے کی خوشی میں نہ تو کسی پر مقدمہ چلے گا اور نہ کسی کو سزا دی جائے گی۔

حضرت طالوتؒ نے اس دن کو رہائی کا دن قرار دیا اور رہائی کے دن نہ تو کسی کو گرفتار کیا جا سکتا تھا اور نہ مقدمہ چلایا جا سکتا تھا۔

حضرت شموئیلؑ نے اس خوشی کے موقع پر اعلان کیا "اب ہم طالوت کے ساتھ جلجال چلیں گے

اور وہاں عبادت گاہ میں اس فتح کی خوشی منائیں گے اور وہاں طالوت کی بادشاہی کا باقاعدہ اعلان کر دیا جائے گا اور وہیں بادشاہی کے اصول اور قوانین مرتب ہوں گے اور خدا سے توبہ و استغفار کر کے اپنی قوم کی بقا' برتری اور کامیابی کی دعا مانگی جائے گی۔"

جلجال پہنچ کر حضرت شموئیلؑ نے قربانیاں دیں اور حضرت طالوتؑ کو باقاعدہ بادشاہ بنا دیا۔

اس خوشی کے موقع پر حضرت شموئیلؑ نے کچھ اس طرح تقریر کی جس سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ حضرت شموئیلؑ اب ان میں نہیں رہیں گے۔ شاید ان کا کام اور ان کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔

انہوں نے کہا "لوگو! میں لڑکپن سے آج تک تمہارے سامنے چلتا رہا ہوں۔ اب تم خداوند اور اس کے ممسوح (طالوت بادشاہ) کے سامنے میرے منہ پر یہ بتاؤ کہ میں نے کسی کا بیل لیا یا کسی کا گدھا لے لیا۔ میں نے کسی کا حق مارا' کسی پر ظلم کیا یا کسی کے ہاتھ سے رشوت لی۔ میں نے کسی سے جو لیا ہو گا وہ واپس کر دوں گا۔"

تمام موجود بنی اسرائیلیوں نے بیک زبان ہو کر اعلان کیا "اے شموئیل! نہ تو تو نے ہمارا حق مارا ہے اور نہ ہم پر ظلم کیا ہے اور نہ تو نے کسی سے کچھ لیا۔"

اس وقت حضرت طالوتؑ کی حیثیت بہت نمایاں تھی۔ حضرت شموئیلؑ نے بادشاہ سے کہا "اے ممسوح! تم گواہ ہو کہ میرے ذمے کسی کا کچھ نہیں نکلا۔"

حضرت طالوتؑ نے جواب دیا "میں گواہ ہوں کہ خود قوم نے آپ کو ظلم و زیادتی' غلط لین دین اور رشوت سے بری قرار دیا۔"

اب حضرت شموئیلؑ نے ایک بار پھر مصر' حضرت موسیٰؑ حضرت ہارونؑ اور ہجرت کے حوالے سے اپنی قوم سے کہا "تمہارے لیے خداوند کافی تھا مگر تم نے اپنے خدا پر بھروسا نہیں کیا اور اپنے لیے ایک بادشاہ کا مطالبہ کر دیا۔ میں نے تم کو ایک بادشاہ دیا اور دعائیں بھی دیں۔ بادشاہ نے تم کو عمونیوں کے مقابلے میں فتح دلوادی۔ اب تمہارا فرض ہے کہ تم خداوند کے پیرو بنے رہو اور بتوں کی پرستش مت کرو۔"

بنی اسرائیلی دم بخود حضرت شموئیلؑ کی تقریر سنتے رہے۔ حضرت طالوتؑ بھی ایک فرمانبردار بندے کی طرح موجود رہے۔

اچانک حضرت شموئیلؑ نے پوچھا "کیا گیہوں کی فصل تیار ہے اور اس کی کٹائی کا دن آج ہی ہے؟"

لوگوں نے اقرار کیا "ہاں۔ گیہوں کی فصل تیار کھڑی ہے اور آج ہی سے اس کی کٹائی شروع ہو جائی

چاہیے۔"

حضرت شموئیلؑ نے اپنی بات پھر دہرائی "تم لوگوں نے اپنے خدا پر بھروسا نہیں کیا اور اپنے لیے ایک بادشاہ مانگ لیا۔ میں اسے تمہاری شرارت سمجھتا ہوں۔ اللہ ہمیں اور تمہیں اس شر کی سزا نہ دے۔"

ایک بنی اسرائیلی نے کہا "آپ ہمارے بادشاہ کے مطالبے کو شر کہتے ہیں۔ یہ عجیب شر ہے کہ اللہ نے ہمیں اس شر کے ذریعے عمونی بادشاہ پر فتح یاب کیا ہے۔"

حضرت شموئیلؑ نے اس اعتراض کو تحمل سے سنا اور جواب دیا "میں خدا کی موجودگی میں بادشاہ کی طلب کو ناجائز اور شر کہتا ہوں اور خدا بھی اسے ناجائز اور شر سمجھتا ہے۔ آج وہ میرے اس قول کی تصدیق کے لیے بادلوں سے کہے گا کہ خوب گرجیں اور خوب برسیں۔"

حضرت طالوتؑ نے بنی اسرائیلیوں کو سمجھایا کہ وہ اپنے نبی کو ناراض نہ کریں۔ مبادا وہ ان کے حق میں بددعائیں کریں اور وہ مصیبتوں میں گھر جائیں۔

جن بنی اسرائیلیوں نے حضرت شموئیلؑ کی باتیں ناخوشگواری سے سنی تھیں' وہ بادلوں کے گرجنے اور برسنے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد موسم بدل گیا۔ فضا میں بادل چھا گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گرج چمک شروع ہو گئی اور پھر موسلا دھار بارش بھی شروع ہو گئی۔ اب تو بنی اسرائیلیوں کو ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ اس طوفانِ بادوباراں سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ انہوں نے حضرت شموئیلؑ سے کہا "ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم بہت گناہ گار ہیں اور اپنے تمام گناہوں میں اپنے لیے بادشاہ مانگنے کے گناہ کا اضافہ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں خدا کو نظرانداز کر کے بادشاہ جیسی انسانی مخلوق پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر دیے جائیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے اپنی قوم کو یقین دلایا کہ وہ بددعا کرنے کا گناہ نہیں کریں گے اور کہا "اب تم بھی خدا سے ڈرو اور دل سے اس کی عبادت کرو۔ اگر تم اب بھی وعدہ کرنے کے باوجود شرارتیں کرتے رہے تو تم نابود کر دیے جاؤ گے۔"

○☆○

حضرت شموئیلؑ تو حضرت طالوتؑ کو بادشاہ بنا کر اپنے علاقے میں چلے گئے۔ حضرت طالوتؑ نے اپنی قوم کی رہنمائی کی' فوج مہیا کی حالانکہ ان کے پاس عمونیوں سے چھینے ہوئے تھوڑے سے ہتھیار تھے اور ان کے علاقوں میں آہن گر بھی نہیں تھے۔ جو ان کے لیے نئے ہتھیار تیار کرتے۔ فلسطیوں اور عمونیوں نے اپنے لوہاروں کو منع کر دیا کہ وہ کسی بھی بنی اسرائیلی کے ہاتھ فولاد کی کوئی چیز نہ بیچیں۔

اس ہدایت پر سختی سے عمل کیا گیا اور چوری چھپے جن بنی اسرائیلیوں نے ہتھیار خریدنا چاہے

انہیں مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔

حضرت طالوتؑ نے اپنے لیے تین ہزار اسرائیلی جوان چن لیے۔ یہ بیت ایل کے پہاڑ پر ان کے ساتھ رہنے لگے۔

ایک ہزار بن یامین کے قبیلے سے جوان لیے گئے۔ انہیں جیعہ میں جوناتھن کے پاس چھوڑ دیا گیا اور تمام بنی اسرائیلی اور بن یامینی لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جائیں اور جنگ کے لیے تیار رہیں۔

جوناتھن کو ہتھیاروں کی بڑی فکر تھی۔ اسے غصہ تھا کہ طاقتور عمونیوں اور فلسطیوں نے بنی اسرائیلیوں کو نہتا کر رکھا ہے۔ جوناتھن نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر اس کو ہتھیار قیمتاً نہیں ملیں گے تو وہ جبراً حاصل کر لے گا۔

چنانچہ اس نے اس طرح پہل کی کہ فلسطیوں کی چوکی پر اچانک حملہ کر دیا۔ ان کا قتل عام کیا اور ان کے ہتھیار قبضے میں کیے۔ جوناتھن کی اس اچانک کارروائی نے تیزی سے شہرت حاصل کی۔

حضرت طالوتؑ نے بنی اسرائیل کا حوصلہ بڑھانے کے لیے حکم دیا کہ جوناتھن نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کا بہت زیادہ چرچا کیا جائے۔ سرحدوں پر اور دشمنوں کی چوکیوں کے سامنے نرسنگے پھونک پھونک کر اعلان کر دیا جائے کہ فلسطیوں سے بنی اسرائیل کو اب تک جو نقصانات پہنچ رہے تھے، اب انہوں نے باقاعدہ دشمنی کی شکل اختیار کر لی ہے اس لیے اب بنی اسرائیلی حالت جنگی میں ہیں۔

ہر طرف نرسنگے پھونک دیے گئے اور حضرت طالوتؑ نے جو حکم دیا تھا اس پر عمل کیا جانے لگا۔

اب بنی اسرائیلی جلجال میں حضرت طالوتؑ کے چاروں طرف جمع ہونے لگے۔

فلسطیوں کو اس اعلان پر حیرت بھی ہوئی اور انہیں بنی اسرائیلیوں پر بے حد غصہ بھی آیا۔ وہ بھی بنی اسرائیلیوں سے لڑنے کے لیے جمع ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تیس ہزار رتھ اور چھ ہزار سوار میدانِ جنگ میں آ گئے۔ پیادوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ وہ صحرائی ریت کے زروں کی طرح بنی اسرائیل کے مقابلے پر جمع ہو گئے۔ جہاں یہ لوگ جمع ہوئے تھے، یہ جگہ مکماس کہلاتی تھی اور جلجال بھی قریب ہی تھا جہاں حضرت طالوتؑ چند ہزار جوانوں کے ساتھ مقیم تھے۔

بنی اسرائیلیوں نے پہاڑ کے اوپر سے میدان کا نظارہ کیا تو ان کے ہوش اڑ گئے کیونکہ ان کے پاس نہ تو اتنی بڑی فوج تھی اور نہ اتنے زیادہ جنگی وسائل۔

حضرت طالوتؑ نے بنی اسرائیلیوں کی بدحواسی اور بزدلی محسوس کر لی تھی۔ جن بنی اسرائیلی جوانوں کو فوج میں شامل کیا جا سکتا تھا، وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ فرار ہو گئے۔ کوئی پہاڑی غاروں میں روپوش ہو گیا تو کسی نے کسی شہر کی بلند و بالا اور مضبوط فصیلوں کے اندر پناہ لے لی۔ ان کے حوصلے

جواب دے گئے تھے۔ کافی لوگ دریائے اردن کے اس پار چلے گئے کیونکہ وہ یہاں سے زیادہ دور جا سکتے تھے۔

لیکن حضرت طالوتؑ نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ ان کے ساتھ جو بنی اسرائیلی تھے ان کی حالت بے حد غیر تھی۔ وہ کسی وجہ سے حضرت طالوتؑ کا ساتھ تو نہیں چھوڑ سکتے تھے مگر ان پر ہر وقت کپکپی طاری رہنے لگی تھی۔ انہیں ذرا سا یقین تھا کہ حضرت طالوتؑ ان کو اس جنگ میں محفوظ رکھیں گے۔

فلسطی ان پر اچانک حملہ آور نہیں ہوئے۔ سات دن پرسکون گزر گئے۔

اب حضرت طالوتؑ نے قربانی دی اور خدا سے فتح یابی کی دعا مانگی۔

قربانی کے بعد انہوں نے اپنے آدمیوں کی گنتی کی۔ یہ کل تین ہزار تھے۔ تین ہزار سواروں سے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ ایک بار پھر یہی مشکل پیش آئی کہ انہیں ہتھیار میسر نہیں تھے اور انہیں لوہار بھی میسر نہیں تھے۔ لڑتے تو کس طرح لڑتے۔ آدمیوں کی کمی ہتھیاروں کی ناموجودگی، جوانوں کا ادھر ادھر منتشر ہو جانا۔ یہ مجبوریاں لاحق تھیں۔

اس موقع پر بھی جوناتھن ہی نے ہمت دکھائی۔ اس نے کسی کو بتائے بغیر فلسطیوں پر چھاپا مارنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے چھ سو آدمی الگ کیے اور فلسطیوں کے عقب میں روانہ ہو گیا۔ اسے افسوس تھا کہ اس کے ساتھی بالکل نہتے تھے اور اگر کسی کے پاس کوئی ہتھیار تھا بھی تو اس پر دھار رکھنے کی ضرورت تھی اور دھار رکھنے والے فلسطیوں کے علاقے میں رہتے تھے۔

وہی منصوبہ بنا کہ دشمن سے ہتھیار چھین کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم لوگ فکر مت کرو۔ ہمت، حوصلے اور ایمان سے کام لو۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔"

چھ سو ساتھیوں کو یقین نہیں تھا کہ وہ اتنے بڑے لشکر سے جنگ کر کے فتح یابی سے ہمکنار ہو سکیں گے۔

دوسری طرف حضرت طالوتؑ جیعہ کے نشیب میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک انار کا درخت تھا۔ حضرت طالوتؑ اس درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ اس وقت ان کے ساتھ کل چوبیس سو آدمی تھے۔ ان چوبیس سو جوانوں میں ایک کاہن بھی تھا۔ اس نے بھی خود پہن رکھا تھا۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر اصل کارروائی جوناتھن انجام دے رہا تھا۔ وہ چوری چھپے فلسطیوں کی چوکیوں کے پیچھے پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہاں دائیں بائیں نکیلی چٹانیں آدمی کو آگے بڑھنے سے روک دیتی تھیں۔

جوناتھن نے اس ماحول کا اچھی طرح جائزہ لیا اور اسے وہ راستہ نظر آ گیا جس پر چل کر وہ فلسطیوں کی چوکی کے پیچھے پہنچ سکتا تھا۔ جوناتھن نے اپنے سلاح بردار ساتھی کو یہ راستہ دکھایا اور کہا "خدا نے

چاہا تو ہم اس راستے سے ان نامختونوں کے عقب میں پہنچ جائیں گے پھر اچانک ان کا قتل عام بھی کریں گے اور ان کے ہتھیار بھی ہمیں مل جائیں گے۔"

سلاح بردار ساتھی نے کہا "یہ درست کہ ہم فلسطیوں کے پیچھے چوکی تک پہنچ جائیں گے مگر اس وقت ہمارے ساتھ صرف چھ سو جوان ہیں اور فلسطی ہم سے بہت زیادہ ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خطرناک مہم میں ہم سب مارے جائیں۔"

جوناتھن نے کہا "تو عجیب آدمی ہے کہ تجھے خدا پر بھروسا نہیں ہے۔ تو پھر گناہ کر رہا ہے۔ کیا تو یہ نہیں جانتا کہ خدا جسے فتح یاب کرنا چاہتا ہے تو وہ تھوڑوں کو بہتوں پر غالب کر دیتا ہے۔ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔"

سلاح بردار نے کہا "مجھے الزام نہ دو کہ خدا پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے خدا پر بھروسا ہے' وہ ہمیں ضرور فتح یاب کرے گا اسی لیے میں تیرے ساتھ ہوں۔ جو تیرے دل میں ہے وہ کر' میں تو تیری مرضی کے مطابق تیرے ساتھ ہوں۔"

جوناتھن نے دور سے فلسطیوں کی چوکیوں کا جائزہ لیا۔ اس کے ذہن میں فلسطیوں پر حملہ کرنے کی ایک عجیب تدبیر آئی۔ اس نے ان چھ سو ساتھیوں کو حکم دیا "تم سب ادھر ادھر چھپ جاؤ اور ہم دونوں کو بے یار و مددگار فلسطیوں کے پاس جانے دو۔ ہم دونوں ان کے پاس ڈرے سہمے اور بھاگے ہوئے بنی اسرائیلیوں کی طرح جائیں گے۔"

فلسطیوں نے یہ سن رکھا تھا کہ بنی اسرائیلی ان کے خوف سے ادھر ادھر بھاگ گئے ہیں اور جہاں کہیں بھی روپوش ہوں گے' انہیں کھانے پینے کی پریشانی لاحق ہوگی۔

پوری رات صبح کے انتظار میں گزارنے کے بعد جوناتھن اور اس کا سلاح بردار جوان اپنے ہتھیار چھپا کے نہتے فلسطیوں کی طرف بڑھے۔

دوسری طرف فلسطی بھی نہایت ہوشیاری سے پہرا دے رہے تھے۔ انہوں نے دو نہتے پریشان حال' ڈرے سہمے جوانوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے یہی اندازہ لگایا کہ یہ دونوں بنی اسرائیلی بھوک پیاس کے مارے ان سے کچھ مانگنے آ رہے ہیں۔

فلسطی انہیں دیکھ کر ہنسنے لگے اور اشارے سے کہا "کیا بات ہے؟ ڈرو مت' ہمارے قریب آؤ۔"

یہ دونوں گھٹنوں کے بل آگے بڑھے تو فلسطی زور زور سے ہنسنے لگے اور کہا "بالکل نہ ڈرو۔ سیدھے کھڑے ہو کر ہمارے پاس آؤ۔ ہم جانتے ہیں کہ تمہارے بادشاہ نے تم کو مصیبت میں ڈال دیا ہے۔"

جوناتھن نے اپنے ساتھی سلاح بردار سے آہستہ سے کہا "ان فلسطیوں میں ان کے علاقوں میں آباد... بنی اسرائیلی بھی ہیں اور انہیں ہمارے خلاف لڑنا پڑے گا۔ ہم کوئی ایسی تدبیر کریں کہ بنی اسرائیلی

ہماری طرف آ جائیں۔ اس طرح ہماری تعداد بھی بڑھ جائے گی اور ہم آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

یہ دونوں ڈرے سہمے منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اوپر فلسطی یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ دونوں بھوکے پیاسے بنی اسرائیلی ان سے خوف زدہ ہیں اور جان کے خوف سے آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ ایک فلسطی نے کہا "ڈرو نہیں۔ ہمارے قریب آؤ اور بتاؤ کہ تمہیں کیا چاہیے۔"

جوناتھن نے اپنے سلاح بردار سے پوچھا "تیرے پاس چھرا تو ہوگا؟"

سلاح بردار نے جواب دیا "چھرا بھی ہے اور کئی دوسرے چھوٹے ہتھیار بھی ہیں۔"

جوناتھن نے کہا "یہ فلسطی اپنے ہتھیار الگ رکھ کے اطمینان سے بیٹھا ہے۔ دوسرے فلسطیوں کا بھی یہی حال ہوگا۔ میں آگے بڑھ کے اس کے گلے لگ جاؤں گا اور اس کا منہ بند کر دوں گا۔ تم چھرے سے اس کا کام تمام کر دینا۔ میں اسی طرح بڑھتا رہوں گا اور تم پیچھے اپنا کام کرتے جانا۔"

فلسطی نے دور ہی سے کہا "تم لوگ تو ہمارے ڈر سے چوہوں کی طرح بل میں گھس گئے تھے لیکن تمہاری زندگی کی احتیاج تمہیں بلوں سے باہر لے آئی۔ تمہارے بادشاہ اور اس کے بیٹے نے ہمارے ساتھ جو زیادتی کی ہے' اس کی سزا پوری قوم کو بھگتنا پڑے گی۔"

جوناتھن نے ان فلسطیوں میں بنی اسرائیلیوں کی خاصی تعداد دیکھی تو اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ فلسطی نے آگے بڑھ کر جوناتھن کو کھڑا کیا اور اس کے گلے لگ گیا۔ پیچھے سے سلاح بردار نے اس کا کام تمام کر دیا۔

جوناتھن نے فلسطی کا منہ دبا رکھا تھا جس سے وہ چیخ بھی نہیں سکا۔ اس ترکیب سے ان دونوں نے دس بارہ فلسطیوں کا کام تمام کر دیا۔ جوناتھن نے فلسطیوں کی فوج میں موجود کئی بنی اسرائیلیوں سے کہا "تم سب بنی اسرائیلی فلسطیوں کو قتل کرنا شروع کر دو۔ ہمارے چھ سو آدمی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ انہیں ہتھیار مل جائیں گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔"

جوناتھن کا یہ پیغام بنی اسرائیلیوں تک پہنچ گیا اور انہوں نے فلسطیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس عرصے میں جوناتھن کے چھ سو آدمیوں کو بھی ہتھیار مل گئے۔ انہوں نے بھی فلسطیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

دوسرے فلسطیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ سیکڑوں ہتھیار بند بنی اسرائیلی ان کو قتل کرتے ہوئے بڑھے چلے آ رہے ہیں اور ان کی فوج کے بنی اسرائیلی بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں تو انہوں نے بدحواسی میں راہِ فرار اختیار کی۔ بنی اسرائیلیوں نے ان کو دوڑا دوڑا کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

دور جلجال کی پہاڑی سے حضرت طالوتؑ نے بھی یہ منظر دیکھا۔ انہیں ایسا لگا جیسے فلسطی آپس میں

کٹ مر رہے ہیں۔

حضرت طالوتؑ نے کہا "لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ فلسطی فلسطی کو مارے۔ وہاں تک ہمارے کچھ آدمی ضرور پہنچ گئے ہیں اور یہ وہی کر رہے ہیں۔"

کاہن نے کہا "میں اپنے آدمیوں میں دیکھتا ہوں کہ کون موجود نہیں ہے۔"

حضرت طالوتؑ نے دوسروں سے کہا "تابوتِ سکینہ لاؤ تاکہ اس کی برکت سے ہم فلسطیوں پر فتح حاصل کریں۔"

لوگ تابوتِ سکینہ حضرت طالوتؑ کے پاس لے کر پہنچے۔ دوسری طرف سے کاہن نے یہ خبر دی کہ ان کی فوج میں جوناتھن اور اس کے ساتھی موجود نہیں ہیں۔

اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ حملہ جوناتھن نے کیا اور فلسطیوں سے ان کے ہتھیار چھین کر جنگ شروع کر دی ہے۔

حضرت طالوتؑ نے اپنی مختصر سی فوج کو حکم دیا "اب تم بھی آگے بڑھو اور فلسطیوں پر حملہ کر دو۔"

حضرت طالوتؑ بھی اپنی مختصر فوج کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوگئے۔ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ فلسطی آپس ہی میں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے کاہن سے کہا "جوناتھن کو تلاش کر۔ وہ اگر نہ ملے تو اس کے کسی ساتھی کو ڈھونڈ اور اس سے پوچھ کہ یہ آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں۔"

کچھ دیر بعد کاہن نے آکر یہ خبر دی کہ اس لڑائی میں چھ سو جنگجو جوناتھن کے بنی اسرائیلی ہیں اور انہوں نے دشمن سے ہتھیار چھین لیے ہیں اور جو فلسطی آپس میں برسرپیکار ہیں' ان میں بھی فلسطیوں کے ساتھ آئے ہوئے بنی اسرائیلی فلسطیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔ اب انہیں بھی فلسطیوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔

اب تو ہر طرف یہ خبر مشہور ہوگئی کہ فلسطی میدان جنگ سے بھاگ رہے ہیں۔ یہ خبر بنی اسرائیلیوں اور بن یامینیوں کو ملی جو فلسطیوں کے خوف سے ادھر ادھر روپوش ہوگئے تھے۔ اب وہ بھی باہر نکل آئے اور فلسطیوں پر حملہ کر دیا۔

حضرت طالوتؑ نے عام اعلان کر دیا " فلسطیوں کو چونکہ شکست ہو چکی اور وہ بھاگ رہے ہیں اس لیے ان کا پیچھا کیا جائے اور جب تک ہمیں مکمل فتح حاصل نہ ہو جائے کسی کو کچھ کھانا نہیں چاہیے۔ جو اس حکم کو نہیں مانے گا اور کچھ کھا لے گا تو وہ ملعون ہوگا۔"

بنی اسرائیلی پیچھا کرتے ہوئے ایک ایسے جنگل میں داخل ہوگئے جہاں شہد کی بھرمار تھی۔ ان کا جی تو بہت چاہا کہ ذرا دم لے کر شہد کھا لیں لیکن حضرت طالوتؑ کے حکم کی وجہ سے وہ شہد نہیں کھا سکے۔

جوناتھن کو نہیں معلوم تھا کہ اس کے باپ نے کھانے سے سب کو منع کر دیا ہے اور کچھ کھانے

والے کو ملعون کہا ہے۔ چنانچہ جوناتھن نے لاعلمی میں شہد کے چھتے میں اپنا عصا بھونک دیا۔ عصا کے دباؤ سے جو شہد نکلا' منہ لگا کر اسے کھا لیا۔ جوناتھن نے شہد کے اثر سے اپنی بینائی کو تیز ہوتے ہوئے محسوس کیا۔

ایک بنی اسرائیلی نے جوناتھن سے کہا "یہ تو نے کیا کیا! تیرے باپ نے ہم سب کو فتح کے مکمل ہونے تک کچھ کھانے سے منع کر دیا ہے اور تو نے شہد کھا لیا۔ تو تو ملعون ٹھہرے گا۔"

جوناتھن نے کہا "مجھے اس کا علم نہیں تھا مگر تو میری آنکھوں میں دیکھ کہ شہد کھانے سے ان میں کیسی روشنی آگئی ہے۔ جہاں تک مکمل فتح حاصل کرنے کا معاملہ ہے تو اس میں ابھی دن لگیں گے۔ یہ کوئی بڑی جنگ نہیں ہے' ایک معمولی سی خوں ریزی ہے۔ میرے باپ نے تمہیں کچھ نہ کھانے کی قسم دے کر تم پر بڑا ظلم کیا ہے۔"

لوگوں نے یہ خبر حضرت طالوتؑ تک پہنچا دی کہ جوناتھن نے حضرت طالوتؑ کے کچھ نہ کھانے کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے اور بہت سارا شہد کھا لیا۔ اس سے بھی زیادہ اس نے یہ زیادتی کی کہ ان کے حکم کو ملک اور قوم کے لیے برا قرار دیا جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ بہتوں نے دشمن سے چھینے ہوئے مویشی ذبح کیے اور عجلت میں ان کے خون سمیت گوشت کھا گئے۔

حضرت طالوتؑ نے سب کو عبادت گاہ میں لے جا کر حکم دیا "اب تم سب جانور ذبح کرو اور اسے آگ پر پکا کر کھاؤ تاکہ گوشت میں خون نہ رہ جائے۔"

چنانچہ یہاں بہت سے جانور ذبح کیے گئے اور خدا کے نام پر بھی قربانی دی گئی۔ بنی اسرائیلیوں نے خوب پیٹ بھر کے کھایا۔ شکم سیر ہونے کے بعد انہیں حکم دیا گیا کہ وہ فلسطیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کریں اور ان کا مال اور مویشی لوٹ کر اپنے قبضے میں لے لیں۔

اب بنی اسرائیلی بہت مالدار بھی ہوگئے تھے اور ان کے پاس بہت زیادہ مویشی بھی آگئے تھے۔

اب حضرت طالوتؑ کے سامنے جوناتھن کا مقدمہ پیش ہوا۔

حضرت طالوتؑ نے جوناتھن کو گناہ گار قرار دیا مگر جن لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ بنی اسرائیلیوں نے اتنی بڑی فتح صرف جوناتھن کی وجہ سے حاصل کی تھی وہ جوناتھن کو گناہ گار نہیں مان رہے تھے۔ حضرت طالوتؑ نے ان سے کہا "تب پھر میں گناہ گار ہوں کہ میں نے مکمل فتح حاصل کرنے سے پہلے سب کو کھانے سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا جو اس حکم کے باوجود کھائے گا' ملعون ہوگا۔ اب یا تو میرا حکم غلط تھا یا جوناتھن گناہ کا مرتکب ہوا۔ جوناتھن نے نہ صرف میرے حکم کی خلاف ورزی کی بلکہ میرے حکم کو ملک و قوم کے لیے مضر قرار دیا۔ اس کے نتیجے میں دوسرے کئی بنی اسرائیلیوں نے بھی جانور ذبح کیے اور خون سمیت گوشت کھا گئے۔"

کاہن نے کہا "مقدمہ سنگین ہے مگر اب یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ طالوت کے ساتھ یا جوناتھن کے ساتھ۔"

لوگوں کی اکثریت جوناتھن کے ساتھ تھی کیونکہ فلسطیوں پر بنی اسرائیلیوں کی فتح جوناتھن کی کوششوں سے ہوئی تھی اور بنی اسرائیلیوں کو جوناتھن کی تدبیروں سے ہتھیار ملے تھے۔

کاہن نے حضرت طالوتؑ کے کہنے سے ناموں کے قرعے ڈالے کہ دونوں میں سے گناہ گار کون ہے تو قرعہ میں حضرت طالوتؑ تو بری ہو گئے اور جوناتھن گناہ گار ٹھہرا۔

حضرت طالوتؑ نے اعلان کیا "خدا نے مجھے بری کردیا اور جوناتھن گناہ گار قرار پایا۔ یہ ملعون ہے اس لیے اس کو قتل کردیا جائے گا۔"

جوناتھن نے کہا "میں نے تو بنی اسرائیلیوں کو فتح دلوائی۔ اگر اس کے باوجود میں گناہ گار ہوں تو مجھ کو قتل کردیا جائے۔"

حضرت طالوتؑ نے بھی اعلان کیا "جوناتھن گناہ گار ہے اس لیے اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

جوناتھن کا سلاح بردار آگے بڑھا اور سب کو وہ تفصیل بتائی جس سے بنی اسرائیلیوں کو فتح حاصل ہوئی تھی اور کہا "کم از کم میں جوناتھن کو کسی سزا کا مستحق نہیں سمجھتا۔ اگر جوناتھن کو سزا دی جائے تو مجھ کو بھی سزا دی جائے۔"

جوناتھن کے چھ سو بنی اسرائیلی ساتھیوں میں سے کچھ اور سامنے آ گئے اور کہا "جب طالوت بادشاہ نے کچھ نہ کھانے کا اعلان کیا اور اپنے حکم میں کھانے والے کو ملعون قرار دیا تو یہ حکم جوناتھن سمیت ہم میں سے کسی نے بھی نہیں سنا تھا اس لیے اس حکم کی خلاف ورزی کا گناہ ہم پر عائد نہیں ہوگا۔ جوناتھن بھی بے گناہ ہے۔"

حضرت طالوتؑ نے کہا "جوناتھن نے میرا حکم سننے کے بعد لوگوں سے کہا کہ یہ حکم قوم اور ملک کے لیے مضر ہے۔ جوناتھن کی اس تردید کی وجہ سے بنی اسرائیلیوں نے کھانے کا جرم کیا۔ اس لیے خدا نے جوناتھن کو گناہ گار اور خطا کار ٹھہرایا اور میں اس کو قتل کرنے پر مجبور ہوں۔"

چھ سو بنی اسرائیلی سامنے آ گئے اور کہا "ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ گناہ اور سزا کے نام پر اگر جوناتھن کا ایک بال بھی جسم سے الگ ہوا تو ہم سب اپنی جانیں دے دیں گے کیونکہ جوناتھن ہمارا جنگی رہنما ہے۔"

ان چھ سو کے علاوہ ہزاروں دوسرے بنی اسرائیلی بھی جوناتھن کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت طالوتؑ سے درخواست کی "جوناتھن کو کوئی سزا نہ دی جائے۔"

اب حضرت طالوتؑ کے لیے جوناتھن کو سزا دینا ممکن نہیں رہا۔ کاہن نے بھی حضرت طالوتؑ سے

جوناتھن کی سفارش کی اور کہا "قرعے نے تو جوناتھن کو گناہ گار قرار دیا مگر ہزاروں بنی اسرائیلیوں کے دلوں میں خدا نے محبت پیدا کردی ہے اس لیے جوناتھن کو کوئی سزا نہ دی جائے۔"

حضرت طالوتؑ نے جوناتھن کو مبارکباد دی۔ "بے جان قرعہ نے تجھ کو گناگار قرار دیا تھا مگر جاندار ہزاروں دلوں نے تجھے بے گناہ قرار دیا اس لیے تجھے معاف کیا گیا۔"

○☆○

خدا نے حضرت طالوتؑ کو اتنا طاقت ور کردیا کہ ادومی، عمونی، موآبی، فلسطی اور عمالیقی زیر ہوتے چلے جا رہے تھے اور بنی اسرائیلی ان سب پر حاوی ہوتے چلے گئے۔

جب حضرت طالوتؑ کو اپنی قوت اور دبدبے کا اطمینان ہو گیا تو حضرت شموئیلؑ نے انہیں تلقین کی "اب احتیاط سے کام لو اور وہی کرو جس کا خداوند تمہیں حکم دے۔"

حضرت طالوتؑ نے وعدہ کیا "میں خداوند کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا۔"

حضرت شموئیلؑ نے حضرت طالوتؑ کو بتایا "تیری جن لوگوں سے جنگیں ہو رہی ہیں ان میں سب سے بڑے عمالیق ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس نے مصر سے آنے والے بنی اسرائیلیوں سے دھوکا کیا تھا اور ان کے مقابلے پر آ گئے تھے۔ انہوں نے بنی اسرائیلیوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اب چونکہ ہمیں خدا نے طاقت دے دی ہے اور ہم نے اپنے مخالفوں کو زیر کرلیا ہے تو میں تمہیں عمالیقیوں کے بارے میں خدا کے حکم سے آگاہ کرتا ہوں۔ تم ان کے ساتھ رحم اور مروت سے کام نہیں لوگے۔ عمالیقیوں سے مقابلہ ہو اور ان پر فتح حاصل کرلو تو انہیں بالکل تباہ و برباد کردینا۔ ان کا ایک متنفس زندہ نہ چھوڑا جائے۔ ان کے مویشی ہلاک کردیے جائیں اور ان کی بستیوں کو آگ لگا دی جائے۔"

لیکن حضرت طالوتؑ کا جب قوم عمالیق سے مقابلہ ہوا تو فتح حاصل کرنے کے بعد ان کے بادشاہ اجاج کو گرفتار کرلیا، ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیا اور ان کے بہترین مویشی پسند کر کے الگ کر لیے بقیہ کو ہلاک کردیا۔

حضرت طالوتؑ اور ان کے ساتھیوں نے مویشیوں کے انتخاب پر بڑی توجہ دی تھی۔ انہوں نے جتنے بھی صحت مند مویشی تھے، انہیں اپنے لیے الگ کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ مویشیوں کے بچے بھی بچا لیے تھے لیکن جو مویشی ناقص اور ناکارہ تھے، انہیں ہلاک کردیا۔ اسی طرح پہلے تو خوب لوٹ مار کی اور دشمن کا قیمتی سامان اپنے قبضے میں کیا اور پھر بستیوں کو آگ لگا دی۔

عمالیق کا بادشاہ اجاج زندہ گرفتار ہوا تھا۔ اسے حضرت طالوتؑ اپنے ساتھ محل میں لے گئے۔

حضرت شموئیلؑ کو یہ ساری باتیں معلوم ہوئیں تو انہیں بہت دکھ پہنچا۔ وہ حالت غیظ و غضب میں حضرت طالوتؑ سے ملے اور پوچھا "یہ تو نے کیا کیا۔ خدا کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی ہے حالانکہ

میں نے تجھے خدا کے حکم سے آگاہ کردیا تھا کہ معافی اور مروت .... عمالیق کے لیے نہیں ہے۔ انہیں مویشیوں سمیت نیست و نابود کردیا جائے لیکن تم نے صرف ان مویشیوں کو نیست و نابود کیا ہے جو بالکل ناقص اور ناکارہ تھے۔ اسی طرح تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے پہلے تو لوٹ مار کی اور اپنی پسند کی قیمتی چیزیں اپنے قبضے میں کرلیں اس کے بعد فضول سامان کو آگ لگادی۔"

حضرت طالوتؑ نے پوچھا "اب کیا ہوگا؟"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "تو نے خدا کی نافرمانی کی ہے اس لیے تیرا نام بادشاہت سے خارج کردیا گیا اور تیری جگہ کسی دوسرے کو بادشاہ بنادیا گیا ہے۔"

حضرت طالوتؑ نے کہا "لیکن میں نے تو عمالیقیوں کو ان کے مویشیوں سمیت ہلاک کردیا۔ اس لیے میرا نام بنی اسرائیل کی بادشاہت سے خارج نہیں ہونا چاہیے۔"

اسی وقت مویشیوں نے بولنا شروع کردیا۔ ان آوازوں میں گدھوں، بھیڑوں، بکریوں اور ان کے بچوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ حضرت شموئیلؑ ان آوازوں کو سنتے رہے اور پھر کہا "کیا یہ لوٹ کے مویشیوں کی آوازیں نہیں ہیں؟"

حضرت طالوتؑ نے لاجواب ہوکر پوچھا "اب میں کیا کروں؟ یہ تو میرے ساتھی تھے جو انہیں اپنے ساتھ لے آئے اور ان سب کا یہی کہنا ہے کہ انہیں خدا کے لیے ذبح کیا جائے۔ اب میں ان سارے جانوروں کو خدا کی راہ میں ذبح کروادوں گا۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹ مار کی اور خدا کی نافرمانی کی ہے۔"

حضرت طالوتؑ نے وعدہ کیا "وہ لوگ بھی اچھے نہیں ہیں جو لوٹ مار میں آگے آگے تھے اور انہی کی وجہ سے میری بدنامی ہوئی۔ اب میں ان سارے جانوروں کو خدا کے نام پر ذبح کروادوں گا تاکہ خدا مجھ سے راضی ہوجائے۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "تو کچھ بھی کرلے مگر خدا کا قہر کم نہیں ہوگا۔ خدا قربانیوں سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا اس کے فرمان کو مان لینے سے اس کو خوشی ہوتی ہے۔ فرمانبرداری قربانی سے اور بات ماننا مینڈھوں کی چربی سے بہتر ہے۔ تو نے خداوند کے حکم کو رد کیا اس لیے خدا نے تجھ کو رد کردیا۔"

حضرت طالوتؑ نے بڑی منت سماجت کی مگر حضرت شموئیلؑ نے ان کی ایک نہ سنی اور حضرت طالوتؑ کو مسلسل ڈراتے رہے۔ آخر حضرت طالوتؑ نے کہا "میں یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے خداوند کا حکم مانا اور جس راہ پر خداوند نے مجھے بھیجا میں اس پر چلا۔ میں عمالیق کے بادشاہ اجاج کو لایا ہوں اور عمالیقیوں کو نیست و نابود کردیا لیکن اگر آپ کہتے ہیں کہ میں نے گناہ کیا ہے تو میں خوشامد کرتا ہوں کہ

آپ میرا گناہ معاف کردیں۔"

حضرت شموئیلؑ نے کوئی جواب نہ دیا اور جانے کے لیے مڑے تو حضرت طالوتؑ نے پیچھے سے ان کا دامن پکڑلیا جس سے دامن چاک ہوگیا۔

حضرت شموئیلؑ نے مڑ کر کہا "اس دامن کی طرح تیری بادشاہت بھی چاک کردی گئی۔ تیری بادشاہی تیرے پڑوسی کو دے دی گئی ہے۔ عنقریب اس کے گرد قوم کے لوگ جمع ہوجائیں گے اور اس کو ہنسی خوشی اپنا بادشاہ بنالیں گے۔"

حضرت طالوتؑ خوشامد درآمد کرکے حضرت شموئیلؑ کو عبادت گاہ میں لے گئے اور حضرت شموئیلؑ کے ساتھ خدا کو سجدہ کیا۔ سجدے کے بعد حضرت شموئیلؑ نے پوچھا "عمالیق کا بادشاہ اجاج کہاں ہے؟ اس کو میرے پاس لاؤ۔"

حضرت طالوتؑ نے اجاج کو حضرت شموئیلؑ کی خدمت میں پیش کردیا۔

اجاج کا خیال تھا کہ حضرت شموئیلؑ اس کو معاف کردیں گے، کہنے لگا "مجھے ایسا لگتا ہے کہ موت کی تلخی ٹل گئی ہے۔"

حضرت شموئیلؑ نے کہا "جیسے تیری تلوار نے بنی اسرائیل کی عورتوں کو بے اولاد کیا ہے، ویسے ہی آج تیری ماں بے اولاد ہوجائے گی۔"

اور پھر حضرت شموئیلؑ نے اجاج کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اس کے بعد حضرت شموئیلؑ نے حضرت طالوتؑ سے کبھی بھی ملاقات نہیں کی۔

اب انہیں حضرت طالوتؑ کی جگہ نئے بادشاہ کی تلاش تھی اور یہ انہیں روت کے خاندان سے ملنے والا تھا۔

حضرت طالوتؑ کی طبیعت منتشر رہنے لگی۔ اب انہیں یکسوئی کی فکر تھی مگر وہ ان سے کوسوں دور تھی۔

حضرت طالوتؑ کو طبیبوں نے مشورہ دیا کہ اگر وہ سکون اور اطمینان چاہتے ہیں تو کسی ساز بجانے والے کو اپنے ساتھ رکھ لیں۔

اب کسی سازندے کی تلاش ہوئی اور کسی نے انہیں بتایا کہ حضرت ہارونؑ کے خاندان میں ایک شخص ہے۔ اس کے آٹھ بیٹے ہیں اور اس کا سب سے چھوٹا بیٹا بہترین ساز بجاتا ہے۔ مویشی چراتا اور ساز بجانا اس کے مشاغل ہیں۔ وہ اسے اپنے پاس بلالیں، وہ انہیں خوش رکھے گا۔

یہ حضرت داؤدؑ تھے۔ حضرت طالوتؑ نے انہیں بلوا کے پوچھا "سنا ہے کہ تم بربط خوب بجاتے ہو؟"

حضرت داؤد نے بربط بجا کے سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہیں سکون میسر آ گیا۔ اب حضرت داؤد کو حضرت طالوتؑ کے محل میں جگہ مل گئی۔ جب بھی حضرت طالوتؑ پر بے سکونی کا دورہ پڑتا تو حضرت داؤد بربط بجا کے ان کی بے سکونی دور کر دیتے اور طبیعت بحال ہو جاتی۔ اسی دوران میں فلسطیوں نے تیاری کی اور حضرت طالوتؑ سے بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔

حضرت شموئیلؑ کے بقول خدا حضرت طالوتؑ سے ناراض ہو چکا تھا اور حضرت شموئیلؑ نے بھی ان سے ملنا چھوڑ دیا۔ اس لیے اب حضرت طالوتؑ میں پہلی جیسی یقینی کیفیت نہیں رہ گئی تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے جوناتھن سے کہا فلسطیوں سے جنگ کے لیے فوجیں جمع کر لے کیونکہ سنا ہے فلسطی قریب آ چکے ہیں اور شہر شوکہ اور عزیقہ کے درمیان خیمہ زن ہیں۔

حضرت طالوتؑ اور جوناتھن اپنی فوجیں لے کر فلسطیوں کے قریب ایلہ کی وادی میں خیمہ زن ہو گئے۔ اب یہ دونوں پہاڑوں پر تھے۔ ایک پہاڑ پر فلسطی تھے اور دوسرے پر بنی اسرائیلی۔

کچھ دیر بعد حضرت طالوتؑ کو بتایا گیا کہ دشمن کی فوج میں جالوت نامی ایک پہلوان ہے۔ اس کا قد چھ ہاتھ ایک بالشت ہے اس کے سر پر پیتل کا خود ہے اور پیتل ہی کی زرہ پہنے ہوئے ہے جو وزن میں پانچ ہزار مثقال کے برابر ہے۔ ٹانگوں پر پیتل کے دو ساق پوش چڑھے رہتے ہیں۔ اس کے بھالے کی چھڑ جولاہے کے شہتیر جتنی ہے۔ اس کے نیزے کا پھل چھ سو مثقال لوہے کا ہے اور سپر لیے ہوئے سپر بردار اس کے آگے موجود رہتا ہے۔ وہ سامنے کھڑا چلا چلا کے ان کے لشکر کے کسی پہلوان کو بلا رہا ہے۔

حضرت طالوتؑ نے اپنے ایک سپاہی کو حکم دیا "وہاں جاؤ اور دیکھ کر بتاؤ کہ وہ ایسا ہی ہے' جیسا بتایا گیا ہے اور اس کی سنو کہ وہ کہتا کیا ہے۔"

یہ شخص جالوت کے سامنے گیا اور اس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ اسے نظر بھر کے دیکھنے میں بھی ڈر محسوس کر رہا تھا۔ جالوت کھڑا للکار رہا تھا "لوگو! میں فلسطی ہوں۔ تم مجھ سے جنگ کرنے آئے ہو۔ میں بھی جنگ کرنے نکلا ہوں۔ میں فلسطی ہوں اور تم لوگ طالوت کے خادم ہو۔ اپنے میں سے کسی شخص کو میرے پاس بھیجو کہ وہ مجھ سے لڑے اور مجھے قتل کر ڈالے میرے قتل کے بعد میری قوم تمہاری غلام ہو جائے گی اور اگر میں تمہارا آدمی قتل کر ڈالوں تو تم ہماری غلامی میں آ جاؤ گے۔"

حضرت طالوتؑ کی طرف سے کوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔

جالوت نے غصے میں کہا "میں آج کے دن اسرائیلی فوجوں کی فضیحت کرتا ہوں۔ کوئی مرد ہے تو نکالو۔"

لشکر میں حضرت داؤد کے بھائی بھی شامل تھے۔ حضرت داؤد ان کی خیریت معلوم کرنے اور کھانا دینے آئے تھے۔ انہوں نے بھی یہ آواز سنی۔ وہ بھائیوں اور حضرت طالوت سے اجازت لے کر جالوت

کے مقابلے پر جانے لگے تو ان کو منع کیا گیا کیونکہ جالوت کے مقابلے میں ان کا قد بھی کم تھا۔ نوجوان تھے اور جنگ کا تجربہ بھی نہیں تھا۔

منع کرنے کے باوجود وہ لاٹھی گوپھن اور پانچ پتھر لے کر جالوت کے مقابلے میں پہنچ گئے۔ گوپھن سے نشانہ جو لیا تو پتھر جالوت کی پیشانی میں پیوست ہو گیا اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حضرت داؤدؑ نے اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا اور اس کے سر' تلوار اور مقتول کی کئی چیزوں کے ساتھ حضرت طالوتؑ کے پاس پہنچے۔

فلسطیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بنی اسرائیلیوں نے ان کا پیچھا کیا۔

فلسطیوں کو شکست دینے کے بعد جب حضرت طالوتؑ کی واپسی ہوئی تو حضرت داؤد کی شہرت پھیل چکی تھی۔ عورتیں خوشی سے ناچتی اور گاتی ہوئی حضرت طالوتؑ کے استقبال کو نکلیں۔ باجے بج رہے تھے اور عورتیں گا رہی تھیں "طالوت نے تو ہزاروں کو پر داؤد نے لاکھوں کو مارا۔"

حضرت داؤدؑ کی ستائش حضرت طالوتؑ کو گراں گزری اور انہوں نے یہ بات دل میں رکھ لی کہ کہیں یہ نوجوان انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ حضرت طالوتؑ نے وعدہ کیا تھا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا اس سے اپنی بڑی بیٹی کی شادی کر دیں گے لیکن حضرت طالوتؑ نے بڑی بیٹی میرب کی شادی تو کسی اور سے کر دی' چھوٹی بیٹی میکل سے حضرت داؤدؑ کی شادی کر دی۔

حضرت طالوتؑ کا بیٹا جوناتھن' حضرت داؤدؑ کو بہت پسند کرتا تھا۔ اس نے حضرت داؤدؑ سے لباس بدل کر انہیں بھائی بنا لیا۔

جوناتھن' حضرت طالوتؑ کے احترام میں خود کو دور رکھنے کی کوشش کی۔ کبھی حضرت طالوتؑ کا قرب حاصل ہو جاتا' کبھی دونوں ایک دوسرے سے دور ہو جاتے۔ آخر جب بیوی میکل نے بھی یہ بتایا کہ وہ حضرت طالوتؑ سے دور رہیں تو انہوں نے یروشلم کا رخ کیا اور حضرت شموئیلؑ سے ملاقات کی۔ انہیں بتایا کہ ان دنوں وہ کن پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

حضرت شموئیلؑ پہلے ہی یہ بتا چکے تھے کہ حضرت طالوتؑ سے بادشاہت چھینی جا چکی ہے۔ انہوں نے حضرت داؤدؑ کا مسح کیا اور سر میں مقدس تیل لگایا اور بشارت دی کہ حضرت طالوتؑ کی بادشاہت حضرت داؤدؑ کو منتقل کر دی گئی۔ یہ بھی کہا کہ اس کا کہیں چرچا نہ کیا جائے۔

حضرت طالوتؑ نے حضرت داؤدؑ کے بغیر بھی کئی جنگیں لڑیں۔ یہ جنگیں بھی فلسطیوں سے ہوتی رہیں۔

حضرت داؤدؑ ان کا احترام کرتے تھے کیونکہ حضرت طالوتؑ کو بھی خدا کی طرف سے حضرت شموئیلؑ نے مسح کر کے بادشاہ بنایا تھا۔

اب جو حضرت طالوتؑ اور حضرت داؤدؑ میں دوری ہو گئی تو اس کا سب سے زیادہ دکھ جوناتھن کو ہوا۔ اس نے باپ سے دھوکا بھی نہیں کیا اور حضرت داؤدؑ کا ساتھ بھی دیا۔ دونوں باپ بیٹے اسی بحث میں پڑے رہتے کہ آخر آپس کے اختلافات کیوں ہیں لیکن یہ گفتگو کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی ختم ہو جاتی تھی۔

ایک بار حضرت طالوتؑ دوران سفر کہیں سوئے ہوئے تھے تو حضرت داؤدؑ نے انہی کے خنجر سے ان کے لبادے کا ذرا سا حصہ کاٹ کے خنجر اور کٹا ہوا کپڑا سرہانے رکھ دیا اور یہ پیغام چھوڑا کہ اس غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ لبادے کا ذرا سا حصہ کاٹنے کے بجائے ان کا گلا کاٹ سکتے تھے مگر ایک نبی بادشاہ کے ساتھ یہ حرکت نہیں کر سکتے۔

حضرت طالوتؑ نے بھی اپنے دل میں اعتراف کیا اور کہا "بے شک داؤد نقصان پہنچا سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔" حضرت طالوتؑ نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ بے خوف و خطر آکر ساتھ رہیں، ان کے ساتھ بدی نہیں کی جائے گی۔

لیکن حضرت داؤدؑ نے جوناتھن کے مشورے پر دشت میں سکونت اختیار کی اور حضرت طالوتؑ کے ساتھ رہنا پسند نہیں کیا۔

ان اختلافات کی خبریں فلسطیوں کو پہنچتی رہیں اور انہوں نے حضرت طالوتؑ کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

فلسطیوں نے کوہستان جلبوعہ میں جمع ہونا شروع کر دیا۔ حضرت طالوتؑ نے بھی اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ فلسطیوں کے مقابل اپنے چھکڑے، رتھ اور فوجی پہنچا دیے۔

حضرت طالوتؑ کی فوج میں حضرت داؤدؑ کے سوا سبھی تھے۔ حضرت طالوتؑ کو ان کی کمی سے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ حضرت شموئیلؑ کے قول کے مطابق بادشاہت ان سے چھینی جا چکی ہے اور یہ بادشاہت اندازے کے مطابق حضرت داؤدؑ کے خاندان میں منتقل ہو رہی تھی۔

جوناتھن کو بھی فلسطیوں کے خلاف اس معرکہ آرائی میں یہی دکھ تھا کہ فلسطیوں کے خلاف اس جنگ میں حضرت داؤدؑ نہیں ہیں۔ اس نے اس کمی کا ذکر باپ سے بھی کیا۔ حضرت طالوتؑ نے کہا "وہ لوگوں کے ورغلانے میں آگیا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے ساتھ بدی کروں گا، اسی لیے وہ ہم سے دور دور رہتا ہے اور ہمارے سامنے بھی نہیں آتا۔"

دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ فلسطیوں کو تیروں کی وجہ سے برتری حاصل ہوگئی کیونکہ حضرت طالوتؑ کی فوج تیروں سے محروم تھی۔ جتنے آہن گر تھے، وہ سب بنی اسرائیل سے دور بستیوں میں رہتے تھے اور ان پر سخت پابندی لگا دی گئی تھی کہ وہ آہن گری کا ہنر بنی اسرائیلیوں کو نہیں سکھائیں گے۔

گھنٹوں کے بعد حضرت طالوتؑ نے جوناتھن سے کہا "بیٹے! یہ جنگ تو ہم ہار گئے ہیں۔ اس لیے اگر تو

اور تیرا بھائی اپنی جان بچانا چاہیں تو میدانِ جنگ سے فرار ہو جائیں۔"

لیکن لڑکوں نے میدانِ جنگ سے ہٹنا گوارا نہیں کیا اور جنگ کرتے رہے۔ اچانک ایک تیر حضرت طالوتؑ کو لگا اور وہ شدید زخمی ہو گئے۔ ان کا سلاح بردار پیچھے کھڑا تھا۔ اسے آواز دے کر پاس بلایا اور کہا "اب میں ان فلسطیوں سے نہیں بچوں گا اس لیے تو مجھے قتل کر دے۔"

"سلاح بردار نے انکار کیا اور کہا "آپ ہمارے آقا ہیں، میں آپ کو قتل نہیں کر سکتا۔"

حضرت طالوتؑ نے حکماً کہا "میں فلسطیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تو وہ میرے ساتھ انتہائی برا سلوک کریں گے اس لیے تو میرا کہنا مان اور مجھے قتل کر دے۔"

یہی باتیں جوناتھن اور اس کے بھائی کر رہے تھے۔ وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں قتل نہ ہوں اور انہیں قتل کر دیا جائے۔

آخر کار جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کے نوکر چاکر ان کی بات ماننے کو تیار نہیں تو انہیں ایک ترکیب سوجھی۔ سب سے پہلے حضرت طالوتؑ نے یہ تدبیر کی کہ اپنی تلوار زمین پر کھڑی کی اور خود کو اس پر پیٹ کے بل گرا دیا۔

باپ کی دیکھا دیکھی بیٹوں نے بھی یہی کیا اور وہ بھی تلواریں کھڑی کر کے اپنے اپنے پیٹوں کے بل تلواروں پر گر گئے۔

حضرت طالوتؑ کی فوج لڑتی رہی۔ بادشاہ اور ان کے بیٹوں کا یہ عبرت ناک انجام دیکھ کر سلاح برداروں نے بھی یہی سب کچھ کیا اور اس طرح یہ لوگ مر گئے۔

فلسطیوں نے ان کے سر کاٹے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ کچھ لوگوں نے یہ اندوہ ناک خبر حضرت داؤدؑ کو پہنچائی اور بتایا "جو کچھ ہوا" آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے ہوا۔"

فلسطیوں نے اس کامیابی کی خبریں سارے علاقوں میں پہنچا دیں۔ وہ حضرت طالوتؑ اور ان کے بیٹوں کے ہتھیار ساتھ لے گئے اور انہیں عشتار دیوی کے مندر میں رکھوا دیا۔ حضرت طالوتؑ کی لاش کو بیت شان کی دیوار پر جڑوا دیا۔

یہ باتیں یبیس جلعاد کے باشندوں نے سنیں تو انہیں غیرت آئی۔ ان کے بہادر راتوں رات بیت شان پہنچے اور حضرت طالوتؑ اور ان کے بیٹوں کی لاشیں یبیس لے آئے۔ پہلے ان لاشوں کو جلایا پھر ان کی ہڈیاں لے کر یبیس میں جھاؤ کے درخت کے نیچے دفن کر دیں اور سب نے سات دن تک روزہ رکھا۔

حضرت طالوتؑ کو بادشاہت حضرت شموئیلؑ کے ذریعے تفویض کی گئی اور پھر ان کی نافرمانی کی وجہ سے چھین لی گئی تھی اور ان کی جگہ حضرت داؤدؑ کو بادشاہت اور نبوت بخش دی گئی۔ وہ حضرت داؤدؑ جن کی لحن مشہور ہے اور جن سے بنی اسرائیل میں سلاطین خاندان کا سلسلہ چلا۔ جن کے بیٹے حضرت

سلیمانؑ نے انسانوں اور جانوروں تک پر حکومت کی اور جن کی شہرت امورِ سلطنت کے علاوہ امثال اور دانائی کی وجہ سے زبان زدِ خلائق ہو گئی۔